یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب ۔

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

جلد نمبر ۲
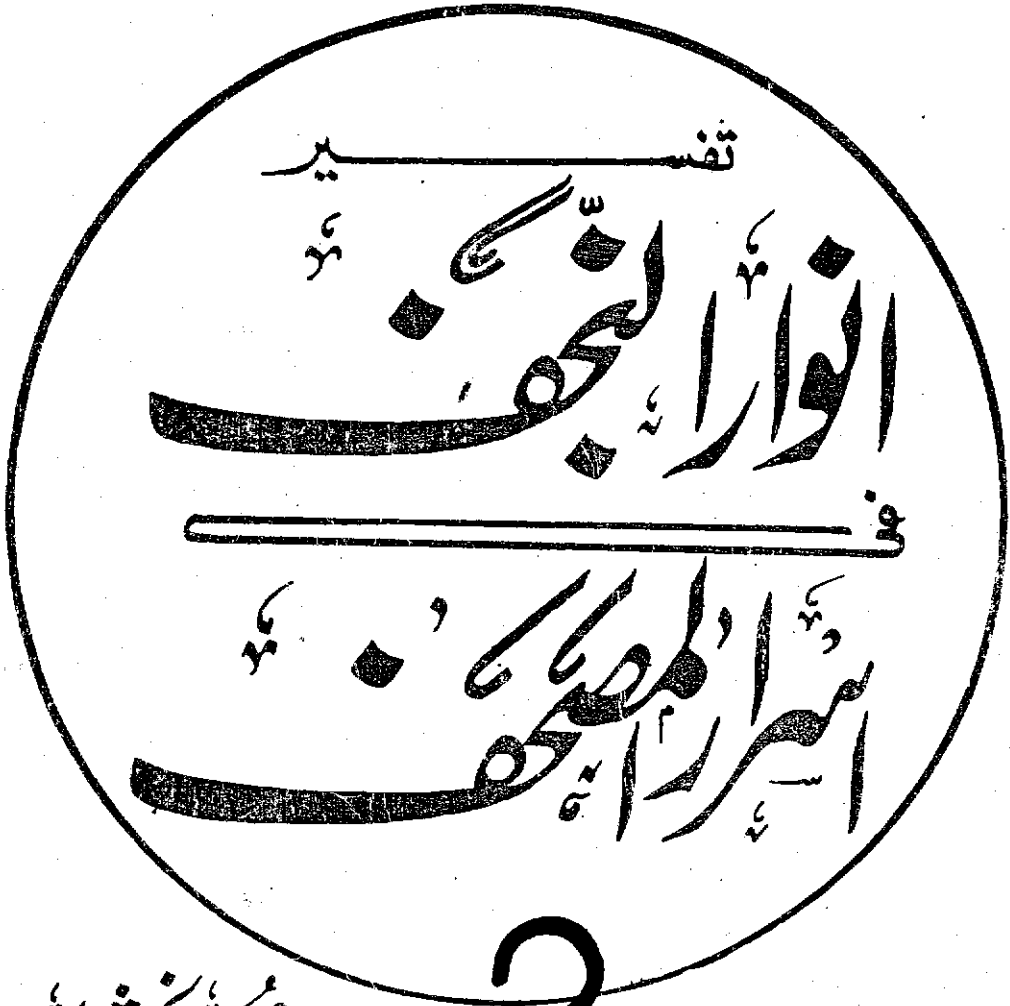
مکتبہ انوار النجف دریاخان ضلع بھکر

چوتھا ایڈیشن اپریل ۱۹۹۰ء



تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۲ء

حدیث رسولؐ

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَبَیْتِیْ

شیعیانِ آلِ محمدؐ خصوصاً واعظین و مبلغین کیلئے نادر و نایاب گرانقدر پیشکش

# اَلْمُجَلَّدُ الثَّانِیْ مِنْ تَفْسِیْرِ

# انوار النجف فی اسرار المصحف

مصنفہ

حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ علامہ حسین بخش جاڑا بانی ——— جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

پرنسپل: جامعہ امامیہ کربلا گامے شاہ لاہور

ناشر

مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع بھکر

ھدیہ مجلد ۷۰ روپے ھدیہ غیر مجلد ۶۰ روپے

## نقشہ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان
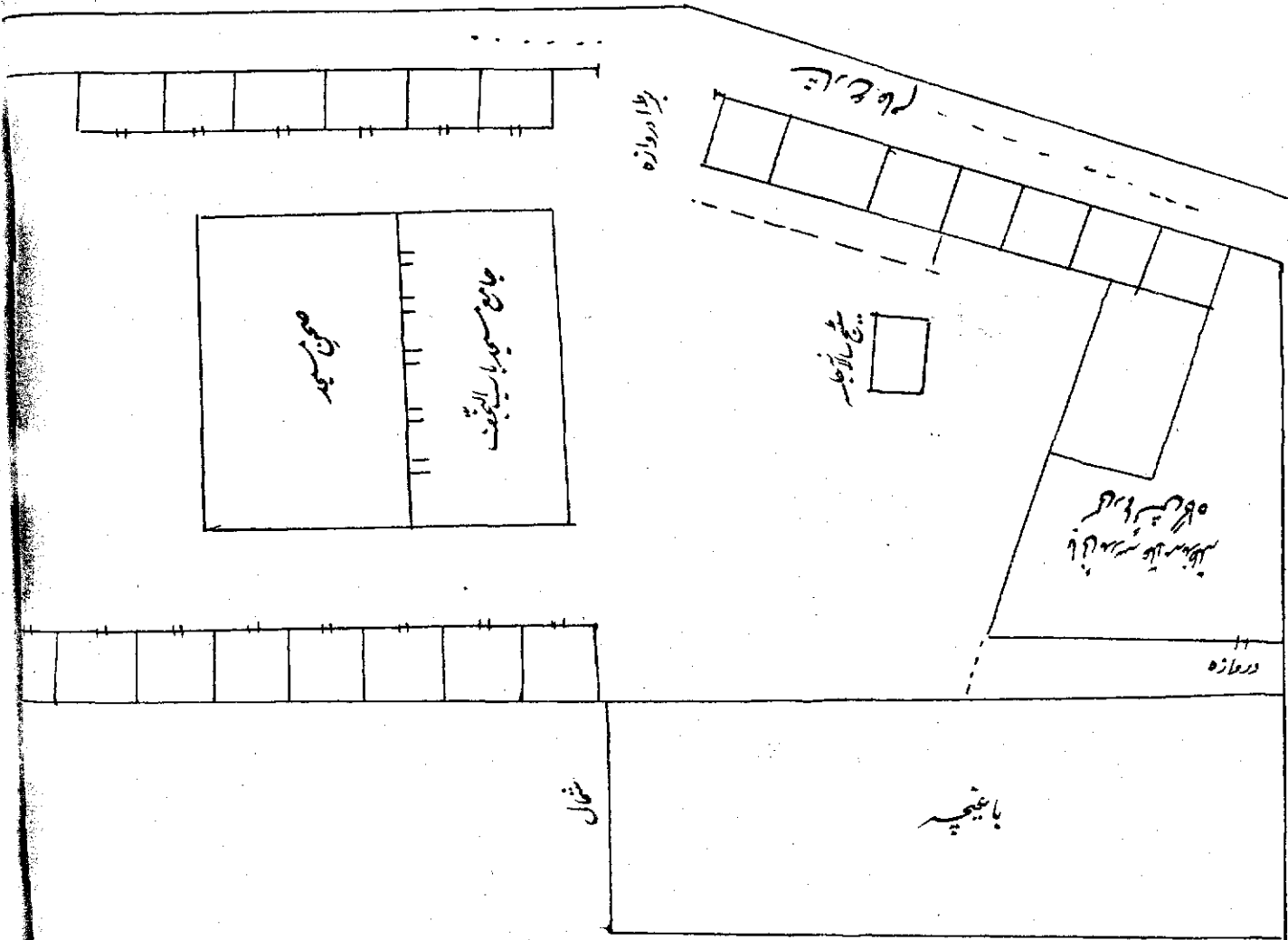
۱. جامعہ علمیہ باب النجف کی ابتداء ماہِ شوال سنہ ۱۳۷۴ھ میں ہوئی اور مکانات کا تعمیری سلسلہ ۱۲ ربیع الثانی سنہ ۱۳۷۸ھ کو ختم ہوا

۲. اس مدرسہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ سوائے لکڑی کے باقی اکثر و بیشتر کام بانیٔ مدرسہ و طلباء کرام نے انجام دیا۔

۳. مدرسہ کی سرپرستی کسی رئیس یا نواب کو حاصل نہیں بلکہ عمومی چندہ جات رقوم خیرات خمس زکوٰۃ و فطرہ اور نذر و نیاز وغیرہ پر ہی انحصار ہے۔ بانیٔ مدرسہ اور مدرسِ اعلیٰ کو سہمِ امامؑ کے خرچ کرنے کی مکمل اجازت حاصل ہے۔

۴. مدرسہ میں دار التصنیف قائم کیا گیا جس کی پہلی گرانقدر پیش کش یہی تفسیر انوار النجف ہے جس کی اب تک ۱۲ جلدیں مکمل چھپ چکی ہیں

۵. تمام قومِ شیعہ سے گزارش ہے اس ناقابلِ فراموش ادارہ علمیہ کی سرپرستی فرما کر دامے درمے قدمے سخنے اس کی امداد فرما کر مشکور فرمائیں

زرِ اعانت کی ترسیل کا پتہ

**مدرسِ اعلیٰ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان**

اس اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے علماء کے قلم کی سیاہی کو عام شہداء کے خون سے افضل قرار دیا ہے اور وہی ذات لائق حمد وثنا ہے جس نے ہر دور میں باطل پرستوں کی غوغا آرائیوں کے باوجود حق پرستوں کو حق کا پرچم بلند کرنے کی ہمت، وسعادت بخشی اور انہیں انتہائی نازک و ناساعد حالات اور پر آشوب ماحول میں ثباتِ قدم اور عزم و استقلال کی نعمتِ بے پایاں سے نوازا۔ چنانچہ اس تفسیر کے خلاف زر و دولت اور نام و نمود کے پجاری نام نہاد مولویوں نے ہر جگہ گلہ پھاڑ پھاڑ کر آوازِ لا حاصل اور صدائے لا طائل بلند کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن علوم آلِ محمدؐ کی ترویج و توسیع پر مشتمل یہ تفسیر اللہ کے فضل و کرم سے مقبولیت عامہ حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھتی گئی۔ اور پورے ملک میں علوم قرآنیہ سے وابستگی رکھنے والوں نے اسے سر و آنکھوں پہ رکھنا اپنی سعادت سمجھا۔ پس حاسدین کے جلتے جلتے ابھی تک تفسیر کی بارھویں جلد کا مسودہ سورۂ احقاف تک پہنچا ہی تھا کہ اس کی پہلی دونوں جلدوں کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔ چنانچہ تفسیر کی دوسری جلد کا یہ دوسرا ایڈیشن پیشِ خدمت ہے۔ حالات کی مساعدت کے ماتحت تفسیر کی پہلی جلد یعنی مقدمۂ تفسیر کا دوسرا ایڈیشن بھی عنقریب شائع کیا جائے گا اور درود و سلام ہو اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰؐ اور اس کی آل اطہار پر جو پوری کائنات کے لئے غایتِ مقصودہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی تائید و امدادِ غیبی سے مجھے قرآن مجید کی تفسیر کی سعادت نصیب ہوئی ہے پس میں اپنی اس خدمت کو حضرات محمد و آلِ محمدؐ علیہم السلام کی بارگاہِ عصمت میں ہدیہ پیش کرتا ہوں تاکہ میرے اور میرے والدین و اکابر و اساتذہ و اقرباء و اولاد کے لئے بروزِ محشر ذخیرۂ حسنات ہو اور اللہ سے توفیقِ مزید کی دعا کرتا ہوں کہ مومنین کرام کو اس سے مزید استفادہ کی صلاحیت و ہمت عطا فرماوے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ

۱۴ مئی ۱۹۷۳ء مطابق ۹ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ بوقت ۶½ بجے صبح

تیسرا ایڈیشن مئی ۱۹۸۲ء کو شائع کیا گیا۔

# فہرست

# پارہ عــا

## تفسیر

## سُورۂ فاتحہ

اس سورہ کو بعض مکّی کہتے ہیں اور بعض مدنی کہتے ہیں اور بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سورہ مبارکہ دو دفعہ نازل ہوا۔ ایک دفعہ مکہ میں اور ایک دفعہ مدینہ میں۔ لہٰذا مکّی بھی ہے اور مدنی بھی۔ اس سورہ کی کل آیات سات ہیں جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی داخل ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان سے جو راندۂ درگاہ ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ② الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ③ مٰلِكِ یَوْمِ

حمد صرف اللہ کے لئے ہی ہے جو عالمین کا پروردگار رحمٰن رحیم (اور) مالک روز جزا

الدِّیْنِ ④ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ⑤ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ⑥

ہے (میرے اللہ) صرف تیری ہم عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں ثابت رکھ ہم کو سیدھے رستے پر

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ⑦

(یعنی) ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا

## سُورۂ فاتحہ کے فضائل

مجمع البیان - ابی بن کعب سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا جو مسلمان سُورہ فاتحہ کو پڑھے اس کو دو تہائی قرآن پڑھنے کا ثواب ملے گا اور تمام مومنین و مومنات پر صدقہ کرنے کا اجر اُس کو عطا ہوگا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سورہ فاتحہ کے پڑھنے کا ثواب پُورے ختم قرآن کے ثواب کے برابر ہے (یعنی جو شخص قرآن پڑھا ہوا نہ ہو تو اُس کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے بلکہ سورہ فاتحہ کی تلاوت کرے خدا اُس کو پُورے قرآن کے پڑھنے کا اجر دیگا۔

نیز ابی بن کعب سے مروی ہے کہ میں نے حضرت رسالتمآبؐ کے حضور میں سُورہ فاتحہ پڑھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے یدِ قدرت میں میری جان ہے خداوندِ کریم نے تورات - انجیل - زبور بلکہ خود قرآن میں بھی اس کی مثل نازل نہیں کی - یہ اُمّ الکتاب ہے اور یہی سبع مثانی ہے اور یہ اللہ اور بندے کے درمیان تقسیم شدہ ہے اور بندے کے لئے ہے جو بھی سوال کرے۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ جابر بن عبداللہ انصاری کو حضور نے فرمایا کیا میں تجھے ایک ایسی سورت کی تعلیم دوں جس سے بہتر خداوندِ کریم نے کوئی سورت قرآن میں نازل نہ فرمائی ہو - جابر نے عرض کی جی ہاں - میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یارسُول اللہ

پس آپ نے اس کو سورۂ حمد تعلیم فرمائی۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے جابر! اس کے متعلق میں تجھے کچھ بتاؤں؟ جابر نے عرض کی جی ہاں۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ موت کے سوا ہر مرض کے لئے شفا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جس کو الحمد تندرست نہیں کر سکتی اُس کو کوئی چیز تندرست نہیں کر سکتی۔

حضرت امیر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ مجھے ارشادِ خداوندی ہوا ہے یا مُحَمَّدُ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ۔ (ترجمہ) ہم نے تجھے سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا۔ پس اللہ تعالےٰ نے مجھے فاتحہ کا احسان الگ جتلایا اور پورے قرآن کے مقابلہ میں اس کو ذکر فرمایا اور تحقیق عرش کے تمام خزانوں میں سے فاتحہ زیادہ وزنی و قیمتی جوہر ہے۔ اور اللہ نے محمدؐ کو اس کے ساتھ مختص فرمایا اور کسی نبی کو اس نعمت میں شریک نہیں کیا۔ سوائے حضرت سلیمانؑ کے کہ اس کو اس کی ایک آیت عطا کی۔ چنانچہ بلقیس کے قول کو بیان فرماتا ہے۔ اِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ ۝ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔ پس جو شخص محمدؐ و آل محمدؐ کی ولا کا اعتقاد رکھتے ہوئے اور اس کے امر کی اطاعت کرتے ہوئے نیز اس کے ظاہر و باطن پر ایمان لاتے ہوئے اس کو پڑھے گا۔ خداوند کریم ہر ہر حرف کے بدلہ میں اس کو ایسی نیکی (نعمت) عطا فرمائے گا جو دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے افضل ہو گی۔ اور جو شخص سورہ فاتحہ کو کسی اور سے سُنے گا تو جس قدر پڑھنے والے کو ثواب ملے گا اُس کا ایک تہائی سُننے والے کو عطا ہو گا۔ پس ہر ایک کو یہ آسان نیکی زیادہ سے زیادہ حاصل کرنی چاہیئے کیونکہ یہ غنیمت ہے ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور تمہارے دلوں میں حسرت باقی ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ اگر سورۂ فاتحہ کسی درد کے مقام پر ستّر مرتبہ پڑھی جائے تو وہ درد ضرور ختم ہو جائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ پانی کے پیالہ پر چالیس مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر مریض پر چھڑکا جائے تو اس کو شفا ہو گی۔ بہر کیف سورہ فاتحہ کے فضائل اور اس کے خواص شیعہ و سنّی ہر دو فریق کی کتابوں میں بہت زیادہ منقول ہیں۔ گویا یہ سورہ مجیدہ روحانی و جسمانی ہر دو بیماریوں کے لئے شفا بخشی ہے بشرطیکہ نیت صاف ہو۔

چنانچہ علّامہ علی اکبر نہاوندی نے کتاب خزینۃ الجواہر ص۲۸۵ و ص۵۷۲ میں کتاب جامع النورین سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے کسی صحابی کا ہاتھ ایک جنگ میں کٹ گیا پس وہ حضرت کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس کا کٹا ہوا ہاتھ اپنے مقام پر جوڑ کر آہستہ سے کچھ پڑھا پس وہ تندرست ہو گیا اور خوشی سے چلا گیا۔ پھر دوسرے دن حضرت کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی حضور میرے دست بریدہ پر آپ نے کیا پڑھا تھا کہ وہ تندرست ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے سورہ فاتحہ پڑھا تھا تو اس شخص نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا۔ اچھا! آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھا تھا۔ بس یہ کہنا تھا کہ اُس کا وہی ہاتھ اُسی مقام سے دوبارہ جُدا ہو کر گر گیا

مرتے دَم تک ویسے کا ویسا رہا۔

کلامِ خدا میں یہ برکت ہے کہ بیماری تو بجائے خود مردہ بھی اس سے زندہ ہوسکتا ہے جیسا کہ ایک مقام پر خدا ارشاد فرماتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے پہاڑ چلائے جاسکتے ہیں۔ زمینوں کی مسافتیں طے کی جاسکتی ہیں اور مردوں سے کلام کیا جاسکتا ہے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ سورہ فاتحہ میں موجود ہے بلکہ گذشتہ روایت میں بھی موجود ہے کہ سُورہ فاتحہ باقی تمام سورتوں سے افضل ہے اور خداوندکریم نے بھی اس کو پُورے قرآن کے مقابلہ میں ذکر فرمایا ہے تو سورہ فاتحہ کے پڑھنے سے بیمار کی تندرستی تو درکنار اگر مردہ میں روح پلٹ آئے تو یہ بھی بعید نہیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اگر کسی مردہ پر ستّر مرتبہ سورہ فاتحہ کی تلاوت کی جائے اور خدا اس میں روح کو پلٹا دے تو تعجب کی بات نہیں۔

**لطیفہ۔** علاّمہ نہاوندی قدہ نے محدّث نوری قدہ کی کتاب دار السّلام سے نقل فرمایا ہے کہ سیّد محمد موسوی نجفی ذکر کرتے ہیں کہ میں بچپنے کے زمانہ میں بلید (کند ذہن) تھا لیکن نوافل وتعقیبات کا دلدادہ تھا۔ ایک دن مصباح کفعمی کا مطالعہ کیا تو اس میں یہ حدیث نظر سے گذری جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر میّت پر چالیس مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھی جائے تو اُس کے زندہ ہوجانے میں کوئی تعجب نہیں میں نے دِل میں کہا کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ اس بات کے ہوتے ہوئے اپنے مردوں کو دفن کر دیتے ہیں اور سورہ فاتحہ پڑھ کر ان کو زندہ نہیں کر لیتے۔ پس ایک مکّھی کو پکڑ کر میں نے ایک حوض میں ڈبو دیا اور عصر تک اُسے ڈبوئے رکھا جب مجھے اس کی موت کا یقین ہوگیا تو اُس کو پانی سے باہر نکال کر خشک مقام پر رکھا اور اس کے دوبارہ زندہ کرنے کی نیت سے اس پر سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کیا اور اس پر دم کرتا گیا جب تیس مرتبہ پڑھ چکا تو اُس کے بعد میں نے دیکھا کہ اُس مکھی نے اپنے پاؤں کو حرکت دی اور اپنے پروں کو مس کیا اور ابھی چالیس مرتبہ تک نہ پہنچنے پایا تھا کہ مکھی پرواز کر کے چلی گئی۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ مکّھی شاید پہلے سے زندہ ہو۔ اور اُس پر موت واقع نہ ہوئی ہو اور مجھے اس کی موت کا اشتباہ ہوا ہو۔ پس دوسرے دن ایک اور مکّھی پکڑ لی اور اس کو صبح سے لے کر ظہر تک برابر پانی میں ڈبوئے رکھا اور پھر نکال کر عصر تک زمین پر اُسے ڈال دیا۔ اس میں کوئی حس وحرکت نہ تھی۔ جس سے مجھے یقین ہوگیا کہ وہ مر چکی ہے۔ پس میں نے سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیا اور اس مرتبہ بھی چالیس تک نہ پہنچا تھا کہ مکھی باذن خدا زندہ ہو کر ہوا میں پرواز کر گئی۔

## سورہ فاتحہ کے مقدم ہونے کی وجہ

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کا ایک مشہور فرمان جس کو علاّمہ نہاوندی قدس سرّہ نے خزینۃ الجواہر ص۴۳۶ و ص۵۷۴ میں نقل فرمایا ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ تمام آسمانی کتابوں کا علمِ قرآن مجید میں ہے۔ اور تمام قرآن کا علم سورہ فاتحہ میں موجود ہے۔ اور جو کچھ سورہ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہے۔ اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ بائے بسم اللہ میں ہے وہ اس نقطہ میں ہے جو باء کے نیچے ہے

اور میں وہی نقطہ ہوں۔ اسی ذیل میں علاّمہ موصوف فرماتے ہیں کہ من جملہ باقی وجوہ کے سورہ فاتحہ کے باقی قرآنی سورتوں پر مقدم ہونے کی یہ بھی ایک وجہ ہے کیونکہ سورہ فاتحہ کو باقی قرآن کے ساتھ اجمال و تفصیل کی نسبت حاصل ہے یعنی قرآن میں جو کچھ تفصیل کے ساتھ درج ہے وہ سورہ فاتحہ میں اجمالاً موجود ہے۔

اَلْحَمْدُ قرآن مجید میں خداوند کریم کی تمجید۔ تحمید۔ تسبیح۔ تقدیس۔ تہلیل۔ تکبیر۔ شکر و رضا جس قدر تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں لفظ الحمد ان کا اجمالی خاکہ ہے۔

لِلّٰہِ۔ قرآن مجید میں جس قدر صفات جلال و کمال ذاتِ احدیت کے لئے بیان ہوئے ہیں لفظ للہ ان سب کا اجمال ہے۔

رَبِّ۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں ربوبیّت کا تفصیلی ذکر ہے لفظ رَبّ میں وہ سب کچھ اجمالاً موجود ہے۔

اَلْعَالَمِیْنَ۔ کتاب مجید میں آسمانوں، زمینوں، جنّوں، انسانوں، وحوش، طیور، انبیا، اولیا، نیکوں اور بدوں بلکہ جمیع مصنوعات کی جس قدر تفصیل ہے وہ لفظ اَلْعَالَمِیْنَ میں بند ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ۔ قرآن میں جس قدر رزق۔ انعام۔ احسان۔ اکرام وغیرہ مذکور ہیں لفظ اَلرَّحْمٰن اُن سب پر مشتمل ہے۔

الرَّحِیْمِ۔ کلام مجید میں جہاں کہیں وسعتِ رحمت اور گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہے لفظ الرَّحِیْم سب کو شامل ہے۔

مَالِكِ۔ قرآن شریف میں خدا کی قدرت و عظمت۔ اس کی بقاو سرمدیت اور اس کا بے مثل و بے مثال اور لاشریک ہونا یہ سب کچھ کلمہ مالک میں جمع ہیں۔

یَوْمِ الدِّیْنِ۔ پورے قرآن میں جس قدر قیامت۔ مواقفِ حساب۔ نجات و جملہ احوالِ بہشت اور درکات و خطراتِ جہنم میزان و صراط وغیرہ کے تفصیلی تذکرے ہیں وہ لفظ یَوْمِ الدِّیْنِ میں سمائے ہوئے ہیں۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ۔ جملہ عبادات جن کا قرآن میں ذکر ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے اندر موجود ہیں۔

وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ کلام اللہ میں ذکر استعانت، توکل اور طلب مدد جہاں بھی مذکور ہے وہ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں مندرج ہیں

اِھْدِنَا۔ قرآن میں ہدایت و ارشاد، دعا و سوال اور تضرع وغیرہ کا جہاں ذکر ہے اِھْدِنَا اس کا جامع ہے۔

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ قرآن پاک میں جملہ حلال و حرام، اوامر و نواہی اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ کتاب پاک میں جس قدر نیک لوگوں کے حالات۔ اُن کے طریقے، اُن کی سُنّتیں، سیرتیں اُن کا سبب نجات اور بلندیِ درجات وغیرہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ ان لفظوں میں اختصار کے ساتھ مندرج ہیں۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ۔ بنی اسرائیل کے حالات و قصص۔ اُن کا کفرانِ نعمت۔ تکذیب انبیاء و قتل انبیاء اور ان کا گناہ

پراصرار اور پھر اُن پر غضبِ خدا و عذاب کا نزول قرآن میں جتنی تفصیل سے مذکور ہے وہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ میں سمایا ہوا ہے۔

وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ فرعونوں۔ جابر بادشاہوں۔ نصرانیوں اور مشرکوں گمراہوں کی پوری قرآنی تفصیل کا یہ اجمالی عنوان ہے۔ پس اسی لئے سورہ فاتحہ کو تمام قرآنی سورتوں پر مقدم کیا گیا ہے کیونکہ اجمال تفصیل سے پہلے ہوا کرتا ہے۔

**اقول** ۔ جس طرح سورہ فاتحہ پورے کلام اللہ کا اجمال ہے۔ اسی طرح آیہ کریمہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پورے سورہ فاتحہ کی اجمالی تصویر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ ۔ لفظ اللہ علم ہے اس ذات کا جو واجب الوجود اور جامع جمیع صفات کمال ہے۔ لہٰذا اس لفظ میں جملہ صفاتِ جلال و کمال اور تمام صفاتِ ثبوتیہ و سلبیہ اجمالاً درج ہیں۔ پس تحمید و تسبیح و تہلیل و عبادت و استعانت وغیرہ کا سزاوار ہونا اسی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ ۔ تمام نعماتِ دنیاویہ و دینیہ کا بیان اسی مختصر سی لفظ میں سمویا ہوا ہے۔

الرَّحِیْمِ ۔ چونکہ یہ لفظ خصوصی انعامات کے لئے ہے جو قیامت کے روز مومنین پر کئے جائیں گے اور دشمنانِ خدا ان سے محروم ہوں گے۔ لہٰذا قیامت کے حالات اور اُخروی انعامات اور کفار کی بری بازگشت وغیرہ کے لئے لفظ الرحیم کو جامع کہا جا سکتا ہے۔

روایت گذشتہ میں بیان ہو چکا ہے کہ ذاتِ ربّ العزت نے جناب رسالت مآبؐ پر قرآن مجید کے ساتھ سورہ فاتحہ کا بالخصوص امتنان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ۔ (ترجمہ) ہم نے تجھے سبع مثانی (فاتحہ) اور قرآن عظیم عطا کیا۔ پس سورہ فاتحہ کا قرآن مجید کے مقابلہ میں ذکر کرنا بھی غالباً اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ تفصیل سے بیان ہوا ہے سورہ فاتحہ میں وہ اجمالاً درج ہے۔ یہ سورہ مجیدہ اصولِ دین۔ توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت۔ قیامت کے بیان کو جس طرح متضمن ہے اسی طرح جملہ فروعِ دین نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس۔ جہاد۔ تولیٰ۔ تبرا کو اجمالاً اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ گویا اس سورہ کے ہر ہر لفظ میں علومِ قرآنیہ و مطالب شرعیہ کے دفتر نہاں ہیں جن کو کما حقہ سوائے راسخین فی العلم کے اور کوئی نہیں پا سکتا۔ چنانچہ مولائے کائنات۔ حلّالِ مشکلات حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ابن عباس رضی اللہ کے سامنے تفسیر بائے بسم اللہ بیان کرنا شروع کی حتیٰ کہ صبح نمودار ہو گئی۔ اور ایک مقام پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کرتا جاؤں تو اس سے ستر اونٹ بار ہو سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے تو ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ میرا اور جناب رسالت مآبؐ کے تمام صحابہ کا علم حضرت علیؑ کے علم کے مقابلہ میں اس طرح ہے جس طرح ایک قطرۂ آب سات سمندروں کے مقابلہ میں۔ ہم نے یہ حدیث اور اس باب کی اکثر احادیث معہ حوالہ جات کتب

اسی کتاب کی پہلی جلد یعنی مقدمۂ انوار النجف میں اصل عبارتوں کے ساتھ مختلف عناوین کے تحت میں بیان کردی ہیں۔ (مقدمہ تفسیر صـ۱۳۹ وصـ
کور باطن یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ سورہ فاتحہ کی آیات آپس میں بالکل بے ربط و بے جوڑ ہیں۔ لہٰذا اس سے ایک مسلسل مضمون حاصل
نہیں ہوسکتا حالانکہ چشمِ بصیرت سے لمعاتِ حقیقت پر نظر ڈالنے سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتا ہے کہ جو لطافتِ بیان سورہ
مجیدہ فاتحہ میں پائی جاتی ہے اور جس حُسن انداز سے علومِ قرآنیہ کو اس مختصر سورہ میں سمو دیا گیا ہے وہ صرف اسی کلام پاک کا حصہ ہے جو اس
کی اعجازی حیثیت کی واضح دلیل ہے۔

گویا پورے قرآن مجید کے تفصیلی بیان کے لئے سورہ فاتحہ موضوع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور سورہ فاتحہ کے لئے بسم اللہ الرحمٰن
الرحیم موضوع بیان ہے تو پس آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پورے قرآن مجید کا موضوع ٹھہری اور سورہ فاتحہ اس کا
ایک سرسری ترجمہ ہے اور الحمد سے لے کر والناس تک پورا کلام پاک انہی مطالب کا تفصیلی بیان ہے۔ اب یہ کہنا بالکل درست اور
قرینِ عقل ہے کہ کتبِ سماویہ کے تمام علوم قرآن میں ہیں اور قرآن کے تمام علوم سورہ فاتحہ میں ہیں۔ اور سورہ فاتحہ کے تمام علوم بسم اللہ
الرحمٰن الرحیم میں ہیں۔ اب رہا یہ کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جمیع علوم بائے بسم اللہ میں اور بائے بسم اللہ کے جملہ علوم اس
نقطہ میں ہیں جو با کے نیچے ہے تو اس میں اشکال تب ہوسکتا ہے کہ باء سے مراد وہی حرف لیا جائے جو حروفِ تہجی میں دوسرے نمبر
لکھا جاتا ہے اور نقطہ سے مراد وہی ظاہری نقطہ لیا جائے جو حرف باء کے ساتھ لازم کی حیثیت رکھتا ہے لیکن حضرت امیر المومنین
علیہ السلام نے اپنے بیان کے آخر میں اس خیال کی تردید فرمادی ہے کہ نقطہ سے مراد میں ہوں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ باء سے مرا
باطناً وجود ذیجود جناب رسالت مآبؐ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ایک حقیقت نوری کے دو حصے ہیں (اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ)
اب مطلب صاف ہے کہ وہ تمام علوم جو بسم اللہ میں ہیں وہ جناب رسالت مآبؐ کے پاس ہیں۔ اور وہ تمام علوم جو جناب رسالتمآبؐ
کے پاس تھے وہ حضرت علیؑ کے پاس ہیں۔ چنانچہ خود رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے۔ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا عَلِیٌّ خَازِنُ
عِلْمِیْ عَلِیٌّ وِعَاءُ عِلْمِیْ۔ یہ حدیثیں باختلاف عبارات معہ حوالہ جات کتب اسی کتاب کی پہلی جلد میں بیان کی جاچکی ہیں (مقدمہ
تفسیر صـ۸۶ تا صـ۹۵ وصـ۱۷۱) نقطہ بائے بسملہ کا مفصل بیان ایک مستقل عنوان کے تحت ہوگا۔ نیز سورہ فاتحہ کا نام "اُمّ الکتاب" ہونا
اسی بات کی دلیل ہے کہ قرآن کے جملہ مضامین کی یہ اصل ہے کیونکہ اُمّ کا معنی ماں ہے اور ماں اولاد کے لئے اصل اور اولاد اس
فرع ہوتی ہے اور اصل کا فرع سے مقدم ہونا ضروری ہے۔ اور اسی سورہ کا نام "الاساس" بھی اسی کا موید ہے کیونکہ اساس کا
معنی بنیاد ہوتا ہے گویا سورہ فاتحہ بنیاد ہے پورے قرآن کی لہٰذا اس کا مقدم ہونا لازمی ہے اور ترتیب آیات سورہ فاتحہ۔
عنوان میں اس بیان کی مزید وضاحت آجائے گی۔

**سورہ فاتحہ کے اسماء اور وجہ تسمیہ**

الفاتحہ ۔ فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ تمام قرآنی سورتوں سے یہ پہلے

اوراس کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

اُمّ الکتاب ۔اَلاَسَاس ان دوناموں سے سورہ مجیدہ فاتحہ کی وجہ تسمیہ ابھی بیان کردی گئی ہے۔

الشِّفاء۔ سورہ مذکورہ کے فضائل کے بیان سے وجہ تسمیہ صاف ظاہر ہے۔

السَّبع۔ چونکہ اس سورہ کی کل آیات سات ہیں اور سبع بھی سات کو کہتے ہیں۔

اَلْحَمْد۔ کیونکہ اس میں پروردگار عالم کی حمد بیان کی گئی ہے۔

الوَافیہ۔ کیونکہ ہر نماز میں خواہ واجب ہو یا سُنّت اس کا پُورا پڑھنا ضروری ہے اور وافیہ کا معنی ہے پوری۔

الکافیہ ۔ یہ اس لئے کہ یہ سُورہ نماز سنتی میں تنہا کافی ہے اور واجبی نمازوں میں بھی بعض مقامات پر تنہا کافی ہوسکتی ہے ،اور دوسری کوئی سورت نماز میں تنہا کافی نہیں ہے۔

اَلصّلوٰۃ ۔ یہ اس لئے کہ نماز میں اس سُورہ کا پڑھنا ضروری ہے ۔چنانچہ مشہور حدیث ہے ۔ لَاصَلوٰۃَ اِلاَّ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب ۔ یعنی کوئی نماز بغیر فاتحہ کے درست نہیں۔

اَلْمَثَانِیْ ۔ اِس نام کے متعدد وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

۱ ۔ چونکہ ہر نماز میں خواہ فرض ہو یا سنّت اس کو دو دفعہ پڑھنا ضروری ہے اس لئے اس کو مثانی کہتے ہیں۔

۲ ۔ یہ سورہ مبارکہ دو دفعہ نازل ہُوئی ۔ایک دفعہ مکہ میں اور دوسری دفعہ مدینہ میں اس لئے اس کو مثانی کہا جاتا ہے۔

۳ ۔ یہ سورہ دو حصوں میں منقسم ہے ثناء خالق اور سوال مخلوق جیسا کہ بعض احادیث سے یہ مضمون مذکور ہوچکا ہے۔

۴ ۔ اس سورہ کی سات آیتیں ہیں اور ہر آیت دو معنے رکھتی ہے۔

اسماء وصفات حق تعالیٰ کی دو قسمیں ہیں ایک اس کی عظمت وقدرت پر دلالت کرتے ہیں ۔اور دوسرے اس کی رحمت اور مہربانی کو ظاہر کرتے ہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں دونوں پائے جاتے ہیں۔

شکر کی دو قسمیں ہیں ایک ذات وصفات پر اور دوسرے احسانات وانعامات پر اور الحمد للہ میں دونوں شکر کی قسمیں موجود ہیں۔

عالم دو ہیں ۔ دنیا و آخرت اور رَبُّ العالمین دونو کو شامل ہے۔

رحمت کی قسمیں دو ہیں ۔ دنیا میں اور قیامت میں اور الرحمن الرحیم میں دونوں موجود ہیں۔

بدلہ وجزا دو چیزوں کے مقابلہ میں ہوتا ہے ایک نیکیوں کا دوسرا برائیوں کا اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں دونو آجاتے ہیں۔

اطاعت کی دو قسمیں ہیں ۔عبادت اور عبودیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں دونوں پائی جاتی ہیں۔

طلب مدد دو چیزوں کے لئے ہوتی ہے۔ اچھی چیز حاصل کرنے کے لئے اور بُری چیز کو روکنے کے لئے اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن دونوں معنوں کو شامل ہے۔

ہدایت دو مقام کے لئے ہے۔ ایک معرفت اور دوسرے اطاعت اِھْدِنَا سے دونوں مُراد ہیں۔

گمراہی دو قسم کی ہے ایک اہل کتاب کی اور دوسری مشرکین وغیرہ کی اور آخر سورہ میں دونوں کا بیان ہے۔ اِن وجوہ کے علاوہ اِس سورہ کو المثانی کہنے کے اور وجوہ بھی بیان کئے گئے ہیں۔ جن کا ذکر کرنا غیر ضروری ہے۔

## ترتیب آیات سُورہ فاتحہ

مراتب ارتقاء میں پہلا مرتبہ علم کا ہے۔ اِس کے بعد عمل اور پھر نتیجہ ذات احدیت نے جنّوں اور انسانوں کے مقصدِ خلقت کے متعلّق ارشاد فرمایا مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (ترجمہ) ہم نے جنّوں اور انسانوں کو نہیں خلق کیا مگر عبادت کے لئے عبادت، معرفت اور جزا دونوں کے درمیان میں واقع ہے۔ معرفت عبادت سے پہلے ہے اور عبادت جزا سے مقدّم ہے۔ پس خداوند کریم نے انسان کو پہلے پہل معرفت کا درس دیا اور کلام مجید کو لفظ بسم اللّٰہ سے شروع فرمایا اور بندے کو تعلیم دی کہ ہر کام سے پہلے اللّٰہ کا نام لینا ضروری ہے اور چونکہ ذات اللّٰہ کا تصوّر حقیقی بندہ کے لئے ناممکن تھا۔ اِس لئے اس کے بعد الرحمٰن الرحیم کا اضافہ کر دیا تاکہ یہ سمجھ میں آجائے کہ تمام نعمات چھوٹی یا بڑی کا فیضان جس ذات کی طرف سے ہے وہ ہے اللّٰہ۔ اب یہ بھی خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ چونکہ تمام نعمات میں اہم نعمت وجُودِ ممکنات ہے اور اللّٰہ ہی اس کا منعم ہے تو اس کی ذات قدیم ہے اور وجُودِ ممکنات حادث ہے۔ اور وجُودِ ممکنات کا حسن نظام سے برقرار رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ اِن کا صانع حقیقی قادر بھی ہے علیم و حکیم بھی ہے اور چونکہ ممکنات تغیر سے خالی نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اِن کا موجد باقی وغیر فانی ہے۔ اِس میں تغیّر آ ہی نہیں سکتا اور نیز اس کا مرید و مدرک ہونا بھی ضروری ہے۔ بس صرف اِسی آیت میں غور و فکر کرنے سے اس کی جملہ صفاتِ ثبوتیہ و سلبیہ کی معرفت ہو جائے گی اور پتہ چل جائے گا کہ اللّٰہ اس ذات کا نام ہے جو تمام صفات کمال کی جامع ہے۔ اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ورنہ نظام کا درہم برہم ہو جانا ضروری ہے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے۔ لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا (ترجمہ) اگر آسمان و زمین میں اللّٰہ کے علاوہ کوئی اور خدا بھی ہوتے تو ان کا نظام فاسد ہو جاتا۔ یعنی نظامِ کائنات کی بقا اسکے باقی اور لاشریک ہونے کی ظاہر و واضح دلیل ہے۔

پس جب انسان کے ذہن میں خدا کی معرفت آگئی اور یہ سمجھ لیا کہ میرا بلکہ کل کائنات کا وجُود اور دنیا کی تمام نعمات اللّٰہ ہی کی طرف سے ہیں تو عقل انسان کو خود پکار کر کہے گی کہ اس منعم حقیقی کا شکر ادا کیا جائے جو عالمین کا رب ہے اب شکر کا وجُود سمجھ لینے کے بعد اس کی طرف سے آئے ہوئے تمام اوامر و نواہی کو معلوم کر کے ان پر عمل کی کوشش کرے گا اور اس کے بھیجے ہوئے

رسولوں کے دروازہ پر دستک دئے بغیر چونکہ یہ مرحلہ طے کرنا مشکل ہے لہذا معرفت خدا کے بعد عمل و عبادت کے لئے معرفت نبیؐ و امامؑ کی ضرورت ہے ۔ جیسا کہ اسی کتاب کی جلد اوّل میں توحید و ضرورت نبیؐ و ضرورت امام کے عناوین میں تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے پس آیہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ معرفت کے بعد عبادت کی منزل کو ظاہر کرتی ہے ۔

منعم حقیقی کا شکر ادا کرنے کے لئے جب نبیؐ یا امام سے احکام شرعیہ کی تعلیم پالی تو مقتضائے بشریت کے لحاظ سے اس میں بھول چوک کا ہونا ضروری تھا اور یہ اندیشہ تھا کہ مبادا انسان اپنی کوتاہیوں کے پیش نظر اس کی رحمت سے مایوس ہو جائے ۔ لہذا بعد میں پھر الرحمٰن الرحیم کا اعادہ فرما دیا جس میں لطیف اشارہ ہے اس طرف کہ اے انسان مقام الطاعت و ادائیگی شکر میں اگر تجھ سے کچھ کوتاہی ہو بھی جائے تو مایوس نہ ہو کیونکہ میں رحمٰن و رحیم ہوں جس طرح وجودِ کائنات اور اس میں تمام ظاہری انعامات میری طرف سے ہیں اسی طرح آخرت کے انعامات و مہربانیاں بھی میری ہی طرف سے ہوں گی اور جس طرح میں رب العالمین ہوں اسی طرح رحمٰن و رحیم بھی ہوں ۔ خطا سرزد ہو جانے کے بعد تو اگر توبہ کرے گا تو میں اپنے رحم و کرم سے تجھے معافی دے دوں گا ۔ اور اس کے بعد فرمایا مالك یوم الدین یعنی قیامت کا معاملہ میری ذات سے ہی وابستہ ہے کیونکہ اس دن اور کسی کی کوئی ملکیت نہ ہوگی ۔ نیز اس آیت سے متنبہ کر دیا کہ اے انسان اپنے نتیجہ سے غافل نہ ہو ۔ جس طرح میں ایجاد خلق میں منفرد ہوں اور میں نے اپنے ارادہ سے ہی تمام کائنات کو وجود بخشا ہے اور تجھے مقام اطاعت پر لا کھڑا کیا ہے ۔ اسی طرح تجھے اپنی کارکردگی کا بدلہ دینے کے لئے بھی صرف میں ہی ہوں جس طرح ایجاد میری قدرت سے ہے اسی طرح اعادہ بھی میری قدرت سے ہوگا ۔ مجھ سے بھاگ کوئی نہیں سکتا تجھے شکر گذاری کی جزا ضرور دوں گا اور اگر احسان فراموشی کر کے سرکشی کرے گا تو اس کی سزا بھی ضرور دوں گا ۔

پس یہاں تک پہنچ کر انسان نے مقامِ دنیا میں اپنے پیش و پس کو یعنی مبدأ و معاد کو سمجھ لیا بلکہ دیکھئے کہ من این و فی این و الی این ۔ یعنی کہاں سے آیا اور کہاں آیا اور کہاں جانا ہے ۔ تینوں منازل کا تصوّر سامنے آگیا کہ اللہ نے بھیجا اور مقام الطاعت و عبادت و شکر میں بھیجا اور مقامِ جزا و سزا (قیامت) میں حاضر ہونا ہے جب انسان اس منزل معرفت تک پہنچ چکا اور جان لیا کہ میرے ماضی حال مستقبل سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں ۔ مبدأ و معاد کا مالک صرف وہی ہے ۔ تو پس اس کی عظمت قدرت ہیبت جلالت آنکھوں کے سامنے آگئی اور غیب سے خطاب کی طرف پلٹ گیا جیسا کہ کہا جاتا ہے ۔ اَلْمَعْرِفَةُ بَذْرُ الْمُشَاهَدَةِ وَالرُّؤْيَةُ ثَمَرَةُ الْيَقِيْنِ یعنی معرفت مشاہدہ کا بیج ہے اور رؤیت یقین کا پھل ہے یعنی کسی چیز کی معرفت جب کامل ہوتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سامنے ہے اور گویا میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اسی طرح جب کسی شئے کے وجود کا یقین کامل ہو جاتا ہے تو وہ شئے اگرچہ ظاہراً آنکھوں سے اوجھل ہو ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے ۔ چنانچہ بحار الانوار ج میں منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کبھی اپنے خدا کو دیکھا ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے بے دیکھے خدا کی عبادت کبھی نہیں کی

سائل نے عرض کیا وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ آنکھیں اس کو بصارت ظاہریہ سے نہیں دیکھ سکتیں بلکہ دل بصیرتِ ایمانیہ سے اِس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

پس معرفت کے بعد زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے اِيَّاكَ نَعْبُدُ ۔ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اِس مقام پر نَعْبُدُكَ نہیں کہا اور اِيَّاكَ کو مقدم کیا تاکہ انسان مقامِ اطاعت وعبادت میں بھی پہلے معبود کا تصوّر کرے اور پھر عبادت کو سامنے لائے یعنی عبادت کو معرفت کے پیچھے قرار دے اور چونکہ مقامِ عبادت میں حقِ عبادت کا ادا کرنا انسان کے اپنے بس سے باہر ہے تو فوراً دوسرا جملہ انسان کی تعلیم کے لئے ارشاد فرمادیا کہ انسان یہ کہے وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اے اللہ ہم اس مرحلۂ عبادت میں بھی تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں کیونکہ اگر تیری توفیق شاملِ حال نہ ہو تو ہماری کوتاہیاں ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچنے سے مانع رہیں گی۔ نیز یہ بھی احتمال ہوسکتا تھا کہ مقامِ عبادت میں مبادا یہ خیال پیدا ہو کہ میں عابد ہوں اور حقِ واجب شکر ادا کر رہا ہوں۔ پس میں اپنے کمال پر پہنچ گیا۔ اس تکبّر کے شائبہ کو رفع کرنے کے لئے اس طرف متوجہ کیا گیا کہ توفیقِ عبادت بھی بغیر اسی ذات کی عنایت وامداد کے نہیں ہو سکتی یعنی انسان کا عبادت گذار ہونا بھی اس کی ایک جدا نعمت ہے اور اسی کا فیض ہے اس پر بھی شکر گذار ہونا چاہیے۔

مقامِ عبادت میں کھڑے ہو کر یہ خیال کرنا چونکہ ضروری ہے کہ آیا جس کو میں عبادت واطاعت سمجھ رہا ہوں یہی عبادت و اطاعت ہے بھی سہی؟ کیونکہ اپنی عقل تعیینِ عبادت میں کوتاہ ہے (جیسا کہ ہم نے کتاب کی جلد اوّل ضرورت نبیؐ کے باب میں اس کو کافی تفصیل سے بیان کیا ہے) پس ضرورت محسوس ہوئی کہ مقامِ اطاعت ومعصیت کے سمجھانے کے لئے خود خدا نے جن برگزیدہ افراد کو نامزد فرمایا ہے اور ان کو اپنی طرف سے بندوں کی طرف عہدہ سفارت عطا فرما کر رسوؐل نبی وامام کے لقب سے ملقب فرمایا ہے یہ طریقے ان ہی سے حاصل کئے جائیں۔ اور یہ مرحلہ بھی چونکہ اس کی توفیق وتائید کے بغیر طے ہونا مشکل تھا اس لئے ہماری تعلیم کے لئے ارشاد فرمایا۔ اے انسان راہِ ہدایت اور ہادی کی تلاش میں بھی مجھ سے توفیق طلب کر اور پھر راہ حق پر ثابت قدم رہنے کے لئے بھی مجھ سے توفیق کی دُعا مانگ اور کہہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ اے اللہ سیدھے رستہ پر گامزن ہونے کی اور اس پر ثابت قدم رہنے کی مجھے توفیق دے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ یعنی ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام نازل فرمایا نہ اُن لوگوں کا رستہ جو مقامِ اطاعت میں اپنے من گھڑت طریقوں پر چلنے کی وجہ سے تیرے غضب کے نیچے آگئے اور گمراہ ہوگئے۔

یا یوں عرض کروں کہ انسان مرکب ہے دو اہم جزوں سے ایک روح اور دوسرے جسم۔ روح جزو اشرف واعلیٰ ہے اور جسم جزو اخس وادنیٰ ہے۔ روح راکب ہے اور جسم اُس کا مرکب ہے۔ رُوح محلِ معرفت ہے اور جسم محلِ عمل ہے۔ پس خداوندِ کریم نے تعلیمِ معرفت سے ابتدا فرمائی جس کا اہل روح ہے۔ پس جملہ صفاتِ ثبوتیہ وسلبیہ کی طرف اس کو متوجہ فرمایا اور اپنی ربوبیّت اُلوہیّت کا اعتراف لیا

اور اپنے مبدأ اور معاد میں مالک کل ہونے کا درس دیا جب رُوح نے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک پہنچ کر منازلِ معرفت طے کر لیں تو جسم چونکہ روح کے تابع اور مرکب کی حیثیت سے ہے لہذا اس کے اعضا بول اُٹھے اور اپنے راکب روح کے ارادہ سے متاثر ہو کر خالق کائنات کی عظمت و جلال کو مدّنظر رکھتے ہوئے پکار اُٹھے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اور اپنی خطا کے امکان کو محسوس کر کے دعا مانگ لی کہ میرے مالک تو مجھے اس مقام پر ثابت قدم رکھ کہ انعام پانے والوں کے رستہ سے ہمارے قدم ڈگمگا نہ جائیں تاکہ مستحقین غضب اور گمراہوں کی طرح ہمارا حشر نہ ہو۔ اور جمع کی ضمیریں ذکر کی گئیں جس سے لطیف اشارہ کیا گیا ہے کہ بندوں کے لئے لازم ہے کہ مل جل کر بارگاہِ پروردگار میں کھڑے ہو کر یہ آیات اپنی زبانوں سے جاری کریں تاکہ بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت کو پہنچیں گویا ضمنی طور پر یہ آیات نمازِ جماعت کی تاکید پر دلالت کر رہی ہیں۔

نیز اس تفصیلی بیان سے سورہ فاتحہ کا علومِ قرآنیہ کے لئے جامع ہونا مدلّل طور پر معلوم ہو گیا اور باقی سُوَرِ قرآنیہ پر اس کی تقدیم کی زیادہ وضاحت ہو گئی کیونکہ علوم کل تین ہیں۔ مبدأ کا علم معاد کا علم اور دارالتکلیف میں انسان کے اپنے فرائض کا علم جس کو علم الوسیط کے نام سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ یہ مبدأ و معاد کے وسط (درمیان) میں ہے اور پورے قرآن مجید میں ان ہر سہ علوم کی ابحاث ہیں۔ اور انہیں کے بیانات و براہین و توضیحات ہیں اور سورہ فاتحہ میں یہ تینوں علم اجمالی طور پر بیان کر دیے گئے ہیں۔ پس یہ اُمّ الکتاب بھی ہے اور الاساس بھی اور پورے قرآنی بیانات کے لئے بحیثیت موضوع بھی ہے لہذا تمام قرآنی سورتوں پر مقدم ہے اس بیان کی ایک اور توجیہ مستقل طور پر (آیات فاتحہ کی معنوی توجیہ) کے عنوان میں بیان ہو گی۔

فائدہ۔ چونکہ تلاوتِ کلام اللہ معنوی طور پر حق سبحانہ سے مکالمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہذا شروع سے پہلے تمام ان علائق خارجیہ سے جو فیضانِ انوارِ قدسیہ سے حرمان یا بُعد کا موجب ہوں۔ اپنے دل و دماغ کو پاک و صاف کر لینا ضروری ہے اور وساوس شیطانیہ کے جال سے طائرِ خیال کو آزاد کر کے تلاوت کرے تاکہ فیوضِ قدسیۂ الٰہیہ سے زیادہ سے زیادہ بہرہ ور ہو سکے۔ لہذا تلاوت سے قبل اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھے یعنی اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اُس شیطان سرکش سے جو راندۂ درگاہِ خدا اور لعنت کا نشانہ ہے۔ خود ذاتِ احدیت کا ارشاد ہے فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ یعنی جب قرآن پڑھو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ اور اسی کو استعاذہ کہتے ہیں۔ سورہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے بھی اس کا پڑھنا مستحب ہے اور اسی وجہ سے گو سورہ فاتحہ بلکہ قرآن کے کسی سورہ کا یہ جزو نہیں لیکن سورہ فاتحہ سے پہلے اس کو لکھا جاتا ہے تاکہ پڑھنے والا جب بھی ابتداء سے تلاوت کرے تو پہلے استعاذہ کر لیا کرے اور پھر قرآن پڑھے اسی طرح نماز میں بھی سورہ فاتحہ سے پہلے آہستہ سے استعاذہ پڑھنا مستحب ہے۔

فائدہ۔ سورہ فاتحہ میں جب انسان اولاً منازلِ معرفت کی سیر کرتا ہے۔ اور پھر مقامِ اطاعت میں اپنے

آپ کو پاکر اپنے مالک حقیقی سے مکالمہ کا شرف حاصل کرتا ہے اور اس سے راہِ حق پر ثبات قدمی کی دعا مانگتا ہے تو اس وقت گویا تمام علائق و موانع خارجیہ سے منقطع ہو کر اپنی ذات کو اللہ کی بارگاہِ قدس میں پاکر قربت خداوندی کی لذتوں سے بہرہ اندوز ہو رہا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ خدا کے غضب کردہ اور راہِ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے میرا شمار نہیں۔ لہٰذا اختتام سورہ فاتحہ پر اگر نماز با جماعت ہو تو پیش نماز جب کہے وَلَا الضَّآلِّيْنَ آہستہ سے مقتدی کہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ گویا معنوی طور پر پیش نماز کی قرأت اپنے اور مقتدیوں کے راہِ حق پر گامزن ہونے اور نماز کے مقبول ہونے کی بشارت ہوتی ہے۔ لہٰذا مقتدیوں کے لئے بطور شکر آہستہ سے الحمد للہ رب العالمین پڑھنا مستحب ہے ہمارے نزدیک آمین کہنا اس مقام پر بے جا ہے اور اگر نماز میں عمداً کہے گا تو نماز باطل ہو گی۔

## فضائل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر برہان میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے خداوند کریم اس کے لئے جنت میں ستر ہزار محل یاقوت سرخ کے بناتا ہے کہ ہر محل میں ہزار گھر سفید موتی کے اور ہر گھر میں ستر ہزار تخت زبرجد سبز کے اور ہر تخت پر ستر ہزار فرش سندس واستبرق کے اور ہر ہر فرش پر ایک ایک حور العین اور ہر ہر حور کے ستر ہزار گیسو جو موتیوں اور یاقوتوں سے آراستہ ہوں گے اور اُن کے دائیں رخسارہ پر محمدؐ رسول اللہ بائیں رخسارہ پر علی ولی اللہ اس کی پیشانی پر حسنؑ اور ٹھوڑی پر حسینؑ اور دونوں ہونٹوں پر لکھا ہو گا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ راوی نے دریافت کیا کہ حضور یہ انعام کس شخص کو ملے گا تو آپؐ نے فرمایا کہ جو حرمت و تعظیم سے پڑھے گا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ روایت کی طرز بتلاتی ہے کہ یہ انعام آلِ محمدؐ کے موالیان و محبان ہی کے لئے مختص ہے۔

نیز حدیث نبوی میں ہے کہ مومن جب پل صراط سے عبور کرے گا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو زبان پر جاری کرے گا تو جہنم کے شعلے خاموش ہو جائیں گے اور جہنم کہے گی۔ گذر جا اے مومن کیونکہ تیرا نور میرے شعلوں کو بجھا رہا ہے۔

حدیث نبوی میں ہے کہ جب معلّم کسی بچے کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تعلیم دیتا ہے تو خداوند کریم اس بچے اور اس کے والدین اور معلّم کے لئے آتش جہنم سے آزادی فرض کر دیتا ہے۔

ایک روایت میں ہے جس کو تفسیر عمدۃ البیان میں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ ایک قبر سے گذرے کہ قبر والے پر ملائکہ عذاب نازل ہو رہے تھے۔ چپکے سے گذر گئے۔ جب واپسی پر وہاں سے گذر ہوا تو اُسی قبر پر ملائکہ رحمت کا نزول دیکھ کر متعجب ہوئے اور عرض کی یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو وحی نازل ہوئی۔ اے عیسٰی یہ بندہ بہت گنہگار تھا لیکن جب مرا تو اس کی زوجہ حاملہ تھی اس کا بچہ پیدا ہوا تو اس کو تعلیم کے لئے معلّم کے سپرد کیا گیا معلّم نے اس کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا درس دیا۔ پس مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس بندہ کو قبر میں عذاب کروں جس کا بچہ میرا نام لے رہا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب ہمارا شیعہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ترک کرتا ہے تو خدا اس پر کوئی آزمائش نازل کر دیتا ہے اور اس کو اپنے شکر کی طرف متوجہ فرماتا ہے پھر اس کی وہ کوتاہی معاف کر دیتا ہے۔

تفسیر عمدۃ البیان میں ہے۔ جناب رسالت مآبؐ فرماتے ہیں کہ شب معراج میں نے پانی۔ دودھ۔ شہد اور شراب کی چار نہریں دیکھیں۔ جبریل سے دریافت کیا تو جبریل نے عرض کی کہ مجھے حکم ہے کہ آپ کو ان نہروں کے منبع کی سیر کراؤں۔ پس ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک قبہ ہے جس کا دروازہ مقفل ہے جبریل نے کہا کہ آپ انگلی کا اشارہ اس قفل کی طرف کریں تاکہ قفل کھل جائے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے انگلی کا اشارہ کیا وہ قفل کھل کر گر گیا۔ میں اس قبہ میں داخل ہوا۔ اور اس قبہ کے اندر ایک ستون دیکھا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا میں نے دیکھا۔ پانی کی نہر بسم اللہ کے حلقہ سے جاری ہے اور دودھ کی نہر لفظ اللہ کے ہاء کے حلقہ سے جاری ہے اور شہد کی نہر الرحمٰن کے میم کے حصّہ سے اور شراب کی نہر الرحیم کے میم کے حلقہ سے جاری ہے۔ اور بسم اللہ کی باء پر لکھا ہوا دیکھا کہ جو کوئی دنیا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے گا یہ قبہ اور چار نہریں اس کو عطا کروں گا۔

بعض روایات میں ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا جہر سے پڑھنا علاماتِ مومن میں سے ہے۔ تمام جہری نمازوں میں اس کا جہر سے پڑھنا واجب ہے اور بغیر اس کے نماز باطل ہو جاتی ہے اور اخفاتی نمازوں میں اس کا جہر سے پڑھنا مستحب ہے۔ روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس کام سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس میں شیطان شریک ہوتا ہے۔ اپنی عورت سے ہمبستر ہونے سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔ کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھے بلکہ دسترخوان پر جتنے کھانے حاضر ہوں ہر ایک کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔ پانی پینے سے قبل بسم اللہ پڑھے۔ غرضیکہ ہر امر خیر کو بسم اللہ سے شروع کرے۔ حدیث نبوی میں ہے کہ جو کوئی اہم کام بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے وہ ناقص و ناتمام ہوتا ہے۔ جب کوئی ذبیحہ اللہ کے نام لئے بغیر حلال نہیں رہ سکتا حالانکہ ان کی اصل حلال ہے تو انسان کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے کہ تمام حلال رزق گو حلال ہیں لیکن شکر منعم کے طور پر عظمتِ خدا کو یاد کرنا اور اس کے ذکر کے بعد حلالِ خداوندی میں تصرف کرنا اُمور ضروریہ میں سے ہے۔ گو اس حکم کو شرعی وجوب سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا تاہم مستحب موکد ضرور ہے کیونکہ معصوم نے جہر بسم اللہ کو علائم شیعہ میں سے قرار دیا ہے۔

### بسم اللہ کا جزوِ سورہ ہونا

باتفاق مذہب امامیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سوائے سورہ برأت کے قرآن کی تمام سورتوں کا جزو ہے اور کتب شیعہ و سنّی میں اس آیت کریمہ کے فضائل حدِ احصاء سے زیادہ ہیں بایں ہمہ مقام عمل میں سوائے شیعہ کے باقی مذاہب والوں کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ حتیٰ کہ نماز جیسی اہم عبادت میں بھی دوسرا سورہ شروع کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے حالانکہ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے اندر جو کچھ مرقوم ہے اس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی۔ اور قرآن مجید میں کوئی فقرہ ایسا نہیں جو غیر قرآن ہو۔ لاکھوں کی تعداد میں حفاظ موجود ہیں اور ہر سورہ کے پہلے بسم اللہ شریف کا ہونا تسلیم کرتے

ہیں لیکن جب بارگاہِ خدا میں عبادت کے عنوان سے کھڑے ہوتے ہیں تو سوائے فاتحہ کے اور کسی سورہ کو بسم اللہ سے شروع نہیں کرتے اور سورہ فاتحہ میں بھی جزو سورہ بنا کر نہیں بلکہ تبرکاً پڑھتے ہیں۔ اب سمجھ سے یہ بات بالا ہے کہ کتابوں میں بسم اللہ کے فضائل کی اس قدر بھرمار کہ دفتر پُر ہو جائیں اور مقامِ عمل میں اس قدر پہلو تہی۔ آخر یہ کیوں ہے؟

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ چونکہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا تھا کہ تمام علوم کا جامع قرآن ہے اور علومِ قرآنیہ کی جامع سورہ فاتحہ ہے اور سورہ فاتحہ کے علوم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہیں اور بسم اللہ کے جمیع علمی خزائن باءِ بسم اللہ میں ہیں اور باءِ بسم اللہ کے علمی ذخائر نقطہ باء میں موجود ہیں اور وہ نقطہ میں ہوں۔ پس یہ سنتے ہی بغضِ علیؑ کے متوالوں نے فضائلِ بسم اللہ کے تمام فرامین نبویہ پر قلم نسخ پھیرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی قرآنیت کا سرے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ یہ آیت مجیدہ جن سورتوں کی ابتدا میں واقع ہے سب تبرک و تیمن کے طور پر ہے اور کسی سورت کی جزو نہیں سوائے سورہ نمل کے جہاں وسط سورہ میں واقع ہے کیونکہ وہ جزو سورہ ہے

لیکن اگر حقیقت میں آنکھوں سے تعصّب کی عینک اتار کر عقلی و نقلی ادلّہ پر نظر ڈالی جائے تو عقلِ سلیم کے لئے یہ فیصلہ نہایت آسان ہے کہ بسم اللہ کو جزو سورت نہ ماننا اور اس کے محض تبرکاً ہونے کا قائل ہونا۔ وقار و عظمتِ بسم اللہ کے خلاف منعت کی ہنگامہ آرائی اور مصداقِ نقطہ باءِ بسم اللہ کی علمی جلالت و وجاہت کے خلاف فضول و بے معنی کی صدائے صحرائی ہے۔ کیونکہ سورج کے مقابلہ میں گرد اڑانے سے سورج کی روشنی میں کمی نہیں ہوا کرتی بلکہ دھول اڑانے والوں کی اپنی آنکھیں گرد آلود ہو جاتی ہیں اور اُن کو داد دینے والوں کا بھی وہی حشر ہوتا ہے اور اُن کے سامنے دنیا تاریک ہو جاتی ہے حالانکہ حقیقت میں تاریک نہیں ہوتی۔

## ادلّہ عقلیہ

(۱) اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورہ کی جزو نہ ہوتی تو صرف تبرک کے لئے اوّل قرآن میں اس کا لکھا جانا کافی تھا۔ جس طرح استعاذہ (اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ) کسی سورہ کا جزو نہیں لہذا دوریٔ شیطان کے لئے صرف پہلے ایک دفعہ لکھنا کافی سمجھا گیا ہے۔

۲۔ قرآن مجید سے زائد کلام جو جزو قرآن نہیں کو قرآن سے علیحدہ رکھنا اور اس اشتباہ کا سدِّ باب کرنا ابتداءِ اسلام سے تا ایں زماں انتہائی اہتمام سے کیا گیا ہے اور قرآن پاک میں کسی ایسے جملہ کو رہنے نہیں دیا گیا جو جزو قرآن نہ ہو اور جمیع فرقِ اسلامیہ کے نزدیک موجودہ قرآن میں کوئی زیادتی نہیں۔ اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ قرآنیہ کی جزو نہ ہوتی تو قطعاً اس زیادتی کو برداشت نہ کیا جاتا اور ہر سورہ کے شروع میں لکھے جانے پر کسی نہ کسی دور میں ضرور اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوتی۔ پس نزولِ قرآن سے لے کر دورِ حاضر تک اس کا ہر سورہ کے ابتدا میں مرقوم ہونا اور اس کے خلاف احتجاج نہ ہونا اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ یہ جن سورتوں کے اول میں ہے ان کی جزو ہے۔

۳۔ اگر یہ آیت مجیدہ صرف تیمن و تبرک کے لئے ہوتی تو قرآن ہونے کی حیثیت سے سورہ برأت کو اس تیمن سے محروم نہ رکھا جاتا۔

**اعتراض** ۔ سورہ براۃ اگرچہ قرآن ہے لیکن چونکہ اس میں مشرکین سے برأت اور اُن پر غضبِ خدا کے نزول کا ذکر ہے اور بسم اللہ

میں خداوند کریم کی رحمت کا تذکرہ ہے لہذا سورہ برأۃ کے پہلے اس کو نہیں لکھا گیا۔

**جواب** ۔ اگر سورہ برأۃ کو بسم اللہ سے اس لئے محروم کیا گیا ہے کہ اس میں مشرکین سے برات اور اُن پر غضب خدا کا ذکر ہے تو اس لحاظ سے سورہ لہب (تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ الخ) سورہ ماعون (وَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الخ) سورہ جحد (قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ الخ) اور اسی طرح آخری دو سورتیں معوذتین اور سورہ ھمزہ (وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ الخ) جن میں عذاب ۔ ویل ۔ برأت اور استعاذہ کے علاوہ دوسرا کوئی مضمون ہی نہیں ہے ان کے پہلے بھی بسم اللہ کو ذکر نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ توقیفی چیز ہے اور جن سورتوں کے پہلے بسم اللہ ہے وہ ان کی جزو ہے۔

۔ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ کی آیات سات ہیں اور موجودہ قرأت کے طبع شدہ قرآنوں میں اگر بسم اللہ جزو سورہ فاتحہ نہ ہو تو اس کی سات آیتیں پوری ہو ہی نہیں سکتیں۔

**ادلہ نقلیہ** | اِس مقام پر مولانا امیر الدین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کی تحقیقات پر اکتفا کرتے ہوئے فلک النجات کے بعض اقتباسات پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

۱۔ المیزان الشعرانی ص۱۳۳ قال الشافعی واحمد اِنّھا منھا فتجب وکذلک القول فی الجھر بھا ۔ میزان شعرانی ج ص۱۳۳ میں ہے کہ شافعی واحمد کے مذہب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم سورہ فاتحہ کی آیات سے ہے اِس لئے اس کا پڑھنا واجب ہے اور اسی طرح فاتحہ کے ساتھ اس کا جہر بھی واجب ہے۔

۲۔ الروضۃ الندیۃ ص۲ قد اورد شیخنا العلّامۃ الشوکانی فی شرح المنتقی (فی التسمیۃ) مالا یحتاج الناظر فیہ الی غیرہ الحاصل ان الحق ثبوت قرائتھا (ای البسملۃ) فانھا ایۃ من کل سورۃ (ترجمہ) روضہ ندیہ ص۲ میں ہے تحقیق یہ شیخ ہمارے علّامہ شوکانی نے شرح منتقٰی میں بسم اللہ کے بارہ میں اس قدر کافی مضمون لکھا ہے کہ جو اس کو دیکھے پھر دوسری کتاب دیکھنے کی اُس کو حاجت نہیں رہتی۔ الحاصل حق یہ ہے کہ بسم اللہ کا پڑھنا ثابت ہے اور وہ ہر سورہ کی آیت ہے۔

۳۔ عن علیؑ ان النبیؐ کان یجھر فی المکتوبات ببسم اللہ (فی السورتین جمیعًا کذا رواہ الدارقطنی فی سننہ ص۱۱۱ (ترجمہ) علیؑ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السّلام فرضی نماز کی ہر دو سورتوں میں بسم اللہ کو باواز بلند پڑھتے تھے۔ اسی طرح دارقطنی نے اپنے سنن ص۱۱۱ میں روایت کیا ہے۔

۴۔ قال النووی فی الشرح ص۱۷۲ باب حجّۃ من قال البسملۃ ایۃ من اوّل کل سورۃٍ سوی براۃ فیہ حدیث انس ترجمہ ۔ نووی نے شرح مسلم ج ص۱۷۲ میں کہا ہے۔ باب اس شخص کی دلیل میں جس نے کہا ہے کہ سوا سورہ برأت کے ہر سورت کے اوّل میں بسم اللہ آیت ہے (اُسی سورت کی جس کے اول میں ہے) اس میں انس کی حدیث ہے۔

۵ - نصب الرایۃ صہ۲۳ روی الحاکم عن انس قال صلیت خلف النبی وابی بکر وعمر وعثمان وعلی فکانوا یجھرون ببسم اللہ (ترجمہ) نصب الرایہ صہ۲۳ میں ہے حاکم نے انس سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی علیہ السلام وابوبکر وعثمان وعلی کے پیچھے نماز پڑھی اور وہ سب بسم اللہ کو جہر سے پڑھتے تھے۔

اِن کے علاوہ علامہ موصوف نے اس موضوع پر بکثرت روایات جمع فرمائی ہیں جن میں اکابر صحابہ کا جہر سے بسم اللہ کا پڑھنا کتب معتبرہ سے نقل فرمایا۔ اور اکابر علمائے اسلام اور آئمہ فقہ مثل امام شافعی وامام احمد کے نزدیک بسم اللہ کے جزوِ ہر سورت ہونے کا قول بھی نقل فرمایا اور جناب رسالت مآبؐ کا جہر بسم اللہ سے نماز پڑھنا بھی تواتر سے ثابت فرمایا۔

روایات بتلاتی ہیں کہ ابتدائے اسلام میں بسم اللہ کے جزو سورت ہونے اور نماز میں اس کے بالجہر پڑھنے میں کسی کو کوئی اختلاف نہ تھا لیکن جب معاویہ کا دورِ حکومت آیا تو بسم اللہ کے چھپانے میں اس نے پہل کی چنانچہ اس نے نماز میں بسم اللہ کو ترک کردیا جس پر مہاجرین والصار پکار اُٹھے۔ یَا مُعَاوِیَۃُ اَسَرَقْتَ الصَّلٰوۃَ اَمْ نَسِیْتَ این بسم اللہ (ترجمہ) اے معاویہ کیا تو نے نماز میں چوری کی ہے یا بھول گیا ہے۔ بسم اللہ کہاں گئی؟ اس روایت کو مولانا موصوف نے مسند شافعی ودیگر کتب معتبرہ اہل سنت سے نقل فرمایا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام اتباع رسولؐ کرتے ہوئے جہر بسم اللہ پر زور دیتے تھے اور معاویہ کو حضرت علیؑ کے ساتھ چونکہ دشمنی تھی لہذا ان کی خصوصیات کے مٹانے کے لئے بسم اللہ پر اپنی بھڑاس نکالی اور شاید یہ وجہ بھی ہو کہ حضرت امیر علیہ السلام چونکہ فرماتے تھے۔ اَنَا النقطۃ تحت الباء۔ میں بائے بسم اللہ کے نیچے والا نقطہ ہوں۔ تو اس نے حضرت کی اس منقبت پر پردہ ڈالنے کے لئے بسم اللہ پر ہی ہاتھ صاف کرلیا۔ چنانچہ فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر سے اس کی تائید موجود ہے جس کو مولانا موصوف نے اصل عبارت عربی کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور ہم طول سے بچتے ہوئے صرف اُردو ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

امام فخر رازی نے اپنی تفسیر کبیر ج صہ۱۱ مطبوعہ مصر میں کہا ہے کہ نیز اس میں (یعنی روایات بسم اللہ کے اخفات پڑھنے میں جو انس سے بالاضطراب مروی ہیں) دوسری تہمت اور عیب (آہستہ بسم اللہ پڑھنے والے پر) وارد ہے وہ یہ ہے کہ بتحقیق علی علیہ السلام جہر بسم اللہ میں مبالغہ کرتے تھے اور جب حکومت اور ریاست بنی اُمیہ کے پاس پہنچی تو انہوں نے منع جہر تسمیہ میں مبالغہ کیا اس واسطے کہ حضرت علیؑ کے آثار کو مٹانا چاہتے تھے۔ پس شاید انس بنی اُمیہ سے ڈر گیا ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ جہر بسم اللہ کے بارے میں اس کے اقوال میں اضطراب و اختلاف موجود ہے (ورنہ خود انس جہر کا قائل تھا) اور اسی تفسیر کبیر جلد اول صہ۱۶۱ میں ہے۔ ساتویں وجہ یہ کہ دلائل عقلیہ ہمارے موافق ہیں اور علی بن ابی طالب کا عمل بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اور جس نے علیؑ کو اپنے دین کا امام بنایا اس نے محکم دستاویز سے تمسک کیا اسی تفسیر کے صہ۱۵۹ میں ہے کہ حضرت علیؑ کا یہ مذہب تھا کہ آپ بسم اللہ کو تمام نمازوں میں (خواہ سرّی ہوں خواہ جہری) باآواز بلند پڑھتے تھے۔ میں (راوی) کہتا ہوں یہ دلیل میرے دل میں قوی ہے اور میری عقل میں مضبوط ہے۔ بایں حد کہ ہرگز مخالفین کے کلمات سے زائل نہیں ہو

سکتی۔ اور بیہقی نے سنن کبریٰ میں ابی ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسُولؐ اللہ نماز میں بسم اللہ جہر سے پڑھتے تھے۔ پھر شیخ بیہقی نے عمر بن خطاب و ابن عباس، ابن عمر اور ابن زبیر سے جہر کی روایات لکھی ہیں اور تحقیق علی بن ابی طالب بسم اللہ کو بآواز بلند پڑھتے تھے۔ اور جس نے اپنے دین میں جناب علی بن ابی طالب کی اقتدا کی اُس نے ہدایت پائی اور راہِ راست پالیا اور اس پر نبی کا قول دلیل ہے کہ یا اللہ حق کو اس طرف پھیر دے جس طرف کہ علی پھرے۔ انتہیٰ از تفسیر کبیر۔

اب منصف مزاج طبائع خود بخود اس نتیجہ پر پہنچ سکتی ہیں کہ اہل بیت رسُولؐ کی عداوت نے لوگوں کو کہاں تک پہنچا دیا۔ جس طرح نماز میں بسم اللہ کا جہر سے ترک کرنا اسی عداوت کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح بسم اللہ کی جزئیت قرآن کا انکار بھی اسی عداوت کی پیداوار ہے۔ کیونکہ روایت سابقہ میں یہ نہیں کہ معاویہ نے بسم اللہ کو اخفات سے پڑھا اور صحابہ نے اس پر اعتراض کیا بلکہ روایت کے صریح لفظ یہ ہیں کہ اِنَّ مُعَاوِیَۃَ صَلّیٰ بِالْمَدِیْنَۃِ فَلَمْ یَقْرَءْ بِسْمِ اللّٰہِ الْخَبَرْ (ترجمہ) معاویہ نے مدینہ میں نماز عشا پڑھائی۔ اور نماز میں بسم اللہ کو نہ پڑھا نہ اخفات سے نہ جہر سے، یہی وجہ ہے کہ مہاجر و انصار نے پکار کر کہا کہ تو نے چوری کی ہے یا بھول گیا ہے؟ ورنہ اخفات سے پڑھا ہوتا تو چوری یا بھول کا سوال غلط تھا اور رازی کی توجیہ سابق سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ کے ڈر سے لوگ دینِ حق کو چھپانے میں اور مذہب اہل بیت پر پردہ ڈالنے میں ذرہ باک نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ انس صحابی رسُولؐ کے متعلق رازی نے خود ذکر کیا ہے۔ اور اسی تشدد کی بنا پر شریعت رسُولؐ کے حقیقی احکام الناس علی دین ملوکھم (لوگ بادشاہوں کا دین اختیار کر لیا کرتے ہیں) کی نذر ہو گئے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ بسم اللہ کے جہر سے پڑھنے تک محدود نہیں بلکہ جزئیت بسم اللہ بھی اسی تشدد کا شکار ہو گئی۔ حالانکہ مولانا امیر الدین اعلی اللہ مقامہٗ نے تفسیر کبیر کی عبارت نقل کرنے کے بعد شرح مواہب لدنیہ (زرقانی) سے یہ عبارت نقل فرمائی ہے۔ قال السھیل نزلت البسملۃ مع کل سورۃ بعد اقرأ۔ سہیل نے کہا ہر سورت کے ساتھ اقراء کے بعد بسم اللہ اتری ہے (یعنی ہر سورہ کی جزء ہے بسم اللہ)

اسی بنا پر امام حضرت جعفر صادقؑ مقام تعجب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا ان لوگوں کو رسوا کرے (جنہوں نے بسم اللہ کو چھوڑ دیا) ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ قرآن مجید کی عظیم ترین آیت کے متعلق انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ اس کا ظاہر کرنا بدعت ہے۔

تکمیل مطلب کے لئے اس مقام پر دو اعتراضوں کا جواب دینا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر ا۔ اگر بسم اللہ کو جزوِ قرآن تسلیم کیا جائے تو بسم اللہ قرآن ہو جائے گی۔ اور حکم ہے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت پہلے بسم اللہ پڑھی جائے۔ لہٰذا بسم اللہ سے پہلے ایک اور بسم اللہ کا پڑھنا لازم ہوگا اور پھر یہ سلسلہ آگے چلا جائے گا۔

**جواب**۔ اس طرح تو حمد کے متعلق بھی ایک مشہور حدیث موجود ہے کہ جو کام اللہ کی حمد کے بغیر شروع کیا جائے وہ ناقص ہے لہٰذا الحمد للہ رب العالمین کو جزئیت سے خارج ہونا چاہیے۔ پس جو جواب اس اشکال کا ہوگا اس کا بھی وہی ہے کیونکہ آیت الحمد کو اگر

قرآن مانیں تو اس سے پہلے ایک اور الحمد پڑھنی چاہیے اور یہ سلسلہ پھر آگے چلا جائے گا۔

**جواب نمبر ۲۔** بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جزو سورہ ہے اور یہ کہ ہر امر خیر کو بسم اللہ سے شروع کرنا ضروری ہے۔ خود بسم اللہ کو شامل نہیں جس طرح مثلاً کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم ابوالبشر ہیں یعنی تمام انسانوں کے باپ ہیں حالانکہ خود بھی بشر اور انسان ہیں۔ اور ابوالبشر کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ معاذ اللہ اپنے بھی باپ ہیں بلکہ وہ خود اس سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز کہا جاتا ہے بدنِ انسانی میں سر تمام اعضاء سے بلند ہے حالانکہ خود بھی عضو ہے۔ پس مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنی ذات کو چھوڑ کر باقیوں سے بلند ہے۔ اسی طرح حضرت محمد مصطفٰے تمام نبیوں کے سردار ہیں حالانکہ خود بھی نبی ہیں یعنی اپنی ذات کے علاوہ تمام نبیوں کے سردار ہیں وعلیٰ ہذا القیاس۔ پس اس مقام پر بھی یہی کہا جائے گا کہ بسم اللہ کے پہلے پڑھنے کا حکم اس کے ماسوا باقی قرآن کے لئے ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو سورہ فاتحہ کی جزو قرار دیا جائے تو آیت الحمد للہ رب العالمین کے بعد الرحمٰن الرحیم کا دوبارہ تکرار خالی از فائدہ ہوگا۔

**جواب ۱۔** آیت بسم اللہ میں الرحمٰن الرحیم اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو ذات دنیا و عقبیٰ کی نعمات کے عطا کرنے والی ہے۔ انسان کے لئے سزاوار ہے کہ اس کی نعمات میں سے ہر نعمت کے تصرّف میں لانے سے پہلے اس کا ذکر زبان پر جاری کرے اور حمد کے بعد پھر ان دونوں صفتوں کا لانا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہر نعمتِ الٰہیہ کے تصرّف کے بعد اس کے منعم حقیقی ہونے کا لحاظ رکھتے ہوئے کلمہ حمد زبان پر جاری کرے یعنی اس کی رحمانیت اور رحیمیت جس طرح ہر کام کی ابتدا میں اس کے ذکر کو واجب کرتی ہیں۔ اسی طرح اس کی رحمانیت و رحیمیت ہر کارِ خیر کے انجام پر اس کے شکر کو ضروری قرار دیتی ہے۔ گویا آیت بسم اللہ میں یہ دونوں صفتیں اس کے وجوبِ ذکر کی علت ہیں۔ اور آیہ حمد کے بعد یہ دونوں صفتیں اس کے وجوبِ شکر کی مقتضی ہیں پس ان کا تکرار بے فائدہ نہیں بلکہ ان کے بغیر دعوائے حمد بلا دلیل ہو کر افادیت کی منزل سے ہٹ جاتا ہے۔

۲۔ وہی جواب ہے جس کو ترتیب آیات فاتحہ کے عنوان میں بیان کیا جا چکا ہے کہ پہلی آیت میں پہلے پہل معرفتِ توحید کا درس دینا مطلوب تھا اور چونکہ اللہ کی ذات کا تصوّر کنہ حقیقت سے محال ہے پس یہ صفتیں لائی گئیں تاکہ ان صفات سے اس کی معرفت ہو جائے اور انسان اس کی نعمات کا شکر ادا کرنے میں آگے بڑھے اور اس کے بعد الرحمٰن الرحیم کے ذکر سے ایک طرف تو شکر بجالانے والے کے لئے اُخروی بشارت ہے کیونکہ رحیم کا معنی کیا گیا ہے اُخروی نعمات کے عطا کرنے والا اور دوسری طرف ادائیگی حمد میں کوتاہی ہو جانے کے بعد رحمانیت و رحیمیت انسان کو مایوس و ناامید ہونے سے بچاتی ہیں اور توبہ کی طرف مائل کرتی ہیں پس پہلی آیت میں یہ دونوں صفتیں موجبِ معرفت ہیں اور حمد کے بعد باعثِ شکر، داعیٔ توبہ اور مژدۂ جنت بھی ہیں۔

۳۔ الحمد للہ رب العالمین میں چونکہ عالمین کی ربوبیت ذات اللہ کے لئے ثابت ہے اور ربوبیت کو صفت قرار دیا گیا تھا۔ اور

نیز صفات چونکہ اس کی عین ذات ہیں لہٰذا اس صفت ربوبیت کے تصور سے خیال پیدا ہونا ممکن تھا کہ یہ صفت بھی عین ذات ہو گی پس اللہ فاعل موجب ہو گا یعنی یہ صفت اس سے جدا ہو سکتی ہی نہیں پس وہ مجبور ہے اس امر پر کہ فرائض ربوبیت انجام دے کیونکہ ربوبیت اس کی عین ذات ہے۔ اگر ربوبیت نہ رہے گی تو وہ نہ ہو گا جس طرح سورج کی ذات سے روشنی جدا نہیں ہے اور وہ مجبور ہے کہ روشنی پھیلائے اگر روشنی اس سے جدا ہو جائے تو سورج سورج نہ رہے گا۔ اور یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ فاعل موجب یعنی جو اپنے فعل میں مجبور ہو حمد کا سزاوار نہیں ہوتا کیونکہ حمد کا سزاوار تو وہ ہوتا ہے جو اپنے اختیار سے کوئی احسان کرے۔ پس اس احتمال و خدشہ کو دور کرنے کے لئے رب العالمین کی لفظ کے بعد فوراً الرحمٰن الرحیم کا اضافہ فرما دیا کہ صفت ربوبیت میں میں مجبور نہیں ہوں بلکہ یہ بھی میرے احسانات میں سے ہے اور میں اس کا فاعل مختار ہوں پس صفت ربوبیت اس کا اختیاری فعل ثابت ہوا۔ اور محسن کے اختیاری وارادی فعل پر اس کی حمد ضروری ہوا کرتی ہے۔ اگر الرحمٰن الرحیم کا اضافہ نہ ہوتا تو اس شبہ کا کوئی اور جواب نہ تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ الرحمٰن الرحیم کا دوبارہ آیۃ حمد کے بعد ذکر ہونا افادہ مطلب کے لئے ضروری ہے۔ یہ وجوہات میں نے نہ کسی کتاب سے اخذ کی ہیں اور نہ اس تفسیر کے لکھنے سے پہلے میرے ذہن میں تھیں بلکہ جب اس مقام پر پہنچا تو ذات احدیت نے دماغ میں القاء کر دیں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

## نقطۂ باِسم اللہ

علامہ نہاوندی نے خزینۃ الجواہر ص۵۷ میں سید نعمت اللہ جزائری کی کتاب مقامات النجات سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ عِلْمُ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ كُلُّهُ فِي الْقُرْآنِ وَعِلْمُ الْقُرْآنِ كُلِّهِ فِي الْفَاتِحَةِ وَعِلْمُ الْفَاتِحَةِ فِي بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ وَعِلْمُ الْبَسْمَلَةِ كُلِّهِ فِي بَائِهَا وَأَنَا النُّقْطَةُ تَحْتَ الْبَاءِ (ترجمہ) ماکان ومایکون کا تمام علم قرآن مجید میں ہے اور قرآن مجید کا تمام علم سورہ فاتحہ میں ہے۔ اور سورہ فاتحہ کا تمام علم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے۔ اور بسم اللہ کا تمام علم اس کی باء میں ہے اور میں باء کے نیچے والا نقطہ ہوں۔

تقدیم فاتحہ کے عنوان میں یہ روایت بیان کی جا چکی ہے لیکن کان ومایکون کی بجائے اس میں کتب سماویہ کے الفاظ ہیں اور آخری لفظ یہ ہیں کہ باء بسم اللہ میں جو کچھ ہے وہ نقطہ باء میں موجود ہے اور میں وہی نقطہ ہوں۔

**اعتراض۔** کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں قرآن مجید پر نقطے لگائے نہیں گئے تھے۔ جب نقطے نہ تھے تو کیسے درست ہے کہ حضرت علیؑ نے کہا ہو گا میں باء بسم اللہ کے نیچے والا نقطہ ہوں پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث محل اعتبار سے ساقط ہے۔

**جواب۔** یہ درست ہے کہ نقطے بعد میں لگائے گئے لیکن نقطے کا بنانا اور بات ہے اور لگانا اور شے ہے۔ ایسا نہیں کہ نقطے بعد میں بنائے گئے بلکہ تاریخ یہ کہتی ہے کہ نقطے بعد میں لگائے گئے کیونکہ اگر نقطے پہلے سے بنے ہوئے نہ ہوتے تو ب، ت، ث، ج ح خ وغیرہ متشابہ حروف کی تمیز کیسے ہو سکتی۔ یہ اور بات ہے کہ مسلسل تحریر میں ماہرین لوگ مطلب کو بغیر نقاط کے سمجھ سکتے ہیں۔ اور پڑھ سکتے ہیں۔ اور آج کل بھی شکستہ تحریروں میں عموماً نقاط کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور با ایں ہمہ قرائن کے ملانے سے مکتوب الیہم کو پڑھنے اور سمجھنے میں کوئی وقت

محسوس نہیں ہوتی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حروفِ تہجی میں سے بھی نقاط اڑا دیے جائیں ورنہ ابتدائی تعلیم والوں کے لئے تعلیم کا رستہ ہی بند ہو جائے گا۔ پس اس زمانہ میں بھی نقاط موجود تھے اور تعلیم و تعلم میں حروفِ تہجی کی باہمی شناخت کا دارومدار نقطوں پر تھا لیکن عربی اُن کی مادری زبان تھی۔ لہذا کاتب حضرات لکھتے وقت نقطوں کو نظر انداز کر دیتے تھے اور ان کے بغیر بلا دقت پڑھ سمجھ لیا کرتے تھے۔ بعد ازاں رفتہ رفتہ اسلام جب اطرافِ عالم میں پھیلنا شروع ہوا۔ اور غیر عربوں نے قرآن مجید کو حاصل کرنا چاہا تو اُن کی چونکہ مادری زبان نہ تھی لہذا بغیر نقاط کے ان کے لئے پڑھنا مشکل تھا پس نقاط لگا دئے گئے اور یہ مشکل غیر عربوں کی ختم ہو گئی۔

۲۔ جس طرح نقطے بعد میں لگوائے تھے اسی طرح اعراب زبر۔ زیر۔ پیش۔ جزم وغیرہ بھی بعد میں لگوائی گئیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ پہلے عربی زبان اور قرآن مجید میں اعراب نہ تھے اور بعد میں ہوئے ہ؟ معلوم ہوا کہ اعراب و نقاط بعد میں بنائے نہیں گئے صرف لگائے گئے ہیں۔ پہلے اسلام چونکہ صرف عرب میں تھا پس ماہرینِ لسان کے لئے اپنی زبان کے لکھنے یا پڑھنے میں اعراب لگانے کی ضرورت نہ تھی اور جب اسلام عجم میں پھیلا تو دونوں چیزوں کی ضرورت محسوس ہوئی اور اُسے پورا کر دیا گیا۔

۳۔ اگر نقطے اور اعراب وغیرہ پہلے سے نہ ہوتے تو بعد میں اُن کا اضافہ تحریفِ قرآن کا موجب ہوتا اور چونکہ بعد میں ان کا لگنا تحریف کا موجب نہیں ہوا معلوم ہوا کہ یہ پہلے سے داخل قرآن تھے۔ پس حضرت امیر علیہ السلام کے فرمان پر اس قسم کے اعتراضات چشم کوری اور بدباطنی ہی ہے۔

**سوال۔** فاتحہ میں تمام علوم کا ہونا تو مسلّم ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے لیکن تمام کا باء میں ہونا ہو یا باء کے نقطہ میں ہونا سمجھ میں نہیں آسکتا بلکہ بظاہر حرف مفرد میں یا نقطہ میں علوم قرآنیہ کا سمانا محالات میں سے ہے۔

**جواب۔** اس کی توجیہ علّامہ نہاوندی نے اس طرح فرمائی ہے کہ حروفِ تہجی میں الف تمام حروف سے پہلے بھی ہے اور مجرد بھی ہے سیدھا بھی ہے اور بلند بھی ہے۔ پس عالمِ حروف میں اس کی حیثیت ایسی ہے جس طرح عالمِ موجودات میں ذاتِ ربّ العزت کا وجود کہ وہ سب سے پہلے بھی ہے مجرد بھی ہے بلند و متعالی بھی ہے اور الف کے بعد عالمِ حروف میں باء حرفِ اول ہے جس طرح وجود ذیجود جناب رسالت مآب عالمِ موجودات میں موجودِ اوّل ہے۔ ہم شکل حروف کی باہمی امتیاز نقاط سے کرتے ہیں۔ لہذا باء کو عالمِ حروف میں اپنے ہم شکل حروف سے تحتانی نقطہ کے ذریعہ سے تمیز حاصل ہے۔ اسی طرح عالمِ موجودات میں مخلوقِ اوّل حضرت محمد مصطفٰےؐ کے وجودِ ذیجود کو وجودِ علیؑ کے ساتھ اختصاص و تمیز عطا کی گئی۔ انتہیٰ عالمِ حروف یا وجود کتابی میں باء اور نقطہ ایک ہی وجود رکھتے ہیں۔ اسی طرح عالمِ موجودات یا وجود خلقی میں نورِ محمد و نورِ علی ایک ہی نور ہیں جیسا کہ ارشاد ہے اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں، کتاب ہذا کے حصہ اوّل صفحہ ۲۳۵ پر حضرت امیرؑ کا فرمان ملاحظہ ہو (جناب رسالت مآبؐ کی خلقت نوری کی تفصیلی روایات کتب مفصلہ میں مذکور ہے اس مقام پر ان کا ذکر کرنا موضوع سے خارج ہے) نیز عالمِ حروف میں باقی تمام حروف سے، باء کو الف سے انتہائی قرب حاصل

ہے۔اسی طرح عالم موجودات میں حضرت رسالت مآبؐ کو اللہ سے جو قرب حاصل ہے اور کسی کو حاصل نہیں ۔ باء چونکہ الف سے وضعی طور پر قرب رکھتا ہے یعنی حروف بنانے والے نے باء کو الف کے قریب رکھ دیا ہے لہذا باء میں قرب الف کی وجہ سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں ہے۔ اگر آج بھی دنیا والے حروف کی وضعی ترتیب کو بدل کر باء کے قرب کو الف سے ہٹا دیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں نہ پہلے سے اس میں کوئی خصوصیت تھی اور نہ بعد قرب الف حاصل ہونے کے اس میں کوئی خاص استحقاق کی وجہ پیدا ہوئی ہے۔ لیکن وجود ذیجود رسالتمآبؐ کی پہلے کی خصوصیت ارادۂ کاملہ ذات احدیت ہے جو خالی از مصلحت نہیں اور اس کا قرب حقیقی اُسی مخلوق کے لئے سزاوار ہے۔ جس کو اس نے اپنے اختیار وارادۂ کاملہ سے تمام فضائل وکمالات ممکنہ سے سرفراز فرمایا ہو اور ان کمالات میں باقی کسی کو اُس کا شریک نہ کیا ہو پس اُس نے اس مخلوق اوّل کو تمام امکانی کمالات میں امتیاز کامل عطا فرمایا اور افضل موجودات قرار دیا اور وہ تمام صفات حسنہ جو حدود امکان کے اندر کسی کو عطا ہو سکتی ہیں۔ آنحضور کو اُن سے مشرف فرما کر ارشاد فرمایا۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ اور علم چونکہ تمام کمالات میں سے اشرف کمال ہے۔ لہذا حضور کو علوم ماکان ومایکون میں سے اس قدر عطا فرمایا کہ نطاق امکان میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہ تھی۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے اس فرمان میں کہ جمیع علوم کان ومایکون یا جمیع علوم کتب سماویہ باء بسم اللہ میں ہیں اس باء سے مراد تاویلی طور پر وجود حضرت خاتم الانبیاءؐ ہے نہ کہ ظاہری حرف باء جو حروف تہجی میں دوسرے نمبر پر ہے۔ چنانچہ حضرت امیرؑ کا آخری فقرہ کہ نقطہ باء میں ہوں صاف طور پر اس امر کا کاشف ہے کہ باء سے مراد آنحضورؐ ہی ہیں۔

اب مطلب صاف ہوا کہ تمام علوم قرآنیہ باء بسم اللہ میں ہیں اور باء بسم اللہ کے تمام علوم نقطہ باء میں ہیں جو باء کے نیچے ہے۔ یعنی تمام علوم قرآنیہ کا خزانہ حضرت رسالت مآبؐ اور حضرت رسالتمآبؐ کے تمام علوم کا خزانہ وجود علیؑ ہے جو باقی کائنات سے افضل اور حضرت رسالتمآبؐ کے ماتحت ہے اور حضرت علیؑ کا علوم رسالت کا وارث ہونا کتب آثار میں تواتر سے ثابت ہے اسی کتاب کی جلد اول میں بعض احادیث نقل کی گئی ہیں جن سے منصف طبائع اطمینان حاصل کر سکتی ہیں اور علوم قرآنیہ میں حضرت علیؑ کی کمال وسعت کے مظاہرے کتب آثار میں اتنی کثرت سے منقول ہیں کہ ان کے یکجا کرنے سے ضخیم کتابیں پُر ہو سکتی ہیں جیسا کہ ارشاد فرماتے تھے لَوْ ثُنِّيَتْ لِيَ الْوِسَادَةُ لَذَكَرْتُ فِيْ تَفْسِيْرِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ حِمْلَ بَعِيْرٍ الدمعة الساكبة عن ابن عباس اِنَّهُ شَرَحَ لَهُ فِيْ لَيْلَةٍ وَّاحِدَةٍ مِنْ حِيْنِ اَقْبَلَ ظَلَامُهَا حَتّٰى صَبَاحِهَا فِيْ شَرْحِ الْبَاءِ مِنْ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَمْ يَتَعَدَّ اِلَى السِّيْنِ وَقَالَ لَوْ شِئْتُ لَاَوْقَرْتُ اَرْبَعِيْنَ بَعِيْرًا مِنْ شَرْحِ بِسْمِ اللّٰهِ صـ۹۶ (ترجمہ) اگر میں تکیہ لگا کر بیٹھ جاؤں تو صرف بسم اللہ کی تفسیر اس قدر بیان کروں کہ اونٹ بار ہو جائے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت امیرؑ نے میرے سامنے ایک رات شروع تاریکی سے سفیدی صبح تک باء بسم اللہ کی شرح فرمائی اور سین تک نہ پہنچے اور فرمانے لگے کہ اگر چاہوں تو بسم اللہ کی شرح سے چالیس اونٹ بار کر دوں۔ (دمعہ ساکبہ)

## تعظیم ضرائح مقدسہ ایاک نعبد کے منافی نہیں

اعتراض ۔ عبادت کا معنی ہے انتہائی خضوع اور ایاکَ کا مقدم ہونا دلالت کرتا ہے کہ خضوع صرف اللہ کی ذات کے لئے ہی ہے لہذا کسی غیر اللہ کے سامنے انتہائی خضوع موجب شرک ہے۔ پس شیعوں کا آئمہ طاہرینؑ کی ضرائح مقدسہ کی زیارت اور اُن کی تعظیم اور اُن کو بوسہ دینا وغیرہ یہ سب عبادتِ غیر اللہ ہے اور شرک ہے اور اسی طرح ضرائح مقدسہ کی شبیہیں بنا کر ان کی تعظیم کرنا بھی شرک ہے اور اِن افعال کو بُت پرستی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

**جواب** ۔ عبادت کا مفہوم بے شک غایتِ خضوع ہے لیکن غایتِ خضوع کا مطلب یہ نہیں کہ جس کو عبد خضوع سمجھے وہ خضوع ہے اور جس کو عبد خضوع نہ سمجھے وہ خضوع نہیں ہے۔ آقا اپنے غلام سے کہے کہ میرے آگے چل اور غلام کہے نہیں حضور! اس میں گستاخی ہے میں تو آپ کے پیچھے ہی چلوں گا۔ اس کو خضوع نہیں کہتے۔ بلکہ خضوع یہ ہے کہ اپنے آقا و مولا کے ہر حکم کو بلا پس و پیش قبول کرے۔ خواہ اس کی اپنی دانست میں اس حکم پر چلنا خضوع ہو یا خلافِ خضوع کیونکہ آقا اپنے حکم کی مصلحت کو جس طرح خود سمجھ سکتا ہے غلام نہیں سمجھ سکتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنے ہر حکم کی مصلحت کو اپنے غلام پر واضح کر دے۔

حجر اسود، کعبۃ اللہ، صفا و مروہ وغیرہ ان سب چیزوں کی تعظیم کا چونکہ اُس نے امر فرمایا اور شعائر اللہ کی تعظیم کو تقوٰی سے تعبیر فرمایا اب عبد جس نے فرائضِ عبدیت ادا کرنے ہیں اس کو یہ دریافت کرنے کا حق نہیں کہ تو نے یہ حکم کیوں دیا۔ ہم کیوں ان جمادات کی تعظیم کریں جب کہ ہم اشرف المخلوقات ہیں؟ پس جب معلوم ہے کہ خدا ان کی تعظیم کو محبوب رکھتا ہے تو ان کی تعظیم کرنا ہی غایت خضوع ہے اگرچہ وہ غیر اللہ ہیں اور درحقیقت یہ تعظیم ان چیزوں کی نہیں بلکہ اللہ کے حکم کی تعظیم ہے۔ اسی طرح حجر اسود کو بوسہ دینا گو مصلحت معلوم نہ ہو۔ چونکہ ذاتِ خدا کی فرمانبرداری ہے لہذا واجب ہے اور عبادت ہے اگرچہ ظاہراً غیر اللہ کی تعظیم ہے۔ ملائکہ کا حضرت آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنا ملائکہ کی شانِ عبودیت کے منافی نہیں تھا بلکہ شیطان کا سجدہ نہ کرنا منافی خضوع و عبودیت تھا۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ کے حکم کی اطاعت کا نام ہے خضوع اور اس کی اطاعت سے گریز کرنا ہے خلافِ خضوع۔

مناسکِ حج میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کی سنّت کو زیادہ تر دہرایا گیا ہے اور وہ مقامات جو اُن کی طرف منسوب ہیں اُن کو مشاعر یا شعائر اللہ سے موسوم کیا گیا ہے اور ان کی حرمت و عزت واجب کر دی گئی ہے تاکہ اللہ کے مخصوص بندوں کی راہِ حق میں قربانیاں اور خوشنودیٔ خالق کے لئے اُن کی جانفشانیاں یادگار رہ کر آنے والی نسلوں کو درسِ عبرت دیں اور قبولِ موعظہ میں مُمِد ثابت ہوں اور وہ یہ مناظر و منازل اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ اللہ کی اطاعت کرنے والے رضائے خدا کے لئے کونسی کٹھن منزلوں اور پُرخطر وادیوں اور ہوش ربا مشقتوں سے دوچار ہوئے لیکن پائے ثبات میں تنزلزل نہ آیا اور مقامِ عبودیت میں لغزش نہ آئی۔

اور حضرت رسالت مآبؐ جو تمام گذشتہ انبیاء کے سیّد و سردار تھے ان کے ساتھ جن مقامات کو خصوصی نسبت و تعلق حاصل ہے جن کی یاد یقیناً جناب رسالت مآبؐ کے عہد کی یاد کو تازہ کرتی ہے۔ جن کی زیارت آنحضورؐ کے ساتھ رشتہ محبت کے استوار کرنے میں انتہائی ممد و معاون ہے خصوصاً وہ ضریح پاک جس میں جسم اطہر صاحب لولاکؐ زیر خاک ہے وہ خطیرۂ قدس جو قدسیّین کے آقاؑ کے جسد نوری کا گہوارہ ہے۔ وہ مقامِ مشرف جس کو مالکِ شرافت کے ابدی بیت الشرف ہونے کا شرف حاصل ہے اور وہ زمین مطہر جس کی طاہر گود میں مالکِ تطہیر آرام فرما ہے وہ کیونکر شعائر اللہ سے نہیں اور اس کی عظمت کا برقرار رکھنا اور اس کے عہد کا تازہ کرنا کیوں ناجائز ہے اور اس کو بوسہ دینا کیوں شرک ہے جب کہ حجر اسود کو بوسہ دینا عین عبادت ہے؟

**اعتراض**۔ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و ہاجرہ کی یادگاروں کی تعظیم کا حکم چونکہ ثابت ہے اور جناب رسالتمآبؐ کے روضۂ اقدس کی تعظیم اور اُس کو بوسہ دینا کسی حکم شرعی سے ثابت نہیں لہٰذا وہ عبادت ہے اور یہ بدعت ہے۔

**جواب**۔ جب ایک عالم اپنے شاگرد کو کہے کہ فلاں شخص کی عزت کیا کرو کیونکہ وہ ایک عالم دین کی اولاد اور اس کی نشانی ہیں اب یہ عالم اگر مر جائے تو کیا شاگرد یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے استاد نے اپنی اولاد کی عزت کرنے کا حکم تو نہیں دیا تھا لہٰذا میرے اُوپر صرف اسی عالم کی اولاد کی تعظیم کرنا واجب ہے جس کے متعلق استاد نے حکم دیا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ ایسے شاگرد کو احسان فراموش اور بدترین انسان سمجھا جائے گا کیونکہ عقل بتلاتی ہے کہ جب اُستاد نے ایک معیار بتلا دیا تھا تو افراد کی تطبیق اپنا فریضہ تھا اور استاد کی اولاد اس معیار کی رُو سے بہ نسبت بتلائے ہوئے عالم کی اولاد کے زیادہ قابلِ تعظیم اور لائقِ عزت ہے۔

بعض روایات کا مفہوم ہے کہ جس نے کسی کو ایک حرف پڑھا دیا گویا اس نے اس کو اپنا غلام بنا دیا۔ اس سے شاگرد یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ جس نے اس کو زیادہ تعلیم دی ہو وہ اس کلیہ سے خارج ہے۔ بلکہ زیادہ پڑھانے والے کی اسی قاعدہ کی رو سے بدرجۂ اولیٰ زیادہ تعظیم کرنا واجب ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

پس حضرت ابراہیمؑ کی یاد میں اُن کی بعض سنتوں پر عمل کرنے کا ہم کو حکم ہے اور وہ تاقیامت ہمارے لئے دستور العمل ہیں تو فخر ابراہیمؑ اور سیّد الانبیاءؐ جن کی پوری زندگی کا ہر قول و فعل ہمارے لئے مشعلِ راہ اور اُسوۂ حسنہ ہے۔ اُن کے نشانات اور مقدس مقامات ہمارے لئے کیوں نہ محلِ عزت و احترام ہوں؟ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کی طرف منسوب چیزیں جن کی راہِ خدا میں قربانی ایک محدود حیثیت کی حامل تھی، شعائر اللہ ہوں اور حضرت سیّد الانبیاءؐ کی عترت طاہرینؑ کے عتبات عالیات جن کی راہِ حق میں قربانی عالم میں نظیر نہیں رکھتی کیوں نہ شعائر اللہ ہوں؟ اور اُن کی یاد کو تازہ کرنا کیوں نہ اعظم قربات سے قرار دیا جائے جب کہ اُن کی سیرت و کردار پر عمل کرنا جسدِ انسانیت کی روح و جان اور عالمی تشتّت و افتراق کے لئے دعوتِ اتحاد اور پیغام امان و اطمینان ہے پس ان ضرائح مقدسہ کی زیارت اور اُن کے آستانِ قدس پر جبہ سائی اور اُن کی حرمت و عظمت کی پاسبانی تاکہ اُن کے واقعات کی

یا د کو تازہ کر کے اپنے جسدِ ظلمانی کو رُوحِ ایمانی سے زندہ کیا جا سکے یا حضیضِ حیوانیت سے اَوج انسانیت کی طرف قدم بڑھایا جا سکے یقیناً مطلوب بارگاہِ ربّ العزت ہے اور قربِ خدا تک رسائی کا بہترین زینہ ہے۔

اگر بوسہ دینا شرک فی العبادۃ ہے تو گذارش ہے کہ کیا احترام کی غرض سے قرآن مجید کے حروف اور وہ کاغذ جن پر قرآن لکھا ہے اُن کو بوسہ دینا شرک نہیں ہے ؟ محبت کی غرض سے اپنی اولاد کو بوسہ دینا بدعت و شرک نہیں تو پھر اظہارِ محبت یا مقامِ احترام کے پیش نظر مقاماتِ مقدسہ کو بوسہ دینا کیوں بدعت و شرک ہے ؟ جب کہ مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ والوں کی یادگاریں ہیں جن کی یاد یادِ خدا کا درس دیتی ہے اور جن کا ذکر ذکرِ خدا کا شوق دلاتا ہے۔

ہاں آئمہ طاہرینؑ کے عتبات عالیات کی زیارت اس لئے کی جاتی ہے کہ طبیعت میں جذبۂ عبادت پیدا ہو۔ اس لئے نہیں کہ وہ خود مقصودِ عبادت ہیں ورنہ ہمارے نزدیک ضرائح مقدسہ کو بجائے خود کعبہ (بیت اللہ) کا سجدہ کرنا بھی ناجائز ہے جب کہ بیت اللہ کو معبود قرار دیا جائے۔ یعنی شعائر اللہ کی تعظیم اس لئے ضروری ہے کہ ان سے درسِ عبادت حاصل ہو نہ اس لئے کہ خود ان کو مقصودِ عبادت قرار دیا جائے۔ پس صفا۔ مروہ۔ مقام ابراہیمؑ۔ حجر اسود۔ کعبہ وغیرہ یہ سب چیزیں غیر اللہ ہیں اور خود ان کو معبود ماننا کفر و شرک ہے جب ہم کعبہ کو معبود نہیں جانتے تو کسی اور مقام کو کیوں معبود قرار دینے لگے ؟

یہی وجہ ہے کہ ہمارے نزدیک آئمہ معصومین کی ضرائح مقدسہ کی زیارت پڑھنے کے بعد مستحب ہے کہ دو رکعت نماز زیارت سر کی جانب پڑھی جائے یعنی ضرائح کے سیدھا پیچھے ہو کر پڑھنے سے بچا جائے تاکہ ضرائح مقدس کے سامنے آجانے کی صورت میں یہ شائبہ تک پیدا نہ ہو کہ غیر اللہ کو سجدہ ہو رہا ہے ورنہ جب مقصودِ عبادت خود جناب ربّ العزت ہوتا ہے تو ضرائح کے پیچھے نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوا کرتی۔ البتہ کوئی نااہل اپنی کوتاہ علمی کی بناء پر ایسا فعل کرے جس سے شرک و کفر لازم آجائے تو یہ تعلیم مذہب نہیں بلکہ اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

اب رہا ضرائح مقدسہ کی شبیہات کا معاملہ جو ہمارے ملک میں مروج ہے تو ان کی تعظیم کو بُت پرستی یا شرک سے تعبیر کرنا صرف چشم کوری اور عناد و شعاری سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے کیونکہ کسی ذی رُوح کی سایہ دار تصویر کو بُت کہا جا سکتا ہے اور غیر ذی روح کی شبیہ قطعاً نہ بُت ہے نہ بُت پرستی ورنہ اگر کسی مکان کی غیر مستقل شبیہ ناجائز ہو تو پھر مکان کی مستقل شبیہ یعنی ایک مکان جیسا دوسرا مستقل مکان بنانا تو بدرجۂ اَولیٰ بت پرستی ہوگا بلکہ ہر وہ کام جس میں کسی دوسرے کی نقل اتاری جا رہی ہو وہ بدعت و شرک سے موسوم ہوگا حالانکہ ان چیزوں کو کوئی بھی شرک سے تعبیر نہیں کرتا اور صرف ایوانِ امامت کی نقل کو بُت اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ امامت حقہ کی یاد لوگوں کے دلوں سے اُتر جائے اور اُن کی صداقت و حقانیت و مظلومیت کے قصّے فراموش ہو جائیں اور مبادا بنائی ہوئی امامت کی دُکان کی شہرت مدہم پڑ جائے اور لوگ اس طرف سے کنارہ کش ہو کر حق سے ہم آغوش ہو جائیں بالجملہ نہ عتبات عالیات خود مقصودِ

ـــــہ مجسمہ سازی کے متعلق مفصل بحث تفسیر کی جلد ...

عبادت ہیں اور نہ اُن کی شبیہات مقصودِ عبادت ہیں اُور قابلِ احترام اس لئے ہیں کہ ان کو خداوالوں سے نسبت ہے۔ان کی زیارت ان خداوالوں کی یاد تازہ کرتی ہے جن کی طرف یہ منسوب ہیں اور اُن کی یاد خدا کی یاد کا وسیلہ اور عبادت کا ذریعہ ہے۔

پس اِیَّاکَ نَعْبُدُ جس طرح ہم زبان سے جاری کرتے ہیں ہمارا اعتقاد بھی یہی ہے۔اُور جو لوگ عمل شیعہ پر بے جا اعتراض کرتے ہیں وہ صرف لفظ عبادت جانتے ہیں حقیقی معنی ومفہوم عبادت سے غافل ہیں ان کے پاس صرف ظاہر ہے دامنِ حقیقت سے ان کے ہاتھ کوتاہ ہیں خلاصہ یہ کہ خوشنودیٔ خدا کے لئے ہر واجب التعظیم شئی کی تعظیم کرنا مفہومِ عبادت کے منافی نہیں بلکہ عین عبادت ہے پس اِیَّاکَ نَعْبُدُ کی آڑ لے کر کفر و شرک و بدعت و بُت پرستی وغیرہ کی ارزاں تقسیم بلکہ مفت تقسیم اپنے ہاں ان جنسوں کی فراوانی و بہتات کی دلیل ہے اور سچ ہے برتن سے وہی چیز برآمد ہوتی ہے جو اس میں ہو۔

## اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور شیعی عقیدہ

اس مقام پر یہ سوال عام طور پر کیا جاتا ہے کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا مطلب ہے اَے اللہ ہم صرف تجھ سے مدد چاہتے ہیں لہذا آئمہ طاہرینؑ سے مدد طلب کرنا اور اُن کو خطاب کرکے پکارنا اس فقرہ آیت کے صریح منافی ہے لہذا ناجائز بلکہ کفر ہے۔

اس کا حل یہ ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السّلام کے متعلق اُن سے مدد طلب کرنے میں عقیدہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ تفویض کا قول یعنی یہ کہ خداوندکریم نے امرِ خلق و رزق و موت وحیات وغیرہ کے تمام معاملات محمدؐ وآلِ محمدؐ کے سپرد کر دیے ہیں پس وہی پیدا کرتے ہیں اور مارتے ہیں اُور وہی خلائق کو رزق دیتے ہیں اور خدا اپنے مقام میں بے کار سا رہ گیا ہے۔

۲۔ وسیلہ کا قول کہ خداوندکریم نے اِن ذواتِ مقدسہ کو چونکہ تمام کائنات سے افضل اور کل مخلوق کا سردار بنایا پس یہ لوگ اللہ تک رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں جس طرح احکامِ خدا کے ہم تک پہنچانے کے لئے وہ مامور من اللہ ہیں۔اسی طرح ہماری دُعا و مناجات کی قبولیت کا بھی وہی وسیلہ ہیں پس اگر پہلی قسم کا اعتقاد رکھا جائے تو اس سے کفر و شرک لازم آتا ہے اور آئمہ معصومین علیہم السّلام کی طرف سے اس عقیدۂ فاسدہ کی پُر زور تردید کی گئی ہے جیسا کہ کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمۂ تفسیر میں عقلی و نقلی طریقہ سے اس کو بالکل باطل کیا گیا ہے اور اگر حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ کو وسیلہ قرار دے کر ان کو پکارا جائے اور امداد طلب کی جائے تو جائز اور مُوجب نصرتِ خدا ہے اور اس بارہ میں اہل بیت عصمت سے جو آثار و روایات منقول ہیں۔حدِّ تواتر سے زیادہ ہیں۔

تفسیر برہان ج۱ میں بروایت سلیم بن قیس ہلالی جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے جس میں اہل بیت عصمت کے متعلق یہ الفاظ تصریح سے موجود ہیں (وہ قرآن کے ساتھ ہوں گے اور قرآن اُن کے ساتھ ہوگا۔قرآن اُن کو نہ چھوڑے گا اور وہ قرآن کو نہ چھوڑیں گے میری اُمت پر اللہ کی مدد انہی کے ذریعہ سے نازل ہوگی انہی کے ذریعہ سے مینہ برسے گا اور انہی کے وسیلہ سے مصائب دُور ہوں گے اور انہی کے واسطہ سے دُعا مستجاب ہوگی) اس کے بعد حضور نے بارہ اماموں کی تعداد بیان فرمائی اور نام بھی بتائے۔ پوری

روایت جلد اوّل ...، ... پر ملاحظہ ہو۔

یہ روایت بطور تبرک و تیمن کے پیش کی ہے اب اس مقام پر ادعیہ ماثورہ کے چند اقتباسات پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ مطلب صاف ہو جائے اور تعلیم آئمہ کے پیشِ نظر نظریات اور اعتقادات میں سے صحیح و فاسدہ کا جائزہ لیا جا سکے۔

# دُعائے توسّل

یہ دُعا مفاتیح الجنان میں شیخ عباس قمی قدہ نے علاّمہ مجلسی قدہ سے روایت کی ہے کہ اُنہوں نے اس کو محمد بن بابویہ قدہ سے اور اُنہوں نے آئمہ طاہرین سے روایت کی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ یَا اَبَا الْقَاسِمِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یَا اِمَامَ الرَّحْمَةِ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

یَا اَبَا الْحَسَنِ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ یَا عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ

یَا فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ یَا بِنْتَ مُحَمَّدٍ یَا قُرَّةَ عَیْنِ الرَّسُوْلِ یَا سَیِّدَتَنَا وَمَوْلَاتَنَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكِ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكِ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهَةً عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعِیْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

یَا اَبَا مُحَمَّدٍ یَا حَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ اَیُّهَا الْمُجْتَبٰى یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ یَا حُسَیْنَ ابْنَ عَلِیٍّ اَیُّهَا الشَّهِیْدُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

یَا اَبَا الْحَسَنِ یَا عَلِیَّ بْنَ الْحُسَیْنِ یَا زَیْنَ الْعَابِدِیْنَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

يَا اَبَا جَعْفَرٍ يَا مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ اَيُّهَا الْبَاقِرُ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ يَا حُجَّةَ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللهِ۔

يَا اَبَا عَبْدِ اللهِ يَا جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ اَيُّهَا الصَّادِقُ يَا بْنَ رَسُوْلِ اللهِ يَا حُجَّةَ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللهِ۔

يَا اَبَا الْحَسَنِ يَا مُوْسَى ابْنِ جَعْفَرٍ اَيُّهَا الْكَاظِمُ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ يَا حُجَّةَ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللهِ۔

يَا اَبَا الْحَسَنِ يَا عَلِيَّ بْنَ مُوْسٰى اَيُّهَا الرِّضَا يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ يَا حُجَّةَ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَ مَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللهِ۔

يَا اَبَا جَعْفَرٍ يَا مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ اَيُّهَا التَّقِيُّ الْجَوَادُ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ يَا حُجَّةَ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللهِ۔

يَا اَبَا الْحَسَنِ يَا عَلِيَّ بْنَ مُحَمَّدٍ اَيُّهَا الْهَادِي النَّقِيُّ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ يَا حُجَّةَ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللهِ۔

يَا اَبَا مُحَمَّدٍ يَا حَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ اَيُّهَا الزَّكِيُّ الْعَسْكَرِيُّ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ يَا حُجَّةَ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللهِ۔

يَا وَصِيَّ الْحَسَنِ وَالْخَلَفُ الْحُجَّةُ اَيُّهَا الْقَائِمُ الْمُنْتَظَرُ الْمَهْدِيُّ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ يَا حُجَّةَ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللهِ۔

اِس دُعا میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ سے لے کر حضرت قائم آلِ محمد عج علیہ السلام تک چہاردہ معصومین کو اپنے مخصوص نام اور معروف لقب کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اے ہمارے آقا و مولا ہم اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُس کی بارگاہ میں آپ کو بطور شفیع و وسیلہ ہم نے پیش کیا اور اس کی بارگاہ میں اپنی حاجات حاصل کرنے کے لئے آپ کو مقدم کیا۔ اے مقرب بارگاہِ خدا۔ اللہ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے۔

نقل مذکور کی رُو سے ابن بابویہ فرماتے ہیں کہ میں نے جس امر کے لئے اِس دُعا کو پڑھا ہے اس کو مقبول پایا ہے میں نے اِس دعا کو پُورا اس مقام پر نقل کر دیا ہے حالانکہ اقتباس پیش کرنے کا وعدہ تھا تاکہ اِس کتاب کا مطالعہ کرنے والا اِس دُعا کے لئے دُوسری کتاب کی طرف رجُوع کرنے کا محتاج نہ ہو اور نیز تاکہ اِس دُعا کی خیر و برکت سے خداوند کریم میری جملہ حاجات صحیحہ برلائے اور خصُوصًا اس تفسیر کی تکمیل پر مجھے موفق فرمائے۔

ا۔ اب بعض دوسری اَدعیہ کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ چنانچہ دُعائے توسّل دیگر کے الفاظ اس طرح ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى ابْنَتِهِ وَعَلٰى ابْنَيْهَا وَاَسْئَلُكَ بِهِمْ اَنْ تُعِيْنَنِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ وَ رِضْوَانِكَ وَاَنْ تُبَلِّغَنِيْ بِهِمْ اَفْضَلَ مَا بَلَّغْتَ اَحَدًا مِنْ اَوْلِيَائِكَ اِنَّكَ جَوَّادٌ كَرِيْمٌ (الی آخر الدّعا)

ترجمہ۔ اے اللہ رحمت نازل فرما اُوپر حضرت محمدؐ اور اُس کی شہزادی اور اُس کے دو فرزندوں کے اور انہی کے واسطہ سے میں سوال کرتا ہوں کہ مجھے اپنی اطاعت اور رضامندی پر میری مدد فرما اور انہی کے ذریعہ سے مجھے بہترین مقام پر فائز فرما جس پر تُو نے اپنے کسی ولی کو فائز فرمایا ہے کیونکہ تو جواد و کریم ہے۔

۲۔ دُعائے سریع الاجابت کے الفاظ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِالْوَحْدَانِيَّةِ الْكُبْرٰى وَالْمُحَمَّدِيَّةِ الْبَيْضَاءِ وَالْعَلَوِيَّةِ الْعُلْيَاءِ وَبِجَمِيْعِ مَا احْتَجَجْتَ بِهٖ عَلٰى عِبَادِكَ وَبِالْاِسْمِ الَّذِيْ حَجَبْتَهٗ عَنْ خَلْقِكَ (الی آخر الدعا)

ترجمہ۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بواسطہ تیری وحدانیت کبریٰ کے اور محمدیت بیضا کے اور علویت علیا کے اور بواسطہ تمام اُن چیزوں کے جن کو تو نے اپنے بندوں پر حجت قرار دیا اور بواسطہ اس اسم کے جس کو تو نے اپنی مخلوق سے پوشیدہ رکھا۔

۳۔ ماہِ رمضان کی شب ہائے قدر میں قرآن کو سر پر رکھ کر یہ دُعا پڑھی جاتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ هٰذَا الْقُرْاٰنِ وَبِحَقِّ مَنْ اَرْسَلْتَهٗ بِهٖ وَبِحَقِّ كُلِّ مُؤْمِنٍ مَدَحْتَهٗ فِيْهِ وَبِحَقِّكَ عَلَيْهِمْ فَلَا اَحَدَ اَعْرَفُ بِحَقِّكَ مِنْكَ بِكَ يَا اَللّٰهُ وَبِمُحَمَّدٍ وَبِعَلِيٍّ وَبِفَاطِمَةَ وَبِالْحَسَنِ

وَبِالْحُسَیْنِ وَبِعَلِی بِنَ الْحُسَیْنِ وبمحمد بن عَلِی وِبِجَعْفَرِ بْنِ محمّد وَبِمُوسٰی بْنِ جعفر وبعلی بن مُوسٰی وَ بِمُحَمّد بن علی وبعلی بن محمّد وبالحسن بن علی و بالحُجَّۃِ۔

ترجمہ: میرے اللہ! اس قرآن کے واسطہ سے اور اُس ذات کے واسطے سے جس کو تو نے قرآن دے کر بھیجا اور ہر اُس مومن کے واسطہ سے جس کی تو نے قرآن میں تعریف کی اور تیرے اُس حق کا واسطہ جو اُن پر واجب الادا ہے جس کو تو ہی بہتر جانتا ہے اور تجھے اپنی ذات کا واسطہ اور اُس کے بعد حضرت محمدؐ سے لے کر حضرت حجت تک چہاردہ معصومین کا نام بنام واسطہ دے کر آخر میں اپنی حاجت کو طلب کیا جاتا ہے اور دس دس دفعہ ہر واسطہ کو ذکر کیا جاتا ہے۔

۴۔ اب زیاراتِ مشاہدِ مشرفہ میں مخصوصہ زیارات کے بعض الفاظ ملاحظہ ہوں چنانچہ زیارتِ مطلقہ حضرت امیرالمومنین میں ہے۔

یَامَوْلَایَ اِلَیْکَ وُفُوْدِیْ وَبِکَ اَتَوَسَّلُ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ بُلُوْغِ مَقْصُوْدِیْ وَاَشْھَدُ اَنَّ الْمُتَوَسِّلَ بِکَ غَیْرُ خَائِبٍ وَالطَّالِبُ بِکَ عَنْ مَعْرِفَۃٍ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ اِلَّا بِقَضَاءِ حَوَائِجِہٖ فَکُنْ لِیْ شَفِیْعًا اِلَی اللّٰہِ رَبِّکَ وَرَبِّیْ فِیْ قَضَاءِ حَوَائِجِیْ وَتَیْسِیْرِ اُمُوْرِیْ وَکَشْفِ شِدَّتِیْ وَغُفْرَانِ ذَنْبِیْ وَسَعَۃِ رِزْقِیْ وَتَطْوِیْلِ عُمْرِیْ وَاِعْطَاءِ سُؤْلِیْ فِیْ اٰخِرَتِیْ وَدُنْیَایَ۔

ترجمہ: اے میرے مولا میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اور اپنے مقصود تک پہنچنے کے لئے میں نے آپ ہی کو وسیلہ بنایا ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ کو وسیلہ بنانے والا اپنے مقصد میں ناکام نہیں ہوتا اور آپ کی معرفت کے ساتھ آپ کے وسیلہ سے کوئی چیز طلب کرنے والا قضائے حاجات کی بغیر نہیں پلٹایا جاتا۔ پس آپ اللہ کی بارگاہ میں جو آپ کا اور میرا ربّ ہے۔ میرے قضائے حوائج۔ آسانی معاملات۔ سختی کے دُور ہونے۔ گناہوں کی مغفرت وسعتِ رزق۔ زیادتی عمر اور دنیا و آخرت کے سوالات کی منظوری میں میرے شفیع ہوں۔

۵۔ زیارت مخصوصہ یوم مولود کے الفاظ ہیں۔

یَامَوْلَایَ یَاحُجَّۃَ اللّٰہِ یَا اَمِیْنَ اللّٰہِ یَا وَلِیَّ اللّٰہِ اِنَّ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ ذُنُوْبًا قَدْ اَثْقَلَتْ ظَھْرِیْ وَمَنَعَتْنِیْ مِنَ الرُّقَادِ وَذِکْرُھَا یُقَلْقِلُ اَحْشَائِیْ وَقَدْ ھَرَبْتُ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَاِلَیْکَ فَبِحَقِّ مَنِ اَئْتَمَنَکَ عَلٰی سِرِّہٖ وَاسْتَرْعَاکَ اَمْرَ خَلْقِہٖ وَقَرَنَ طَاعَتَکَ بِطَاعَتِہٖ وَمُوَالَاتَکَ بِمُوَالَاتِہٖ کُنْ لِیْ اِلَی اللّٰہِ شَفِیْعًا وَمِنَ النَّارِ مُجِیْرًا۔

ترجمہ ۔ اے میرے آقا ۔ اے اللہ کی حجت ۔ اے اللہ کے امین ۔ اے اللہ کے ولی تحقیق اللہ کے سامنے میرے پاس اتنے گناہ ہیں کہ انہوں نے میری پیٹھ جھکا دی اور مجھے نیند سے محروم کر دیا ۔ ان کی یاد میرے دل کو تڑپا دیتی ہے اور میں اُن سے بھاگ کر اللہ کی طرف آیا ہوں اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں پس اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے آپ کو اپنے راز کا امین اور معاملاتِ خلق کا محافظ بنایا اور آپ کی محبت و اطاعت کو اپنی محبت و اطاعت کے ساتھ ملا دیا کہ آپ ، اللہ کی بارگاہ میں میرے شفیع بنیں اور آتشِ جہنم سے مجھے پناہ دلانے والے بنیں ۔

اسی طرح باقی آئمہ کی زیارات اور ان کی بارگاہوں میں منقول دعاؤں کے الفاظ اسی نہج پر ہیں اگر تمام کو جمع کیا جائے تو کتاب موضوع سے خارج ہو جائے گی ۔ پس ان سب دعاؤں میں مقصود ذات جناب رب العزت ہے اور حضرات طاہرین محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اس کی بارگاہ تک رسائی کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے ۔ لہذا ثابت ہوا کہ طلب مدد اللہ سے کی جاتی ہے اور آلِ محمدؐ واسطہ ہیں چونکہ ان کے وسیلہ قرار دینے کے بغیر دعاؤں کی استجابت مشکل ہے لہذا اس کی ذات تک پہنچنے کے لئے ان ذواتِ طاہرہ کو واسطہ قرار دینا ضروری امر ہے ۔

**اشتباہ** ۔ اس مقام پر بعض لوگوں کو اشتباہ ہوتا ہے کہ بعض دعاؤں کے الفاظ یہ بتلاتے ہیں کہ حضرات طاہرینؑ قضائے حاجات کے لئے خود کفیل ہیں اور وسیلہ نہیں گویا مطلب یہ نکلتا ہے کہ صرف انہی کو پکارا جائے اور انہی سے مدد وغیرہ طلب کی جائے ۔ اللہ سے مانگنے اور مدد طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں یعنی ان دعاؤں سے تفویض کے مسلک کی درستی ثابت ہوتی ہے ۔ چنانچہ دعائے فرج کے الفاظ یہ ہیں ۔

یا محمد یا علی یا علی یا محمد اکفیانی فانکما کافِیَایَ وَانْصُرَانِیْ فَاِنَّکُمَا نَاصِرَایَ یَا مَوْلَانَا یَا صَاحِبَ الزَّمَانِ الْغَوْثَ الْغَوْثَ اَدْرِکْنِیْ اَدْرِکْنِیْ اَدْرِکْنِیْ السَّاعَۃَ السَّاعَۃَ السَّاعَۃَ اَلْعَجَلَ اَلْعَجَلَ اَلْعَجَلَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ ۔

ترجمہ ۔ اے محمدؐ ۔ اے علیؑ آپ دونوں میری کفایت کریں کیونکہ آپ دونوں مجھے کافی ہیں ۔ اور آپ میری مدد کریں کیونکہ آپ میرے مددگار ہیں ۔ اے ہمارے مولا صاحب الزمان فریاد ۔ فریاد ۔ فریاد ۔ میری مدد کو پہنچئے پہنچئے پہنچئے ۔ ابھی ۔ ابھی ۔ ابھی ۔ جلدی جلدی ۔ جلدی ۔ اے ارحم الراحمین حضرت محمد مصطفےٰؐ اور اس کی آلِ طاہر کے صدقہ میں ۔

پس اس دعا میں وسیلہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں ۔

**جواب اشتباہ** ۔ صرف تخریبِ عقائد کے لئے انہی جملوں کو پیش کرنا ناخدا ترسی بلکہ تعلیماتِ آئمہ کے خلاف اعلانِ جنگ کے مترادف ہے اگر چشمِ بصیرت سے ان کو ملاحظہ کیا جاوے تو اس دعا میں عقائد حقہ کے خلاف کوئی بات نہیں نکلتی بلکہ یہ دعا

بھی پہلی دعاؤں کے اقتباسات گذشتہ کی تائید کرتی ہے کیونکہ انہی جملوں سے پہلے صاف طور پر یہ کلمات ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ اُولِی الْاَمْرِ الَّذِیْنَ فَرَضْتَ عَلَیْنَا طَاعَتَهُمْ وَعَرَّفْتَنَا بِذٰلِكَ مَنْزِلَتَهُمْ فَفَرِّجْ عَنَّا بِحَقِّهِمْ فَرَجًا عَاجِلًا قَرِیْبًا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۔ (ترجمہ) اے اللہ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر رحمت نازل فرما وہ جو صاحبانِ امر ہیں جن کی تونے ہم پر اطاعت فرض کی ہے اور اسی سے تونے ہم کو اُن کی منزلت کی معرفت عطا کی ہے ۔ پس انہی کے حق کا واسطہ دے کر ہم عرض کرتے ہیں کہ ہمیں جملہ مصائب سے فوری پلک جھپکنے یا اس سے بھی جلدی نجات عطا فرما۔

اب یہ الفاظ ببانگِ دہل پکار رہے ہیں کہ مقصود بالذات ندا ذات احدیت ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ وسیلہ و واسطہ ہیں۔ اب اس کے بعد یا محمدؐ اور یا علیؑ کہہ کر یہ کہنا کہ تم ہی میری مدد کرو اور تم ہی میری کفایت کرو۔ کیونکہ تم دونوں مددگار اور کافی ہو۔ اور حضرت حجت عج کو ندا کرکے اُن سے فریاد کرنا وطالبِ دعا ہونا۔ اس سب کا مطلب یہی ہے کہ تم وسیلہ و واسطہ بننے میں میرے لئے کافی ہو۔ اور اس امر کے لئے مجھے کسی اور سے مدد طلب کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ سوائے تمہارے وسیلہ کے باقی ذرائع میری کفایت مہم کے لئے ناکافی ہیں اور نیز دُعائے مذکور کے آخری کلمات کہ یا ارحم الراحمین بحق محمدؐ و آلِ الطاہرین بھی اسی مطلب کی تائید کر رہے ہیں کہ اُن کو پکارنا اور اُن سے فریاد کرنا صرف وسیلہ قرار دینے کی خاطر تھا ورنہ اللہ کو خطاب کرکے بحق محمدؐ و آلہ الطاہرین کہنا بے معنی ہوجاتا۔

## یا علیؑ مدد

**سوال۔** اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر وقت ہر مقام پر حاضر و ناظر ہونا خداوندکریم کی ذات سے مخصوص ہے اور اس میں کسی اور کو شریک کرنا کفر و شرک ہے لہذا شیعوں کا یا علی مدد کہنا یا یا عباس اور کئی کہنا وغیرہ ناجائز و شرک ہے۔

**جواب۔** خداوندکریم سے جو صفت اختصاص رکھتی ہے ہمارا اعتقاد ہے کہ واقعی اس میں کسی کو شریک ماننا ناجائز اور کفر ہے لیکن جہاں تک محمدؐ و آلِ محمدؐ کے علوم کا تعلق ہے جو خدا نے اُن کو عطا فرمائے ہیں اور کائناتِ عالم میں جس حد تک ان کی رسائی ہے جس کو شیعی عقیدہ درست قرار دیتا ہے۔ آیا خدا کا اختصاص انہی حدود سے ہے اور بس؟ تو یہ ناخدا شناسی ہے بلکہ یہ عقیدہ دامنِ علم و قدرتِ خداوندی پر بدنما داغ ہے جس سے انسان حیطۂ اسلام سے کوسوں دُور ہوجاتا ہے۔ کیونکہ خدا واجب ہے اور اس کے علم اور اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں اور محمدؐ و آلِ محمدؐ ممکن ہیں۔ ان کا علم و قدرت محدود ہے خواہ ہم اپنے ناقص دماغ سے ان کی حدود معین کرنے سے قاصر ہیں لیکن ہمارے اُن کی حدود معین نہ کر سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعی طور پر ان کے علم و قدرت کی کوئی حد نہیں۔

۲۔ روح جب عناصر کے شکنجہ میں پھنسا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے تصرفات کافی حد تک پابندِ عناصر ہوتے ہیں لیکن جب قفسِ عنصری کی تاروں کو توڑ کر آزادی کی وادی میں قدم رکھتا ہے تو اس کے اختیارات میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے۔ مثلاً نیند اور موت کسی حد تک ایک دُوسرے سے ملتی جلتی دو چیزیں ہیں۔ عالمِ خواب میں رُوحِ انسانی کچھ تھوڑی سی آزاد ہوجاتی ہے اور موت مرجانے کے بعد بالکل آزاد ہوتی ہے۔ عالمِ خواب کی تھوڑی سی آزادی حاصل ہوتے ہی اپنے بستر پر لیٹ کر گو ظاہری جسمانی آنکھیں بند ہوتی ہیں

لیکن رُوح اسی جسم ظاہری جیسا ایک مثالی جسم لے کر بہت دُور دراز کے سفر کرنے پر موفق ہوتی ہے۔ اس مثالی جسم کی آنکھیں یہ آنکھیں نہیں جو جسم ظاہری کی جزو ہو کر بستر پر موجُود ہیں اسی طرح مثالی جسم کے ہاتھ پاؤں اس ظاہری جسم کے ہاتھ پاؤں سے الگ الگ ہیں حتیٰ کہ مثالی جسم کے تمام اعضا اس واقعی اور ظاہری جسم کے تمام اعضا سے الگ ہوتے ہیں کیونکہ یہ تو ایک جگہ موجُود ہیں اور وہ اسی وقت مثالی جسم کی معیت میں اطراف عالم کی سیر میں مصروف ہوتے ہیں لیکن اُن کا ہر فعل اِن کا فعل کہا جاتا ہے اور اُن کی تمام سیر و تفریح ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے مثلاً خواب میں دیکھنے والا بیدار ہو کر خواب کی تعبیر حاصل کرنے کے لئے بیان کرتا ہے کہ میں خواب میں فلاں جگہ گیا یہ دیکھا وہ دیکھا فلاں سے ملا۔ اُس نے مجھے یہ کہا وہ کہا۔ فلاں زیارت کی فلاں خُوشی دیکھی۔ فلاں مصیبت میں مبتلا ہوا وغیرہ۔ اب یہ نہیں کہتا کہ میرے مثالی جسم نے یہ مناظر دیکھے یا مصائب جھیلے بلکہ اسی ظاہری جسم کی طرف وہ سب کچھ منسوب کرتا ہے جو اُس کو عالم خواب میں مثالی جسم کے ساتھ پیش آیا اور سُننے والا کوئی ہوش مند اس کو غلط بیانی سے بھی تعبیر نہیں کرتا اور کوئی موحد اس پر کفر و شرک کا فتویٰ بھی نہیں لگاتا کہ حاضر ناظر ہونا تو اللہ کا خاصہ ہے تو کس طرح ہر جگہ حاضر و ناظر ہو گیا ؟ سویا یہاں تھا اور ایک ہی وقت میں پہنچ وہاں گیا ؟ اور طرہ یہ کہ فتوے لگانے والے خُود بھی انہی حالات سے دوچار ہوتے ہیں۔ اور لُطف یہ کہ ظاہری جسم کی آنکھیں بند ہیں اور مثالی جسم کی آنکھیں کُھلی ہیں۔ اِس کے پاؤں ساکن ہیں اور اُس کے متحرک ہیں اس کے ہاتھ ایک جگہ پڑے ہیں اور وہ ہل جل رہے ہیں۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔ بیان کے وقت یہ بند آنکھیں کہتی ہیں کہ وہ کھلی ہُوئی آنکھیں ہم تھیں یہ خاموش زبان کہتی ہے کہ اس عین خاموشی کے وقت بول میں رہی تھی اور یہ سب ساکن اعضاء کہتے ہیں کہ بعینہٖ اسی سکون کے عالم میں وہاں متحرک ہم تھے تو گویا حاضر و ناظر ہونا تو بجائے خود اجتماع ضدین کا ہر جگہ مسئلہ درپیش ہے اور اسے محال کوئی نہیں کہتا ؟ نیز عالمِ خواب میں بعض اوقات مثالی جسم مصائب سے دوچار ہوتا ہے تو یہ حقیقی جسم نیند کی حالت میں تڑپ جاتا ہے بلکہ زبان سے واویلا کرنا شروع کر دیتا ہے یا وہ مثالی جسم مناظر عجیبہ دیکھتا ہے تو یہ بستر پر سویا ہوا جسم مسکرا دیتا ہے حالانکہ اس پر نیند طاری رہتی ہے۔ اب اگر سوال کیا جائے کہ تو ہنس کیوں رہا تھا یا رو کیوں رہا تھا تو جواب دیتا ہے کہ میں فلاں مقام پر کسی منظر عجیب کو دیکھ کر ہنسا تھا یا فلاں مقام پر کسی مصیبت میں پھنس کر رو یا تھا۔

بہر کیف یہاں ایک ہی رُوح ہے جو ایک ہی وقت میں دونوں جسموں سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک یہاں خاموش سویا ہوا ہے دوسرا وہاں سیر کر رہا ہے وہ عجیب منظر دیکھ کر وہاں ہنستا ہے تو یہ سویا ہوا یہاں ہنستا ہے مُصیبت سے گھبرا کر ایک ہی وقت میں وہ وہاں روتا ہے تو یہ یہاں واویلا کرتا ہے۔ اسی طرح باقی تمام افعال سمجھ لیجئے۔ پس ایک ہی وقت میں یہاں بھی حاضر وہاں بھی حاضر۔ زبان سے دونوں مقاموں پر بولتا ہے۔ آنکھوں سے ہر دو مقام پر روتا ہے منہ سے دونوں مقاموں پر ہنستا ہے اور یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے کہ کسی کو مجالِ انکار نہیں۔ اگر دونوں جگہ پر حاضر و ناظر نہیں تو بتائیے۔ نظارہ تو وہاں تھا یہ یہاں کیوں ہنسا ہے ؟ مصیبت تو وہاں تھی یہ یہاں کیوں چلّایا ہے ؟ ہمکلام تو وہاں تھا یہ یہاں کیوں بولا ہے ؟ کیا اب یہاں فتویٰ لگانے کی جُراٴت ہے کہ جو شخص ایک

انسان کے دو مختلف مقامات یا زیادہ پر ایک ہی وقت میں حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد رکھے وہ مشرک ہے ؟

**سوال** ۔ اگر کوئی کہے کہ وہ جسم مثالی ایک فرضی جسم ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں اور درحقیقت جسم صرف یہی ایک ہے ۔ اور روح بھی صرف اسی ایک میں موجود ہے اور یہ ایک وقت میں صرف ایک ہی مقام پر ہے ۔

**جواب** ۔ بے شک وہ ایک مثالی جسم ہے اور یہ جسم حقیقی ہے لیکن بات تو یہ ہے کہ روح کا تعلق ایک ہی وقت میں دونوں سے ہے یا نہیں ؟ اگر وہ فرضی ہے اور روح کا تعلق اس سے نہیں تو بتائیے کہ اُس کے اثرات اِس پر کیسے طاری ہوگئے ۔ اُس کے رونے سے اِسی وقت اس کی زبان سے فریاد کیوں نکلی اُس کے ہنسنے سے یہ کیوں ہنسا ؟ اور اگر آپ انکار ہی پر مُصر ہوں اور کہیں کہ اس جسم پر اس مثالی جسم کے کوئی اثرات نہیں ۔ یہ نہ روتا ہے نہ ہنستا ہے بلکہ یہ سب واقعات اسی مثالی جسم سے تعلق رکھتے ہیں تو میں عرض کروں گا کہ اگر حقیقت کچھ نہیں ہوتی تو بصورت وجوبِ غسل واقعہ کا تعلق تو اس مثالی جسم سے ہوتا ہے اور منی کا خروج بھی اسی سے ہوتا ہے فرمائیے اس پر غسل کیوں واجب ہوگیا اور اس کے کپڑے کیوں نجس ہوگئے ۔ ؟

اگر ایک مسلمان عالمِ خواب میں حضرت رسالت مآبؐ کی زیارت کا شرف حاصل کر رہا ہو اور اسی اثنا میں کوئی باہر سے آکر اس جسم کو بیدار کردے تو وہ چونکہ اس جسم ظاہری کا مدبّر ہے خواہ وہاں کتنا ہی پُرلطف وقت گذر رہا ہو ۔ اُسی آن میں وہ سب پُرکیف حالات چھوڑ کر فریضۂ تدبیر سنبھالنے کے لئے یہاں آپہنچے گا اور فوراً ہی جگانے والے پر خفا ہوگا کہ تو نے ایسا کیوں کیا اور اسی ظاہری جسم کی زبان سے کہے گا کہ میں نے انہی آنکھوں سے زیارت کی ۔ اِس زبان سے سلام عرض کیا وغیرہ ۔ اور بیدار ہونے پر اُس کو اس پُرکیف منظر کے ترک کرنے کا افسوس حد سے زیادہ ہوگا ۔ حتّٰی کہ اگر جگانے والا کمزور ہوگا تو اسے پیٹنے سے بھی گریز نہ کرے گا ۔ اب اگر واقعات کا تعلق صرف اُسی فرضی جسم سے ہے تو افسوس یا خوشی کیوں ہے ؟

بہرکیف یہ روح کی اس تھوڑی سی آزادی کا نتیجہ ہے کہ ایک ہی وقت میں دو مقاموں پر حاضر ہوتا ہے نیز یہ حالات صرف مومن و مسلمان سے مختص نہیں بلکہ کافر و مشرک بھی اس قسم کے حالات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں پس اگر کافر کی روح ایک وقت میں دو مقاموں پر حاضر ہوسکتی ہے اور اس کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا شرک نہیں تو کسی اور کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا شرک کیوں ہوگا ؟

مومن کے خواب کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے ۔ چنانچہ صحیح بخاری جلد چہارم ص۱۲۸ و ص۱۲۹ چھاپ مصر میں ہے ۔

ا۔ عن انس بن مالکؓ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الرُّؤْیَا الْحَسَنَۃُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّۃٍ وَّ اَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّۃِ ۔ (ترجمہ) انس بن مالک سے مروی ہے کہ جناب حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ نیک مرد کا اچھا خواب نبوت کی چھیالیسویں جز ہوا کرتا ہے ۔

۲۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ

ترجمہ۔ عبادہ بن صامت نے جناب رسالت مآبؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا مومن کا خواب نبوت کی چھیالیسویں (۱/۴۶) جُز ہوتا ہے۔

۳۔ عَنْ ابی هریرة ان رسول الله قَالَ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِیْنَ جُزْاً مِنَ النُّبُوَّةِ۔ (ترجمہ) ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جناب پیغمبرؐ خدا نے فرمایا مومن کا خواب نبوت کی ۱/۴۶ جزو ہے۔

۴۔ عن ابی سعید الخدریؓ اِنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ یَقُوْلُ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِیْنَ جُزْاً مِنَ النُّبُوَّةِ

ترجمہ۔ ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسالت مآبؐ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ اچھا خواب نبوت کی جزوں میں چھیالیسویں (۱/۴۶) جزو ہے۔

بہرکیف ہر چہار روایات کا مطلب واحد ہے یعنی ایک صالح مومن کی رُوح جب قید عناصر سے معمولی آزاد ہو جس کی بدولت وہ بیک وقت دو مقاموں پر حاضر ہو سکتی ہے۔ اِس سے رُوح نبوّت باوجودیکہ محبُوسِ قید عناصر ہو چھیالیس گُنا زیادہ طاقت رکھتی ہے جب عام رُوح نبوت کی یہ طاقت ہے تو پھر وہ نبوت جس کے زیرِ فرمان ایک لاکھ ایک کم چوبیس ہزار نبوتوں کی دنیا آباد ہو۔ اس کی طاقت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ میں نے تفسیر کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ گذشتہ انبیاء سرکارِ رسالت مآبؐ کے مقابلہ میں جزوی حیثیت رکھتے تھے اور یہ اُن کے مقابلہ میں کل حیثیت کے حامل ہیں وہ محدود قوم اور محدود علاقہ پر مامور بہ نبوت تھے اور ان کی نبوت عالمی نبوت ہے تو اس چیز سے یہ چیز خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ ان کا صحیح جانشین گذشتہ نبیوں سے افضل ہوگا۔ کیونکہ بادشاہ کا قائم مقام اس کی تمام رعایا کا حاکم ہوا کرتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس کے صحیح جانشین کے انتخاب میں خطا کر جائیں۔ اور ایسے شخص کو منتخب کر بیٹھیں جو ان صفات کا حامل نہ ہو۔ پس صحیح بخاری کی روایات کی تطبیق سے معلوم ہوا کہ اگر مومن کی روح عالم خواب میں دو مقاموں پر پہنچ سکتی ہے تو نبی عالم بیداری میں چھیالیس جگہ حاضر ہو سکتا ہے اور یہ عام نبی کی حالت ہے اور خاتم الانبیاء کا ایک مختصر وقت میں متعدد مقامات میں حاضر ہونا شب معراج کی حقیقت سے واضح ہے اور پھر جو ان کا صحیح قائم مقام ہو اس کے لئے متعدد مقامات پر حاضر ہو سکنے کا اشکال ہی فضول ہے۔

پس اگر یہی حاضر و ناظر ہونا خدا کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ عقیدہ یقیناً ناخدا شناسی ہے اور اگر خدا کی ذات کو اس سے اجلّ و ارفع قرار دے کر کہا جائے کہ خدا اتنی طاقت اپنی خاص مخلوق کو بھی دے سکتا ہے تو یہ اس کی عظمت و قدرت کی دلیل ہے اور وہ خدا جو اپنے خاص بندوں کو اس قدر طاقت دے سکتا ہے جس سے ہمارے ناقص عقول عاجز ہیں تو ہمارے وہم و گمان کی رسائی اس کی اپنی ذات تک کیسے ہو سکتی ہے؟

**جواب نمبر۳**۔ علم مسمریزم کے عامل اپنے معمول کے ذریعہ سے عجیب وغریب باتیں ظاہر کرتے ہیں، ایک عامل علم مسمریزم کی طاقت سے ایک نابالغ معمول کو بے ہوش کرکے سُلا دیتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اس میں کوئی حس وحرکت نہیں۔ اب پوچھتا ہے تو کون؟ وہ کہتا ہے میں معمول۔ پھر پوچھتا ہے میں کون؟ وہ جواب دیتا ہے تو عامل پھر عامل ایک شخص کے سر پہ ہاتھ رکھ کر معمول سے دریافت کرتا ہے تو معمول جس نے اس سے پہلے نہ اس شخص کو دیکھا نہ سنا۔ عامل کے سوال کے بعد اس شخص کا نام بتلاتا ہے اس کے باپ کا نام لیتا ہے اس کے شہر کا پتہ بیان کرتا ہے۔ اور اس کا سوال بیان کرکے اس کے نتیجہ کی خبر بھی دے دیتا ہے اور یہ سب چیزیں عام طور پر درست بھی ہوا کرتی ہیں جیسا کہ عام مشہور ہے پھر عامل دوسرے شخص کے سر پر ہاتھ رکھتا ہے تو وہی معمول اس شخص کے تفصیلی حالات بیان کرتا ہے اور مجمع میں سے جس جس کے متعلق عامل سوال کرتا جائے۔ وہ بیان کرتا جاتا ہے حالانکہ یہ لوگ دُور دُور کے بسنے والے ہوتے ہیں، جن سے معمول ظاہری طور پر قطعاً ناآشنا ہوا کرتا ہے اب بتائیے کہ وہ معمول یہ خبریں کہاں سے لایا؟ اور ان پر کیسے مطلع ہوا؟ پس جب ایک عامل اپنے علم مسمریزم کے ذریعہ سے اپنے معمول میں یہ طاقت بھر سکتا ہے تو خالق کائنات اپنے مخصوص بندوں کو اتنی یا اس سے زیادہ طاقت عطا کرنے سے عاجز ہے؟

۴۔ معراج جسمانی مسلمانوں کا مسلّمہ عقیدہ ہے۔ جناب رسالتمآبؐ رات کے ایک مختصر حصّہ میں تمام ملاء اعلیٰ کی سیر کرکے واپس بھی آگئے اور اس تھوڑے سے وقت میں آپ نے جو تفصیلی مناظر ملاحظہ فرمائے اس کی لمبی فہرست ہے ملائکہ سے باتیں ہوئیں بیت المعمور پر نماز پڑھی جنّت کو دیکھا، دوزخ کو دیکھا، عرش کی سیر کی حجابات قدرت دیکھے نامعلوم کیا کیا دیکھا؟ اور پھر پلٹ بھی آئے تو جو خدا جسم عنصری کی پابندی کے ساتھ اپنے رسُول کو اتنی طاقت دے سکتا ہے اور وہ اس پابندی کے ہٹ جانے کے بعد صرف رُوح رسالتؐ کو اتنی طاقت نہیں دے سکتا کہ چشم زدن میں پُورے عالم کا معائنہ فرمالیں؟

پھر یہ سوال بھی پیدا کیا جاتا ہے کہ مرجانے کے بعد کسی کو پکارنا عبث ہے کیونکہ وہ سُن سکتا ہے اور کچھ کر سکتا ہے۔

**جواب نمبرا**۔ نماز کے تشہد میں تمام مسلمان السّلام علیك ایّها النبیّ ورحمة الله وبرکاته پڑھتے ہیں حالانکہ ان کے رحلت فرما جانے کا علم ہے تو کیا نماز کے وقت وہ حاضر وناظر ہیں۔ اور باقی حالات میں ان کی یہ خصوصیت مفقود ہوتی ہے؟

۲۔ اگر کسی کا بھائی یا فرزند مرجاتا ہے تو قبر پر جاکر قبر سے خطاب کیا جاتا ہے کہ بھائی جان میں تیرے بعد تنہا ہوں۔ تیرے بچے یتیم ہیں۔ یا بیٹا تیرے بعد باپ کا کوئی سہارا نہیں۔ میں تیری قبر پر آیا ہوں۔ میرے ساتھ کلام کرو۔ حالانکہ علم ہوتا ہے کہ یہ جواب نہ دیں گے اور ان خطابات کو کوئی شخص شرک وکفر سے تعبیر نہیں کرتا کیونکہ یہ خطابات صرف اظہارِ محبت کے لئے ہوتے ہیں پس جب عام عزیزوں کی قبروں سے خطاب کیا جاسکتا ہے تو اولیاء اللہ کی قبروں کے سامنے اظہارِ عقیدت سے کیا مانع ہے کہ ان کو خطاب کرکے اپنی مشکلات کا ذکر کیا جائے جب کہ مقصود ان کو بارگاہِ خدا میں وسیلہ بنانا ہو؟

پس نتیجہ یہ نکلا کہ نہ گھر بیٹھے ان کو پکارنا ممنوع ہے اور نہ ان کی قبروں پر جا کر ان کو خطاب کرنا عبث ہے۔ کیونکہ مقصود ہر دو صورتوں میں ان کا وسیلہ بنانا ہوا کرتا ہے اور اللہ سے ہی طلب حاجات کی جاتی ہے۔ پس اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن سے اس فعل کی کوئی منافات نہیں ہے

## آیات فاتحہ ابواب جنّت کی کنجیاں ہیں

کتاب بحار الانوار ج ۳ صفحہ ۲۹۴ پر عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآب نے فرمایا کہ مجھے شب معراج جب آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو جنّت و نار میرے سامنے لائی گئیں میں نے جنت کی نعمات کو دیکھا اور جہنم کے عذاب کو بھی دیکھا۔ جنّت کے آٹھ دروازے تھے کہ ہر دروازے پر چار ایسے کلمات مرقوم تھے کہ ان کا ہر ایک جاننے اور عمل کرنے والے کے لئے دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے مجھے جبریل نے کہا کہ پڑھو تو میں نے پڑھا۔

پہلے دروازے پر لکھا تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ ہر شے کے لئے حیلہ ہوا کرتا ہے۔ اور آرام کی زندگی کے چار حیلے ہیں۔ ۱۔ قناعت۔ ۲۔ بجا خرچ۔ ۳۔ کینے کا ترک کرنا۔ ۴۔ نیکوں کی صحبت۔

دوسرے دروازہ پر مرقوم تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ۔ ہر شے کے لئے حیلہ ہوتا ہے اور آخرت کی خوشی کے چار حیلے ہیں۔ ۱۔ یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرنا۔ ۲۔ بیواؤں پر رحم کرنا۔ ۳۔ مومنین کی حاجات میں کوشش کرنا۔ ۴۔ فقراء اور مساکین کی خبر گیری کرنا۔

تیسرے دروازے پر تحریر تھا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رسول اللہ علی ولی اللہ۔ ہر شے کے لئے حیلہ ہوتا ہے اور دنیا کی تندرستی کے چار حیلے ہیں۔ ۱۔ کم بولنا۔ ۲۔ کم سونا۔ ۳۔ کم چلنا۔ ۴۔ کم کھانا۔

چوتھے دروازے پر منقوش تھا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ علی ولی اللہ۔ جو شخص اللہ پر اور قیامت پر یقین رکھتا ہو پس اُس کو لازم ہے کہ مہمان کی عزت کرے جو شخص اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو اُس کو چاہیئے کہ اپنے ہمسایہ کی حرمت کا خیال رکھے جو شخص اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو ضروری ہے کہ اپنے والدین کا احترام کرے اور جو شخص اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو پس وہ نیکی کی بات کہے ورنہ چپ اختیار کرے۔

پانچویں دروازہ پر مکتوب تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ۔ جو شخص اپنے اُوپر ظلم برداشت نہ کرے۔ تو وہ دوسرے پر ظلم سے اجتناب کرے جو گالی دیا جانا نہ پسند کرے چاہیئے کہ خود بھی کسی کو گالی نہ دے جو ذلیل ہونا نہ چاہے وہ کسی دوسرے کو ذلیل نہ کرے اور جو دنیا و آخرت میں مضبوط تعلق سے وابستگی چاہے پس اس کلمہ کو پڑھے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ علی ولی اللہ

چھٹے دروازہ پر درج تھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیؑ ولی اللہ جو قبر میں کشادگی کا متمنی ہو چاہیئے کہ مساجد کی بنا کرے جو چاہے کہ میں قبر میں بوسیدہ نہ ہوں پس (عبادت خدا کے لئے) مساجد میں سکونت کرے جو چاہے کہ زمین کے نیچے مجھے

کپڑے ٹکڑے نہ کھائیں پس وہ (یاد خدا کے لئے) مساجد میں بسر کرے اور جو جنّت میں اپنا گھر دیکھنا چاہے (پس ذکر خدا کے لئے) مساجد میں رہے۔

ساتویں دروازہ پر ثبت تھا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّد رسول اللّٰه علیّ ولیّ اللّٰه۔ دِل کی نورانیت چار چیزوں میں ہے۔ ا بیمار پرسی ۲۔ تشییع جنازہ ۳۔ کفن کو خرید کرکے رکھنا ۴۔ قرض کا ادا کرنا۔

آٹھویں دروازہ پر رقم تھا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰهِ۔ جو شخص ان دروازہ ہائے جنّت سے گذرنے کا متمنی ہو وہ اپنے اندر چار خصلتیں پیدا کرے۔ ا۔ سخاوت ۲۔ خوش خلقی ۳۔ صدقہ ۴۔ اللہ کے بندوں کی ایذا رسانی سے پرہیز۔ (الخبر)

مُلّا صدرالدین شیرازی اعلی اللہ مقامہ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ نماز چونکہ بفرمان معصوم مومن کی معراج ہے پس اس معراج کی تیاری کے لئے پہلے پہل ظاہری نجاسات وکثافات کو بدن ولباس سے دُور کرے تاکہ اس کی رُوح اس معراج پر فائز ہونے کے قابل ہوسکے پھر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوکر پُورے سکونِ قلب اور توجّہ خاطر کے ساتھ زبان سے اللہ اکبر کے کلمات جاری کرکے جلال و عظمتِ خداوندی کے سامنے اپنے آپ کو جمیع ماسوائے اللہ سے علیحدہ پائے پس یہ دُعائے توجہ جو مستحب ہے پڑھے وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِی فطر السّمٰوات والارض الاٰیۃ۔ اور یہ مقام حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن کا ہے کہ انہوں نے یہی کلمات ادا فرمائے تھے جب روحانیت کے منازل اس حد تک طے ہوگئے تو اب جنّت کے دروازے کھلنے شروع ہوجاتے ہیں جن کی ترتیب یہ ہے۔

۱۔ **باب المعرفۃ**۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنے سے کھُلتا ہے کیونکہ اس میں اغوائے شیطانی سے برأت کا اظہار ہے اور تکبر سے یکسوئی ہے۔

۲۔ **باب الذکر**۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے زبان سے جاری کرنے سے کھُلتا ہے۔

۳ **باب الشکر**۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے پڑھنے سے کھُل جاتا ہے۔

۴ **باب الرجاء**۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے پڑھنے سے کھُلتا ہے۔

۵ **باب الخوف**۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی تلاوت سے کھُلتا ہے۔

۶ **باب الاخلاص**۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے پڑھنے سے باز ہوتا ہے۔

۷ **باب الدّعاء**۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے زبان پر جاری کرنے سے کھلتا ہے۔

۸ **باب الاقتداء**۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے پڑھنے سے کھلتا ہے۔

پس جس طرح جنّت الخلد کے آٹھ دروازے ہیں اسی طرح معارفِ ربانیہ کی جنت کے بھی آٹھ دروازے ہیں اور یہ اُن کی رُوحانی

کنجیاں ہیں اور نماز کا معراج روحانی یہی ہے۔ زیادتی توضاحت کے لئے میں نے ملّا صدرا مرحوم کے بیان کو اپنے بیان سے مخلوط کر دیا ہے۔

## آیاتِ فاتحہ کی دُوسری معنوی توجیہ

نماز چونکہ مومن کی معراج ہے اور روحانی معراج کا حصُول جُملہ روحانی بیماریوں سے شفایابی کے بعد ہوتا ہے اور آیاتِ سورہ فاتحہ اُن روحانی بیماریوں سے تندرست ہونے کی تعبیریں ہیں جس کی ترجمانی ملّا صدرا نے جس رنگ میں کی ہے اُس کا ماحصل یہ ہے۔ انسان کی گمراہی کے تین رستے ہیں ۱۔شہوت ۲۔غضب ۳۔خواہش نفس۔ شہوت قوتِ بہیمیہ ہے۔ غضب قوتِ درندگی ہے اور خواہش نفس شیطان ہے۔ شہوت بری بلا ہے لیکن غضب اس سے زیادہ ہے اور غضب آفتِ عظیمہ ہے لیکن خواہش نفس اس سے سخت ترین ہے اور خداوند کریم کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ۔ (ترجمہ) نماز فحشاء منکر اور بغی سے روکتی ہے۔ فحشاء شہوت ہے منکر سے مراد غضب ہے اور بغی ہوائے نفس کی تعبیر ہے اور انہی تین وجوہات کی بناء پر حضرت موسےٰ علیٰ نبینا وعلیہ السّلام کی اُمت میں مسخ واقع ہوا۔ چنانچہ بندر، سؤر اور عبد طاغوت ہوئے۔ شہوت سے انسان اپنے نفس کا ظالم ہوتا ہے اور غضب سے دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔ اور ہوائے نفس سے اپنے اللہ پر ظلم کرتا ہے اور اسی بنا پر جناب رسالتمآبؐ کا ارشاد ہے کہ ظلم تین قسم کے ہیں ایک ظلم وہ ہے جو قابل بخشش نہیں دوسرا ظلم وہ ہے جو ترک نہ کیا جائے گا اور تیسرا ظلم وہ ہے جس کو ممکن ہے کہ خدا معاف کر دے پس وہ ظلم جو قابلِ مغفرت نہیں وہ شرک ہے جو ہوائے نفس کی پیداوار ہے وہ ظلم جس کو چھوڑا نہ جائے گا یعنی اس کا معاوضہ لیا جائے گا وہ بندوں پر ظلم کرنا ہے جو غضب کی پیداوار ہے اور وہ ظلم جس کو اگر خدا چاہے تو معاف کر دے وہ اپنے نفس کا ظلم ہے جو قوتِ شہویہ کی پیداوار ہے۔ ان تین بدخصلتوں میں سے ہر ایک کی دو دو فرعیں ہیں۔ شہوت کی دو فرعیں حرص اور بخل ہیں۔ غضب کی دو فرعیں خود پسندی اور تکبّر ہیں ہوائے نفس کی دو فرعیں کفر و بدعت ہیں۔ ان کے جمع ہو جانے کا نتیجہ رحمتِ خدا سے دُوری ہے۔ ان برائیوں کے اصول یعنی شہوت، غضب، ہویٰ سورہ فاتحہ کی پہلی آیت یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت و معرفت سے ختم ہو جاتے ہیں اور باقی آیاتِ فاتحہ سے تفصیلی طور پر ان کی فرعیں ختم ہو جاتی ہیں اور ان کا لازمی نتیجہ ہے قربِ خداوندی جو مومن کی روحانی معراج ہے کیونکہ جب انسان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہے تو اللہ کی معرفت سے ہوائے نفس کا بھوت اس کے سر سے اُتر جاتا ہے کیونکہ خدا ارشاد فرماتا ہے اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ (ترجمہ) کیا تو نے اس کو دیکھا جو اپنی خواہشِ نفس کو خدا جانتا ہے؟ یعنی ہوائے نفس اُلوہیت سے برسرِ پیکار رہتی ہے چنانچہ حضرت موسٰی کو خطاب ہوا کہ میری مخلوق میں سے کوئی بھی سوائے ہوائے نفس کے میرے ساتھ میرے ملک میں جھگڑا نہیں کرتا پس انسان کو جب اللہ کی معرفت حاصل ہوگئی اور اس کو خدا تسلیم کر لیا تو ہوائے نفس کے شکنجے سے آزاد ہو گیا۔ اور جب الرحمٰن کا تصور کیا تو غضب چلا گیا۔ کیونکہ غضب بھی طلبِ بڑائی اور تحصیل ملک وجاہ کے لئے ہوتا ہے اور ملک وجاہ ذاتِ احدیت ہی کے لئے ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ ملک رحمٰن کے لئے ہے تو طلب ملک وجاہ کے لئے غضب کی اتباع

سے خود بخود کنارا کش ہو جائے گا اور الرحیم کے کہنے سے شہوت کا آہنی جال بوسیدہ ہو کر خاکستر ہو جائے گا کیونکہ رحیمیت کا تصوّر بہیمانہ کردار کے قلع قمع کے لئے کافی۔ پس معلوم ہوا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے تینوں اسمائے طاہرہ ہر سہ صفاتِ بد شہوت غضب اور ہوائے نفس کے دُور کرنے کے کفیل ہیں اور یہی روحانی امراض کی جڑیں ہیں اور تمام بد افعال انہی کی شاخیں اور نتیجہ ہیں۔ باقی آیاتِ فاتحہ ان روحانی امراض کا دفیعہ اس طرح کرتی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ جب زبان پر جاری ہوا تو گویا اعتراف کر لیا کہ خدا نے مجھے جو کچھ عطا فرمایا میں اُس پر راضی ہوں اور اُس کا شکر ادا کرتا ہوں پس شہوت کافور ہو گئی۔

رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ پڑھا تو معلوم ہوا کہ عالمین کا رازق و مربّی اللہ ہے تو اپنی کفایت سے زیادہ کا حرص نہ کرے گا اور اپنے پاس جمع شدہ کا بخل نہ کرے گا۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے پڑھنے سے اس کا غضب رفع ہو جائے گا کیونکہ معلوم ہو گیا کہ ملک اور عظمت اسی کی ذات کے لئے ہی سزاوار ہے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے پڑھنے سے تکبّر کا قلع قمع ہو گیا۔

وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے خود پسندی ختم ہو گئی کیونکہ معلوم ہو گیا کہ ہر امر کی انجام دہی کے لئے میں خود ناکافی ہوں اور اللہ کی مدد کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے ہوائے نفس کا خاتمہ ہو گیا۔ اپنے من بھائے رستے پر چلنے سے گریز کر کے اللہ سے صراط مستقیم پر رہنے کی دُعا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے پڑھنے سے کفر رفع ہو گیا اور

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ سے بدعات کا طریقہ ختم ہو گیا۔

پس جب روحانی بیماریوں کے اُصول و فروع کا پوری طرح ازالہ ہو گیا تو ظلمانی حجابات دور ہو گئے اور ہر طرف سے رحمتِ خداوندی نے گھیر لیا اور قربِ روحانی حاصل ہو گیا اور یہی ہے معراجِ روحانی (ملخص از تفسیر صدرا) اور قرآن مجید میں انہی بیماریوں سے بچنے کی تعلیمات ہیں جن کا اُصولی طور پر سورہ فاتحہ نے اجمالی رنگ میں ذکر کر دیا ہے لہذا یہ سورہ مبارکہ اُمّ القرآن اور الاساس ہے اور من جملہ تقدیم سورہ فاتحہ کی وجوہ کے یہ بھی ایک وجہ ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر گذشتہ بحار الانوار ج۳ ص۲۹۴ کی روایت کا آخری حصہ ذکر کرنا نہایت موزوں ہے جس میں سرکار رسالت مآب نے ابوابِ جہنم کی تعداد سات بتائی ہے اور ہر دروازہ پر جو کچھ لکھا تھا بیان فرمایا چنانچہ حضور ارشاد فرماتے ہیں۔

۱۔ پہلے دروازہ پر تین کلمات لکھے ہوئے تھے (۱) اللہ سے اُمید کرنے والا نیک بخت ہے (۲) اللہ سے ڈرنے والا بےخوف ہے (۳) اور ہلاک ہونے والا فریب خوردہ وہ ہے جو اللہ کے غیر سے اُمید رکھے اور اُس کے غیر سے خوف زدہ ہو۔

۲۔ دُوسرے دروازہ پر مرقوم تھا (۱) جو قیامت کی بھوک سے بچنا چاہے وہ دنیا میں بھوکے لوگوں کو کھانا کھلائے (۲) جو روزِ قیامت برہنہ محشور ہونے سے بچنا چاہے وہ دنیا میں برہنہ جسم لوگوں کو لباس پہنائے (۳) جو قیامت کی پیاس سے بچنا چاہے وہ پیاسوں کو پانی پلائے

۳۔ تیسرے دروازہ پر تحریر تھا۔ ۱۔ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ۔۲۔ بخیلوں پر اللہ کی لعنت ۔۳۔ ظالموں پر اللہ کی لعنت۔

۴۔ چوتھے دروازہ پر مکتوب تھا ۱۔ اسلام کو ذلیل کرنے والا اللہ کے نزدیک ذلیل ہے ۲۔ اہل بیت کی توہین کرنے والا اللہ کے نزدیک ذلیل ہے ۳۔ ظالموں کی امداد کرنے والا اللہ کے نزدیک ذلیل ہے۔

۵۔ پانچویں دروازہ پر لکھا تھا۔ ہوائے نفس کی اتباع نہ کرو کیونکہ یہ ایمان کی دشمن ہے ۲۔ بے محل کلام نہ کرو کیونکہ یہ اللہ کی رحمت سے دُوری کی موجب ہے ۳۔ ظالموں کی امداد نہ کرو۔

۶۔ چھٹے دروازہ پر مرقوم تھا۔ ۱۔ میں مجتہدین پر حرام ہوں۔ ۲۔ میں صدقہ دینے والوں پر حرام ہوں ۔۳۔ میں روزہ داروں پر حرام ہوں۔

۷۔ ساتویں دروازہ پر مکتوب تھا ۱۔ حساب لئے جانے سے پہلے اپنے نفسوں کا حساب کر لو۔ ۲۔ تنبیہ کئے جانے سے پہلے اپنے نفسوں کو تنبیہ کر لو ۔۳۔ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے سے قبل اس سے دُعا کر لو۔

پس ادنیٰ تامّل و تتبع سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دروازہ ہائے جنّت پر جو خصلتیں مرقوم تھیں وہ آیات سورہ فاتحہ کے منطوقی اصول اور ان کی فروعات ہیں لہٰذا آیاتِ فاتحہ کو کلید جنت کہنا بالکل بجا ہے اسی طرح وہ خصلتیں جن سے بچنے کے لئے دروازہ ہائے جہنّم کی تحریر صدا دے رہی ہے وہ آیات سورہ فاتحہ کے مفہوم مخالف کے اُصولاً و فروعاً نتائج ہیں جن کا نتیجہ جہنم ہے۔

پس سورہ فاتحہ کے متعلق مختصر طور پر جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا۔ پُورا ہو گیا۔ اس کے بعد سورہ بقرہ کی تفسیر آئے گی۔

واللہ الموفق والمعین علیہ توکلت وھو حسبی ونعم الوکیل۔ اللھم صلّ علیٰ محمد وآل محمد۔

# تفسیر

# سورۂ البقرہ

اس کی آیات ۲۸۶ ہیں ۔اور سب مدنی ہیں ۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ملانے سے ان کی تعداد ۲۸۷ ہے۔

۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ اور سُورہ آل عمران کو پڑھے گا تو بروزِ محشر یہ دونو سُورتیں اس کے سر پہ سایہ کریں گی۔

۲۔ حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی پہلی چار آیتیں اور آیۃ الکرسی خالدون تک اور آخر سُورہ کی تین آیتیں پڑھے گا ۔اپنے جان مال اور اہل میں کوئی ناپسندیدہ امر نہ دیکھے گا ۔شیطان اس کے قریب نہ آئے گا اور قرآن کو نہ بھولے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ

یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے متقیوں کے لئے جو غیب کے ساتھ ایمان رکھتے

بِالۡغَیۡبِ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴿۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ

ہیں اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں وہ جو ایمان رکھتے ہیں ساتھ اس چیز

اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ وَ بِالۡاٰخِرَۃِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِکَ

کے جو آپ پر اتری اور ساتھ اس چیز کے جو آپ سے پہلے اتری اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ لوگ ہدایت

عَلٰی هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ٭ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ

پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور وہی ہیں چھٹکارا پانے والے تحقیق وہ لوگ جو کافر ہیں ان پر برابر ہے خواہ

عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ

ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ ایمان نہ لائیں گے مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور

وَ عَلٰی سَمۡعِهِمۡ ؕ وَ عَلٰۤی اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَۃٌ ۫ وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۷﴾

کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے

## رکوع نمبر ۱، حروفِ مقطعات کا بیان

الٓمّٓ حروفِ مقطعات قرآنیہ کے بارے میں مفسّرین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا سربستہ راز ہے جس کو سوائے علام الغیوب کے کوئی بھی نہیں سمجھتا بعضوں نے کہا ہے کہ جن سورتوں کے شروع میں یہ حروف ہیں انہی سورتوں کے نام ہیں بعضوں نے کہا ہے کہ قرآن کے نام ہیں۔ ان کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں جن کے درپے ہونا طول بلاطائل ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ الٓمّٓ اور جمیع مقطعات اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم پر مشتمل ہیں جس کو نبی یا امام صحیح ترتیب دے سکتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ الخبر (برہان)

تفسیر امامؑ سے منقول ہے کہ ان حروف سے ابتداء کا مقصد منکرین کو تحدی کرنا ہے یعنی یہ قرآن صرف انہی حروف سے مرکب

ہے جن سے تم اپنا کلام مرکب کرتے ہو۔ اس کے حروف کوئی نئے نہیں۔ پس اگر اس کلام کو تم اللہ کا کلام نہیں مانتے تو انہی حروف سے تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لاؤ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ قسم کے لئے ہیں یعنی الف لام و میم کی قسم اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

تفسیر صافی سے بحوالۂ تفسیر عیاشی حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میرے پاس حروفِ مقطعات قرآنیہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ جملہ حروفِ مقطعات قرآنیہ اسرار اور رموز علومِ الٰہیہ کے خزانے ہیں جن کی صحیح خبر راسخون فی العلم کے علاوہ اور کسی کو نہیں اور یہ کہنا کہ سوائے اللہ کے اور کوئی جان ہی نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ نبیؐ وامام بھی اس سے بے خبر ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ ورنہ یہ کتاب ساری کی ساری ہدایت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس کے بعض کلمات کسی کی سمجھ میں ہی نہ آئیں اور پھر اس قسم کے الفاظ نازل کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے جس کا علم اس کے اپنے رسول کو بھی نہ ہو؟ پس جس طرح عموماً حبیب و محبوب کے باہمی مکالمات و مکاتیب ہیں بعض اس قسم کے اسرار و رموز ہوا کرتے ہیں جن کو غیر نہیں سمجھ سکتا یا یوں سمجھئے کہ جس طرح ایک افسر اعلیٰ اور حاکمِ بالا اپنے ماتحت افسر کو رعایا پر نافذ کرنے کے لئے چند احکام تحریر کرے اور چھٹی کے سرنامہ پر چند ایسے اشارات درج کر دے جن کا تعلق صرف اسی مکتوب الیہ افسر سے ہو اور ان اشارات میں چھٹی کے تمام مندرجہ احکام کے نافذ کرنے کی خصوصی ہدایات درج ہوں جن پر عوام کو مطلع کرنا مصلحتِ وقت کے خلاف ہو تو جب عوام کے سامنے وہ چھٹی آئے گی۔ یقیناً وہ سرنامے پر درج شدہ اشارات کو مہمل خطوط سمجھیں گے اور ذیل میں مندرجہ احکام کے صحیح فیصلہ وہی افسر کر سکے گا جس کو وہ چھٹی بھیجی گئی تھی اور اشاراتِ خصوصی پر اسے مطلع کیا گیا تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس کا صحیح قائم مقام ان مندرجات کے صحیح نفاذ کا ذمہ دار ہوگا۔

اسی طرح مقطعاتِ قرآنیہ کے علوم حضرت محمد مصطفےٰؐ اور اس کی آلِ طاہرین ہی تک محدود ہیں۔ چنانچہ بعض روایات ہیں اس کا مضمون گذر چکا ہے اور وہی قرآنِ مجید کے جملہ مضامین کا صحیح حل سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے دروازہ سے یک سوئی ہی مسلمانوں کے اختلاف کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ پس جس طرح سلاطین دنیا کا یہی طرزِ عمل ہے کہ ان کی چٹھیاں دو حصوں پر منقسم ہوا کرتی ہیں ایک حصہ کا تعلق صرف مکتوب الیہ افسر سے ہوتا ہے جس میں عمومی احکام کے نافذ کرنے کے طریقے اور دیگر خصوصی ہدایات ہوتی ہیں اور دوسرے حصے کا تعلق عام رعایا سے ہوتا ہے لیکن دوسرے حصہ کو کما حقہٗ وہی سمجھ سکتا ہے جس کو پہلے حصے کا علم ہو اسی طرح قرآن مجید میں مقطعاتِ قرآنیہ کا علم انہی ذواتِ طاہرہ سے مختص ہے جن کو قرآن کا مبلّغ قرار دیا گیا ہے اور باقی قرآن کا تعلق پوری امت سے ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ قرآن پورے کا پورا ہدایت و رحمت ہے لیکن ہادی سے کنارہ کشی اس کے صحیح مطالب سے دوری کی موجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے بار بار قرآن و اہل بیت ہر دو سے تمسک کی تاکید فرمائی۔ اور اس کے بغیر امت کی گمراہی کا خطرہ ظاہر فرمایا۔

علاوہ ازیں حروفِ مقطعات جن کی کل تعداد (چودہ ہے) کی صحیح ترتیب خود اس امر کی غماز ہے کہ ان کا علم آلِ محمدؐ تک ہی محدود ہے کیونکہ قرآن کے تمام حروف مقطعات کو جمع کر کے دوبارہ آنے والے حروف کو علیحدہ کیا جائے۔ تو بامعنی عبارت صرف یہ بنتی ہے صراطُ علی حق نمسکہ یا علی صراط حق نمسکہ۔ اس کے بغیر اور کوئی صحیح عبارت بن ہی نہیں سکتی۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ حروفِ تہجی الف لام ومیم وغیرہ سے مرکب کامل یہی کتاب ہے۔ ذرا بھر اس میں شک نہیں۔ یعنی اگر اس کی ترتیب ونظم واسلوبِ بیان کا صحیح مطالعہ کیا جائے تو اس دعویٰ کی تصدیق میں کوئی شک نہیں رہتا اور پھر بھی اگر کوئی اس کتاب کو غیر اللہ کا کلام کہے تو انہی حروف سے اس جیسا کلام مرکب کر کے پیش کرے یا یہ وہ کتاب ہے جس کے متعلق انبیاء سابقین نے خبر دی تھی اور اس بات میں کوئی شک نہیں یا اللہ نے جس کتاب کے نازل فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا بلاشک وشبہ یہ وہی کتاب ہے یا یہ وہ پائدار کتاب ہے جو قابلِ تغیر ونسخ نہیں جس طرح کتبِ گذشتہ تھیں (یعنی ریب کنایہ نسخ سے ہو (تفسیر صدرا)، یا یہ وہ سچی کتاب ہے جس کی صداقت وحق بیانی میں قطعاً صاحبِ عقل سلیم کے لئے کوئی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ یاد رہے کہ تحریف سے پہلے کتبِ سماویہ سابقہ کی بھی یہی صفت ہے کہ ان کی صدق بیانی میں کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں ہوتی لیکن اس مقام پر چونکہ قرآن مجید کے متعلق نزاع تھا لہٰذا اسی مقدس کتاب کو نفیٔ ریب سے مخصوص کیا گیا۔ حاصل معنی یہ ہے۔ یہ وہ کتاب کامل بلکہ اکمل ہے جس میں نہ کوئی لفظی یا معنوی نقص وعیب ہے جو موجبِ گرفت ہو اور نہ اس میں کوئی رخنہ ہے تاکہ قابلِ ترمیم ہو۔ اور نہ اس میں کوئی کمزوری ہے تاکہ قابلِ تغیر ونسخ ہو اور یہ جملہ تمام قرآنی مطالب کا موضوعِ بیان اور عنوان بحث کی حیثیت رکھتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ متقین کے لئے ہدایت ہے یا ہادی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب ہر شخص کے لئے منارِ ہدایت ہے لیکن چونکہ اس کی ہدایت سے نفع صرف متقی ہی اُٹھاتے ہیں اس لئے ان کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا جس طرح جناب رسالتمآبؐ عالمین کے رسول تھے لیکن چونکہ اسلام لانے والوں نے ہی ان کی تبلیغات سے اثر لیا۔ لہٰذا مسلمانوں کے رسول کہلاتے ہیں۔ یعنی فیضِ قرآن اگرچہ عام ہے لیکن قبول کرنے والوں سے منسوب کر دیا جائے تو اس میں حرج بھی کوئی نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جسمانی امراض کے علاج کے لئے جو شفاخانہ جات اور ڈاکٹر مقرر کئے جاتے ہیں۔ وہ تمام بیماروں کے لئے یکساں طور پر مفید وکارآمد ہوتے ہیں لیکن اگر مریض ان کے قریب تک نہ جائے یا جاکر مقررہ علاج سے گریز کرے یا ڈاکٹر کے مشوروں پر عمل نہ کرے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ شفاخانہ یا دوا یا ڈاکٹر اس مریض کے لئے مفید نہ تھا لیکن اس صورت میں اگر کہا جائے کہ وہ صرف ان لوگوں کے لئے کارآمد ہیں جنہوں نے اس شفاخانہ میں داخل ہو کر ڈاکٹر کی تشخیص ومشورہ کے مطابق ادویہ جات کا استعمال کیا تو یہ بات اس شفاخانہ یا ادویہ یا ڈاکٹر کے عمومی فائدہ مند ہونے کے منافی نہیں اسی طرح روحانی امراض کیلئے بھی دائرہ اسلام شفاخانہ اور جناب رسالتمآبؐ اور اس کی آلِ طاہرینؑ معالج اور احکامِ قرآنیہ ادویہ جات ہیں اور ان کی افادیت عالمین کے لئے یکساں ہے پس اس روحانی شفاخانہ

(دائرہ اسلام) میں داخل نہ ہونا یا داخل ہو کر اس کے حقیقی معالجین یعنی محمدؐ و آلِ محمد کو نہ پہچاننا یا ان کی فرمائشات سے انحراف کرنا، نہ قرآن کی عالمی ہدایت کے منافی ہے اور نہ مبلغین قرآن کی عالمی تبلیغ پر حرف زنی کا موجب ہے پس قرآن جس طرح ہدایت کل تھا لیکن صرف متقین نے ہی اس سے فائدہ اٹھایا لہٰذا اس کو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کہا گیا۔ اسی طرح جناب رسالت مآبؐ کے بعد مبلّغ قرآن حضرت علی علیہ السّلام امام الخلق تھے لیکن ان کو صرف متقین نے ہی امام تسلیم کیا لہٰذا ان کا لقب امام المتقین ہو گیا اور چونکہ اسلام اور قرآن کے ذمہ دار افراد میں سے سب سے زیادہ اور اہم اختلاف صرف حضرت علی علیہ السّلام کی ذات بابرکات میں ہے۔ اسی لئے ان کو اس لقب خصوصی سے ملقب کیا گیا ورنہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ سے لے کر حضرت قائم آلِ محمدؐ عج علیہ السّلام تک سب کے سب متقین کے پیشوا اور ہادی ہیں۔ اور سب قرآن کے ساتھ ہیں نہ وہ قرآن سے جدا ہیں نہ قرآن ان سے جدا ہے اور تفسیر برہان میں کتب معتبرہ امامیہ سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ متقی ہمارے شیعہ ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ اس کو جملہ مستانفہ بھی کہا گیا ہے اور متقین کی صفت بھی کہا گیا ہے۔ بہر کیف یہ متقین کا بیان ہے اور اس میں متقین کی نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ یہاں غیب سے تین مطلب لئے جا سکتے ہیں۔ ۱۔ دل ۔ ۲۔ غائب ہونے کی حالت ۔ ۳۔ وہ اُمور جو حواسِ ظاہریہ کی پہنچ سے دُور ہیں۔

پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ متقی لوگ ہیں جو دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی ان کا ایمان صرف تلفظ لسانی اور اقرارِ زبانی نہیں ہوا کرتا بلکہ جس طرح وہ منہ سے اقرار کرتے ہیں اسی طرح اپنے دلوں میں اس کا اعتقاد یقین بھی رکھتے ہیں۔

دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو غائب ہونے کی حالت میں بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ تمہارے سامنے ہوں تو ایمان کا اظہار کریں اور غائب ہو جائیں تو اور اور باتیں کریں بلکہ پاس بیٹھے ہوں یا تنہائی میں ہوں کسی صورت میں ان کے ایمان میں لغزش نہیں آتی۔

تیسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو تمام ان چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جو خداوندِ کریم نے بزبانِ رسالت فرمائی ہیں گو وہ چیزیں اُن کے حواسِ ظاہریہ کے ادراک سے غائب ہیں مثلاً معراج کے واقعات قیامت کے مواقف جنّت و نار کے حالات انبیاء سابقین کی نبوت و رسالت اور ملائکہ کا وجود وغیرہ اور اس زمانہ میں خود نبوت و بعثت رسالت مآبؐ اور اس کے اوصیائے طاہرینؑ کی امامت بھی ان ہی اُمور میں داخل ہیں اور من جملہ ان اُمور کے حضرت حجت علیہ السّلام کا ظہور اور زمانِ رجعت بھی ہے چنانچہ آئمہ اہل بیتؑ سے بکثرت روایات موجود ہیں تبرکاً چند حدیثیں اس مقام پر ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ البرهان عن ابن بابویه عن ابی عبدالله فی قوله عزوجل اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ قَالَ مَنْ اٰمَنَ بِقِیَامِ الْقَائِمِ اَنَّهٗ حَقٌّ وَ فِیْ نُسْخَةٍ مَنْ اَقَرَّ بِقِیَامِ الْقَائِمِ علیه السّلام ۔ (ترجمہ) خداوندِ کریم کے

فرمان اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو قائم آلِ محمدؐ کی آمد پر ایمان لائیں اور اس کو حق سمجھیں اور بعض نسخوں میں ہے جو قیام حضرت قائمؑ کا اقرار کریں۔

۲۔ وعنہ فی حدیث قَالَ الْمُتَّقُوْنَ شِیْعَۃُ عَلِیٍّ وَالْغَیْبُ فَھُوَالْحُجَّۃُ الْغَائِبُ الخبر۔ (ترجمہ) نیز حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا متقی علیؑ کے شیعہ ہیں اور غیب سے مراد حضرت حجّت غائب ہے۔ الخبر۔

۳۔ وعنہ جابر بن عبداللہ الانصاری عن رسول اللہ فی حدیث یَذْکُرُ فِیْہِ الْاَئِمَّۃَ الْاِثْنَیْ عَشَرَ ... فِیْھِمُ الْقَائِمُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ طُوْبٰی لِلصَّابِرِیْنَ فِیْ غَیْبَتِہٖ طُوْبٰی لِلْمُقِیْمِیْنَ عَلٰی مُحَبَّتِھِمْ اُولٰٓئِکَ مَنْ وَصَفَھُمُ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ فَقَالَ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ثُمَّ قَالَ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ (ترجمہ) جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ ایک حدیث میں جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا جس میں بارہ اماموں کا ذکر فرمایا اور حضرت قائمؑ کا بھی اس میں نام لیا تو آپ نے فرمایا طوبیٰ ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کی غیبت میں صبر کریں اور طوبیٰ ہے ان لوگوں کے لئے جو ان کی محبّت پر ثابت قدم رہیں۔ خداوند کریم نے اپنی کتاب میں انہیں کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ پھر ارشاد فرمایا وہی اللہ کی فوج ہیں۔ اور آگاہ ہو تحقیق اللہ کی فوج ہی غلبہ حاصل کرنے والی ہے۔

وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ یہ متقین کی دوسری نشانی ہے یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو نماز کو ہمیشہ بروقت اور پوری حدود کے ساتھ خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں کیونکہ اقامت الصّلوٰۃ کے تین معانی بیان کئے گئے ہیں ۱۔ ہمیشہ ادا کرنا۔ ۲۔ پوری حدود و شرائط کے ساتھ ادا کرنا۔ ۳۔ بروقت ادا کرنا۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ یہ متقین کی تیسری نشانی ہے کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں یا ہمارے عطا کردہ علم سے لوگوں کو سکھاتے ہیں۔ گویا رزق سے مراد یہاں عام ہے خواہ مالی ہو خواہ بدنی ہو۔ خواہ علمی ہو۔ یعنی مالی رزق سے فقراء و مساکین کی خبر گیری کریں۔ لہٰذا زکوٰۃ و خمس اور دیگر تمام صدقات مالیہ واجبہ و مستحبہ اس میں داخل ہیں اور بدنی رزق سے ... محتاجوں کی امداد کریں۔ مثلاً بینا کو چاہیے کہ بوقت ضرورت نابینا کی دستگیری کرے۔ تندرست کو چاہیئے کہ بیمار کی عیادت تیمارداری کرے۔ قوی کو چاہیئے کہ ضعیف کی امداد کرے۔ صاحب اعضائے صحیحہ پر لازم ہے کہ بے دست و پا اپاہج لوگوں کی فریاد رسی کریں وعلیٰ ہذا القیاس۔ یہ نعمات بدنیہ اللہ کا عطا کردہ رزق ہیں ان کا خرچ یہی ہے کہ جو لوگ ان نعمات سے محروم ہیں ان کی امداد و اعانت کی جائے۔ اسی طرح علمی رزق کو بے علم لوگوں پر خرچ کرنا واجب ہے یعنی عالم کا فریضہ ہے کہ جاہل ...

ہے جن سے تم اپنا کلام مرکب کرتے ہو۔ اس کے حروف کوئی نئے نہیں۔ پس اگر اس کلام کو تم اللہ کا کلام نہیں مانتے تو انہی حروف سے تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لاؤ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ قسم کے لئے ہیں یعنی الف لام میم کی قسم اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

تفسیر صافی سے بحوالۂ تفسیر عیاشی حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میرے پاس حروفِ مقطعاتِ قرآنیہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ جملہ حروفِ مقطعاتِ قرآنیہ اسرار و رموز علومِ الٰہیہ کے خزانے ہیں جن کی صحیح خبر راسخون فی العلم کے علاوہ اور کسی کو نہیں اور یہ کہنا کہ سوائے اللہ کے اور کوئی جان ہی نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ نبیؐ و امام بھی اس سے بے خبر ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ ورنہ یہ کتاب ساری کی ساری ہدایت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس کے بعض کلمات کسی کی سمجھ میں ہی نہ آئیں اور پھر اس قسم کے الفاظ نازل کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے جس کا علم اس کے اپنے رسول کو بھی نہ ہو؟ پس جس طرح عموماً حبیب و محبوب کے باہمی مکالمات و مکاتیب ہیں بعض اس قسم کے اسرار و رموز ہوا کرتے ہیں جن کو غیر نہیں سمجھ سکتا یا یوں سمجھئے کہ جس طرح ایک افسرِ اعلیٰ اور حاکمِ بالا اپنے ماتحت افسر کو رعایا پر نافذ کرنے کے لئے چند احکام تحریر کرے اور چھٹی کے سرنامہ پر چند ایسے اشارات درج کر دے جن کا تعلق صرف اسی مکتوب الیہ افسر سے ہو اور ان اشارات میں چھٹی کے تمام مندرجہ احکام کے نافذ کرنے کی خصوصی ہدایات درج ہوں جن پر عوام کو مطلع کرنا مصلحتِ وقت کے خلاف ہو تو جب عوام کے سامنے وہ چھٹی آئے گی۔ یقیناً وہ سرنامے پر درج شدہ اشارات کو مہمل خطوط سمجھیں گے اور ذیل میں مندرجہ احکام کے صحیح فیصلہ وہ ہی افسر کر سکے گا جس کو وہ چھٹی بھیجی گئی تھی اور اشاراتِ خصوصی پر اسے مطلع کیا گیا تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس کا صحیح قائم مقام ان مندرجات کے صحیح نفاذ کا ذمہ دار ہوگا۔

اسی طرح مقطعاتِ قرآنیہ کے علوم حضرت محمد مصطفیٰؐ اور اس کی آلِ طاہرین ہی تک محدود ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں اس کا مضمون گذر چکا ہے اور وہی قرآنِ مجید کے جملہ مضامین کا صحیح حل سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے دروازہ سے یک سوئی ہی مسلمانوں کے اختلاف کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ پس جس طرح سلاطین دنیا کا یہی طرزِ عمل ہے کہ ان کی چٹھیاں دو حصوں پر منقسم ہوا کرتی ہیں ایک حصہ کا تعلق صرف مکتوب الیہ افسر سے ہوتا ہے جس میں عمومی احکام کے نافذ کرنے کے طریقے اور دیگر خصوصی ہدایات ہوتی ہیں اور دوسرے حصے کا تعلق عام رعایا سے ہوتا ہے لیکن دوسرے حصہ کو کما حقہٗ وہی سمجھ سکتا ہے جس کو پہلے حصے کا علم ہو اسی طرح قرآن مجید میں مقطعاتِ قرآنیہ کا علم انہی ذواتِ طاہرہ سے مختص ہے جن کو قرآن کا مبلّغ قرار دیا گیا ہے اور باقی قرآن کا تعلق پوری امت سے ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ قرآن پورے کا پورا ہدایت و رحمت ہے لیکن ہادی سے کنارا کشی اس کے صحیح مطالب سے دوری کی موجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے بار بار قرآن و اہل بیت ہر دو سے تمسک کی تاکید فرمائی۔ اور اس کے بغیر امت کی گمراہی کا خطرہ ظاہر فرمایا۔

علاوہ ازیں حروفِ مقطعات جن کی کل تعداد (چودہ ہے) کی صحیح ترتیب خود اس امر کی غماز ہے کہ ان کا علم آلِ محمدؑ تک ہی محدود ہے کیونکہ قرآن کے تمام حروف مقطعات کو جمع کر کے دوبارہ آنے والے حروف کو علیحدہ کیا جائے۔ تو بامعنی عبارت صرف یہ بنتی ہے صراطُ علی حق نمسکہ یا علی صراط حق نمسکہٗ۔ اس کے بغیر اور کوئی صحیح عبارت بن ہی نہیں سکتی۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ حروفِ تہجی الف لام میم وغیرہ سے مرکب کامل یہی کتاب ہے۔ ذرا بھر اس میں شک نہیں۔ یعنی اگر اس کی ترتیب و نظم و اسلوب بیان کا صحیح مطالعہ کیا جائے تو اس دعویٰ کی تصدیق میں کوئی شک نہیں رہتا اور پھر بھی اگر کوئی اس کتاب کو غیر اللہ کا کلام کہے تو انہی حروف سے اس جیسا کلام مرکب کر کے پیش کرے یا یہ وہ کتاب ہے جس کے متعلق انبیاء سابقین نے خبر دی تھی اور اس بات میں کوئی شک نہیں یا اللہ نے جس کتاب کے نازل فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا بلاشک وشبہ یہ وہی کتاب ہے یا یہ وہ پائدار کتاب ہے جو قابلِ تغیر و نسخ نہیں جس طرح کتبِ گذشتہ تھیں (یعنی ریب کنایہ نسخ سے ہو (تفسیر صدرا)) یا یہ وہ سچی کتاب ہے جس کی صداقت و حق بیانی میں قطعاً صاحبِ عقل سلیم کے لئے کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ یاد رہے کہ تحریف سے پہلے کتب سماویہ سابقہ کی بھی یہی صفت ہے کہ ان کی صدق بیانی میں کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں ہوتی لیکن اس مقام پر چونکہ قرآن مجید کے متعلق نزاع تھا لہٰذا اسی مقدس کتاب کو نفیٔ ریب سے مخصوص کیا گیا۔ حاصل معنی یہ ہے۔ یہ وہ کتاب کامل بلکہ اکمل ہے جس میں نہ کوئی لفظی یا معنوی نقص و عیب ہے جو موجبِ گرفت ہو اور نہ اس میں کوئی رخنہ ہے تاکہ قابلِ ترمیم ہو۔ اور نہ اس میں کوئی کمزوری ہے تاکہ قابل تغیر و نسخ ہو اور یہ جملہ تمام قرآنی مطالب کا موضوع بیان اور عنوان بحث کی حیثیت رکھتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ متقین کے لئے ہدایت ہے یا ہادی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب ہر شخص کے لئے منارِ ہدایت ہے لیکن چونکہ اس کی ہدایت سے نفع صرف متقی ہی اٹھاتے ہیں اس لئے ان کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا جس طرح جناب رسالتمآبؐ عالمین کے رسول تھے لیکن چونکہ اسلام لانے والوں نے ہی ان کی تبلیغات سے اثر لیا۔ لہٰذا مسلمانوں کے رسول کہلاتے ہیں۔ یعنی فیضِ قرآن اگرچہ عام ہے لیکن قبول کرنے والوں سے منسوب کر دیا جائے تو اس میں حرج بھی کوئی نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جسمانی امراض کے علاج کے لئے جو شفاخانہ جات اور ڈاکٹر مقرر کئے جاتے ہیں۔ وہ تمام بیماروں کے لئے یکساں طور پر مفید و کارآمد ہوتے ہیں لیکن اگر مریض ان کے قریب تک نہ جائے یا جا کر مقررہ علاج سے گریز کرے یا ڈاکٹر کے مشوروں پر عمل نہ کرے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ شفاخانہ یا دوا یا ڈاکٹر اس مریض کے لئے مفید نہ تھا لیکن اس صورت میں اگر کہا جائے کہ وہ صرف ان لوگوں کے لئے کارآمد ہیں جنہوں نے اس شفاخانہ میں داخل ہو کر ڈاکٹر کی تشخیص و مشورہ کے مطابق ادویہ جات کا استعمال کیا تو یہ بات اس شفاخانے یا ادویہ یا ڈاکٹر کے عمومی فائدہ مند ہونے کے منافی نہیں اسی طرح روحانی امراض کیلئے بھی دائرہ اسلام شفاخانہ اور جناب رسالتمآبؐ اور اس کی آلِ طاہرینؑ معالج اور احکامِ قرآنیہ ادویہ جات ہیں اور ان کی افادیت عالمین کے لئے یکساں ہے پس اس روحانی شفاخانہ

(دائرہ اسلام) میں داخل نہ ہونا یا داخل ہوکر اس کے حقیقی معالجین یعنی محمدؐ و آل محمدؐ کو نہ پہچاننا یا ان کی فرمائشات سے انحراف کرنا نہ قرآن کی عالمی ہدایت کے منافی ہے اور نہ مبلغین قرآن کی عالمی تبلیغ پر حرف زنی کا موجب ہے پس قرآن جس طرح ہدایت کل تھا لیکن صرف متقین نے ہی اس سے فائدہ اٹھایا لہذا اس کو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کہا گیا۔ اسی طرح جناب رسالت مآبؐ کے بعد مبلغ قرآن حضرت علی علیہ السّلام امام الخلق تھے لیکن ان کو صرف متقین نے ہی امام تسلیم کیا لہذا ان کا لقب امام المتقین ہوگیا اور چونکہ اسلام اور قرآن کے ذمہ دار افراد میں سب سے زیادہ اور اہم اختلاف صرف حضرت علی علیہ السّلام کی ذات بابرکات میں ہے۔ اسی لئے ان کو اس لقب خصوصی سے ملقب کیا گیا ورنہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ سے لے کر حضرت قائم آل محمدؐ عج علیہ السّلام تک سب کے سب متقین کے پیشوا اور ہادی ہیں۔ اور سب قرآن کے ساتھ ہیں نہ وہ قرآن سے جدا ہیں نہ قرآن ان سے جدا ہے اور تفسیر برہان میں کتب معتبرہ امامیہ سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ متقی ہمارے شیعہ ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ اس کو جملہ مستانفہ بھی کہا گیا ہے اور متقین کی صفت بھی کہا گیا ہے۔ بہرکیف یہ متقین کا بیان ہے اور اس میں متقین کی نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ یہاں غیب سے تین مطلب لئے جاسکتے ہیں۔ ۱۔ دل ۲۔ غائب ہونے کی حالت ۳۔ وہ اُمور جو حواس ظاہریہ کی پہنچ سے دُور ہیں۔

پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ متقی لوگ ہیں جو دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی ان کا ایمان صرف تلفظ لسانی اور اقرار زبانی نہیں ہوا کرتا بلکہ جس طرح وہ منہ سے اقرار کرتے ہیں اسی طرح اپنے دلوں میں اس کا اعتقاد و یقین بھی رکھتے ہیں۔

دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو غائب ہونے کی حالت میں بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ تمہارے سامنے ہوں تو ایمان کا اظہار کریں اور غائب ہوجائیں تو اور اور باتیں کریں بلکہ پاس بیٹھے ہوں یا تنہائی میں ہوں کسی صورت میں ان کے ایمان میں لغزش نہیں آتی۔

تیسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو تمام ان چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جو خداوند کریم نے بزبان رسالت فرمائی ہیں گو وہ چیزیں اُن کے حواس ظاہریہ کے ادراک سے غائب ہیں مثلاً معراج کے واقعات قیامت کے مواقف جنت و نار کے حالات انبیاء سابقین کی نبوت و رسالت اور ملائکہ کا وجود وغیرہ اور اس زمانہ میں خود نبوت و بعثت رسالت مآبؐ اور اس کے اوصیائے طاہرینؑ کی امامت بھی ان ہی اُمور میں داخل ہیں اور من جملہ ان اُمور کے حضرت حجت علیہ السّلام کا ظہور اور زمان رجعت بھی ہے چنانچہ آئمہ اہل بیتؑ سے بکثرت روایات موجود ہیں تبرکاً چند حدیثیں اس مقام پر ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ البرھان عن ابن بابویہ عن ابی عبداللہ فی قولہ عزوجل اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ قَالَ مَنْ اٰمَنَ بِقِیَامِ الْقَائِمِ اَنَّہٗ حَقٌّ وَ فِیْ نُسْخَۃٍ مَنْ اَقَرَّ بِقِیَامِ الْقَائِمِ علیہ السّلام۔ (ترجمہ) خداوند کریم کے

فرمان اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو قائم آلِ محمدؐ کی آمد پر ایمان لائیں اور اس کو حق سمجھیں اور بعض نسخوں میں ہے جو قیام حضرت قائمؑ کا اقرار کریں۔

۲۔ وعنه فی حدیث قَالَ اَلْمُتَّقُوْنَ شِيْعَةُ عَلِيٍّ وَالْغَيْبُ فَهُوَ الْحُجَّةُ الْغَائِبُ الخبر۔ (ترجمہ) نیز حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا متقی علیؑ کے شیعہ ہیں اور غیب سے مراد حضرت حجّت غائب ہے۔ الخبر۔

۳۔ وعنه جابر بن عبدالله الانصاری عن رسول الله فی حدیث يَذْكُرُ فِيْهِ الْاَئِمَّةَ الْاِثْنَيْ عَشَرَ وَ فِيْهِمُ الْقَائِمُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ طُوْبٰى لِلصَّابِرِيْنَ فِيْ غَيْبَتِهٖ طُوْبٰى لِلْمُقِيْمِيْنَ عَلٰى مُحَبَّتِهِمْ اُولٰٓئِكَ مَنْ وَصَفَهُمُ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ فَقَالَ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ثُمَّ قَالَ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ (ترجمہ) جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ ایک حدیث میں جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا جس میں بارہ اماموں کا ذکر فرمایا اور حضرت قائمؑ کا بھی اس میں نام لیا تو آپ نے فرمایا طوبیٰ ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کی غیبت میں صبر کریں اور طوبیٰ ہے ان لوگوں کے لئے جو ان کی محبّت پر ثابت قدم رہیں۔ خداوند کریم نے اپنی کتاب میں انہیں کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔ پھر ارشاد فرمایا وہی اللہ کی فوج ہیں۔ اور آگاہ ہو تحقیق اللہ کی فوج ہی غلبہ حاصل کرنے والی ہے۔

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ یہ متقین کی دوسری نشانی ہے یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو نماز کو ہمیشہ بروقت اور پوری حدود کے ساتھ خشوع وخضوع سے ادا کرتے ہیں کیونکہ اقامت الصّلوٰۃ کے تین معانی بیان کئے گئے ہیں ۱۔ ہمیشہ ادا کرنا۔ ۲۔ پوری حدود وشرائط کے ساتھ ادا کرنا۔ ۳۔ بروقت ادا کرنا۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ یہ متقین کی تیسری نشانی ہے کہ ہمارے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں یا ہمارے عطا کردہ علم سے لوگوں کو سکھاتے ہیں۔ گویا رزق سے مراد یہاں عام ہے خواہ مالی ہو خواہ بدنی ہو۔ خواہ علمی ہو یعنی مالی رزق سے فقراء و مساکین کی خبرگیری کریں۔ لہذا زکوٰۃ و خمس اور دیگر تمام صدقات مالیہ واجبہ و مستحبہ اس میں داخل ہیں اور بدنی رزق سے بھی محتاجوں کی امداد کریں۔ مثلاً بینا کو چاہیے کہ بوقت ضرورت نابینا کی دستگیری کرے۔ تندرست کو چاہیئے کہ بیمار کی عیادت و تیمارداری کرے۔ قوی کو چاہیئے کہ ضعیف کی امداد کرے۔ صاحب اعضائے صحیحہ پر لازم ہے کہ بے دست و پا اپاہج لوگوں کی فریادرسی کریں وعلیٰ ہذا القیاس۔ یہ نعمات بدنیہ اللہ کا عطا کردہ رزق ہیں ان کا خرچ یہی ہے کہ جو لوگ ان نعمات سے محروم ہیں ان کی امداد و اعانت کی جائے۔ اسی طرح علمی رزق کو بے علم لوگوں پر خرچ کرنا واجب ہے یعنی عالم کا فریضہ ہے کہ جہلاء کو علوم واجبہ شرعیہ کی تعلیم دے۔ عبادات میں سے متقین کی نشانیاں صرف یہی دو بیان فرمائیں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جملہ عبادات

سے یہ دو باتیں اہم ترین ہیں بلکہ جو شخص ان دو عبادتوں کو اپنے پورے حدود و شرائط کے ساتھ ادا کرے تو باقی تمام واجبات ان کے اندر آجاتے ہیں اور تمام گناہوں سے وہ خود بخود کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صحیح معیار پر نماز کا قائم کرنا جملہ حقوق اللہ کے ادا کرنے کی دعوت دیتا ہے اور رزق خدا سے صحیح خرچ کرنا جملہ حقوق العباد میں تصرف بے جا سے بچاتا ہے پس ان دو عبادتوں کی صحیح ادائیگی تمام واجبات فرعیہ کی ادائیگی کی تفصیلی دعوت ہے اور ان دو کا ترک تمام محرمات شرعیہ کا پیش خیمہ ہے اس لئے متقین کی عملی زندگی میں ان دو عبادتوں کو خصوصیت سے ذکر کر دیا گیا۔

**نتیجہ** ۔ قرآن ہدایت ہے متقین کے لئے یعنی قرآن سے صحیح تمسک وہی رکھتے ہیں جو متقی ہیں۔ اسی طرح اہل بیت علیہم السّلام آئمہ ہیں متقین کے یعنی اہل بیتؑ سے صحیح تمسک وہی رکھتے ہیں جو متقی ہوں تو معلوم ہوا کہ قرآن و اہل بیتؑ ہر دو سے صحیح تمسک رکھنے والے ہی متقی ہوتے ہیں۔ اور متقین کی نشانیاں یہ ہیں جو خداوند کریم نے بیان فرمائی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ صرف زبانی دعویٰ قرآن و اہلبیتؑ سے تمسک کرنے کا کافی نہیں۔ جب تک عملی تصدیق ساتھ نہ ہو۔

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ ۔ متقین کی چوتھی علامت یہ ہے کہ آپؐ پر نازل شدہ چیز یعنی قرآن مجید اور اس کے جملہ احکام پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ اور آپ سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئی ہیں ان پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

وَبِالۡاٰخِرَۃِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ۔ اور متقین کی پانچویں نشانی یہ ہے کہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ۔ یہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت پر ہیں یعنی متقین جن کی پانچ علامتیں مذکور ہوئی ہیں قرآنی ہدایت پر عمل کرنے والے یہی لوگ ہیں۔

وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۔ اور بروز قیامت یہی رستگاری حاصل کرنے والے ہیں۔

## مزید وضاحت

نوع انسان مزاج کے اختلاف کی بنا پر تین قسموں پر ہے۔ منصف مزاج۔ ضدی مزاج اور متلوّن مزاج۔

۱۔ **منصف مزاج** ۔ جو بات کو سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور پرکھ کر اچھی چیز کو اپناتے ہیں اور بری چیز سے دور ہو جاتے ہیں یعنی حق کو لے لیتے ہیں اور باطل کو ٹھکرا دیتے ہیں۔

۲۔ **ضدی مزاج** ۔ وہ جو کسی کی سنتے نہیں یا سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے یا پھر پرکھ نہیں کرتے یا سننے سمجھنے پرکھنے کے بعد بھی باطل کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ ان کا نظریہ صرف یہی ہوتا ہے کہ جو کچھ اپنا خیال ہے خواہ درست خواہ غلط بس اسی پر ہی رہنا ہے اور دوسرے نظریہ کا خواہ حق ہی ہو۔ ہر ممکن طریقہ سے مقابلہ کرنا ہے پس اس مزاج کے انسان دوسرے کے نظریہ کے مقابلہ کرنے کے لئے دلیل و برہان یا کسی دوسرے معقول فیصلے کو قطعاً اہمیت نہیں دیتے بلکہ ہنگامہ آرائی ہی ان کا آخری ہتھیار اور تلث ردّ

ہی اُن کا آلہ کار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ معقول فیصلہ ہمیں اپنے مسلک سے دست برداری پر آمادہ کرے گا جس کو وہ کسی قیمت پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

۳۔ متلوّن مزاج۔ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کو تماشائی صورت میں بسر کرنا اپنی کامیابی سمجھتے ہیں وہ حق والوں کے بھی دوست اور باطل پرستوں کے بھی ہمنوا ہوتے ہیں۔ نہ ان کی دل شکنی کرتے ہیں اور نہ ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ گویا ان کے پاس ہوں تو ان کے اور اُن کے پاس ہوں تو اُن کے ہو جایا کرتے ہیں۔ پس قرآن مجید کا پُر از حکمت کلام پہلے پہل ان ہر سہ قسم کے لوگوں کے نظریات و اعمال کی وضاحت کرتا ہے۔ پہلی قسم کو متّقین سے تعبیر فرمایا اور دوسری قسم والوں کو کفر کی صفت سے ذکر کیا اور تیسری قسم کے صرف اوصاف و علامات کا ذکر فرمایا اور اصطلاحِ قرآن میں اس قسم کو منافقین کہا جاتا ہے۔ پس قرآن مجید اگرچہ تمام نوعِ انسان کے لئے باعثِ ہدایت ہے لیکن پہلی قسم کے لوگ ہی اس سے نفع اُٹھاتے ہیں۔ پس وہی مومن و متقی کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور قرآنی ہدایت چونکہ صرف انہی کے کام آتی ہے۔ لہٰذا قرآن کو ھُدًی لِلْمُتَّقِیْن کہا اور دوسری قسم والے چونکہ قرآن کی فرمائشات کو ٹھکرا دیتے ہیں خواہ ان کو ہزار سمجھایا جائے وہ ہرگز اس کو قبول کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے پس ان کو کافر کہا گیا کیونکہ کفر کا معنی ہے انکار اور تیسری قسم کو منافق کہا گیا کیونکہ نفاق کا معنی ہے مقبولیّت عام چونکہ وہ اپنی دوطرفی پالیسی سے اپنی مقبولیت عامہ چاہتے ہیں لہٰذا ان کو منافق کہا گیا۔

## مسئلہ قضاء و قدر

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ (مہر لگا دی اللہ نے اُن کے دلوں پر) یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیات سے بعض لوگ اس اشتباہ میں مبتلا ہیں کہ کافر کے دل پر جب اللہ نے مہر کر دی ہے تو وہ اب اپنے اعمال میں مجبور ہے۔ جس طرح کہ مومن مہر کفر نہ ہونے کی وجہ سے نیکی کرنے پر مجبور ہے اور اُمّتِ اسلامیہ میں یہ مسئلہ انتہائی انتشار و تشویش کا موجب بنا آرہا ہے۔ ہر دور میں عُلما نے اس مسئلہ پر اپنی اپنی حیثیت سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ اہلِ قلم نے اس مسئلہ پر اپنی تحقیقات کے طومار لکھ دیے لیکن اکثریت آرائے فاسدہ و اوہام کاسدہ کی اتباع میں راہِ مستقیم سے کوسوں دُور رہی۔ اور اس مسئلہ میں رُوح تسکین و اطمینان سے وہی بہرہ وَر ہوئے جنہوں نے ابوابِ مدینہ علمِ رسالت پر جبہ سائی کی اور شناورانِ دریائے حقیقت سے معارف و حقائق کا درس لیا۔

اِس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ خداوندِ کریم خلقتِ موجُودات سے پیشتر تمام ہونے والی مخلوق خواہ مادی ہو یا مجرد علوی ہو یا سفلی عرشی یا فرشی، نوری یا ناری اور جنّتی یا دوزخی کے تمام جزوی و کلی حالات کو ازل سے جانتا ہے اور ابدالآباد تک ہونے والے سب واقعات روزِ اوّل سے اس کو بیک وقت معلوم ہیں۔ نیکوں کی نیکیاں۔ بُروں کی بُرائیاں۔ ظالم کا ظلم اور مظلوم کی مظلُومی۔ حتیٰ کہ سب حوادثِ تفصیلیہ ازل سے اُس کے علم میں ہیں۔ اس نے اِن صفات سے متصف ہونے والی مخلوق کو اپنے ارادہ ازلیہ سے اور قدرتِ کاملہ سے خلق فرمایا اور اس تخلیق میں وہ مجبُور نہیں بلکہ اپنے اختیار سے ایسا کیا ابلیس اور اس کے پیرو اور اُن کی تخریبات جو

عالمِ موجودات میں ہونے والی تھیں سب کو پہلے سے جانتا تھا اور اپنے ارادہ کاملہ سے ان کو اسی طرح علی الترتیب خلق فرمایا جس طرح اس کے علم میں تھا اور اُن کے بالمقابل اپنے ... انبیاء و رسل وغیرہ اور اُن کے اطاعت گذاروں کو بھی اپنے علمِ سابق کی بنا پر ترتیب وار منصۂ شہود پر جلوہ افروز فرمایا پس ان سب ہونے والے واقعات کے علم سابق کا نام ہے قضا اور اسی ترتیب سے علل و اسباب کی وساطت سے ترتیب وار تمام موجودات کو خلعتِ وجود عطا کرنے کا نام ہے قدر۔

بعض لوگوں نے صرف قضاء کو لے لیا ہے اور قدر کو ترک کر دیا ہے وہ جبریہ کہلاتے ہیں۔

اور جنہوں نے قدر کو لے لیا اور قضاء سے غافل ہوئے ان کو قدریہ کہا جاتا ہے۔

جبریہ۔ کا اعتقاد ہے کہ مخلوق کے جملہ افعال اچھے یا بُرے خداوندکریم کے علمِ ازلی میں موجود ہیں۔ لہٰذا کوئی انسان اس علمِ ازلیٔ الٰہی کے خلاف تو کر نہیں سکتا ورنہ اللہ کے علم میں خطا لازم آئے گی لہٰذا انسان اپنے افعال میں مجبور ہے۔ اور تمام نیک و بد اعمال اللہ ہی کی جانب سے ہیں۔

قدریہ کا عقیدہ ہے کہ چونکہ موجوداتِ عالم علل و اسباب کے ماتحت ہیں اور کوئی شئے بغیر اسباب کے ہو نہیں سکتی۔ لہٰذا انسان اپنے افعال میں مختارِ کل ہے۔ اچھے اسباب کا نتیجہ اچھا اور بُرے اسباب کا نتیجہ بُرا ہونا یقینی ہے اور اسباب کی اچھائی یا بُرائی انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔

گویا جبریہ قضاء کے معنی کا تصور کر کے علل و اسباب کو بھول جاتے ہیں اور قدریہ علل و اسباب پر نظر رکھ کر قضاء کو فراموش کر دیتے ہیں۔ احادیث میں ان ہر دو فرقوں پر قدریہ کی لفظ عام طور پر استعمال کی گئی ہے۔ جیسا کہ شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ نے سفینۃ البحار میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے جیسا کہ تفسیر صدرا میں ہے۔

۱۔ القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ۔ (قدریہ اس اُمّت کے مجوسی ہیں۔)

۲۔ وفیہ لَعَنَ اللّٰہُ الْقَدَرِیَّۃَ عَلٰی لِسَانِ سَبْعِیْنَ نَبِیًّا قِیْلَ وَمَنِ الْقَدَرِیَّۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ قَوْمٌ یَزْعُمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ قَدَّرَ عَلَیْھِمُ الْمَعَاصِیَ (ترجمہ، خدا نے ستّر نبیوں کی زبانی قدریہ فرقہ پر لعنت بھیجی ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ حضور! قدریہ کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا نے ہمارے لئے گناہ مقدر کر دیئے ہیں۔

۳۔ وفیہ ایک شخص جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں آیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو نے جو انوکھی چیز دیکھی ہو مجھے بیان کر اس نے عرض کی کہ میں نے ایک قوم دیکھی ہے جو اپنی ماؤں بہنوں سے نکاح کرتے ہیں جب ان کو کہا جائے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو جواب میں کہتے ہیں کہ خدا کی قضا و قدر ایسی ہے۔ یعنی خدا نے ہمارے لئے یہی مقدّر کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میری اُمّت میں بھی اس قسم کے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی باتیں کریں گے اور وہ میری اُمّت کے مجوسی ہوں گے۔

۴۔ وفیہ جابر بن عبداللہ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایک قوم پیدا ہوگی جو گناہ کریں گے اور کہیں گے کہ خدا کی تقدیر ایسی تھی پس ان کی تردید کرنا اللہ کی راہ میں تلوار سے جہاد کرنے کے برابر ہے۔

ظاہر ہے کہ ان احادیث میں قدریہ سے مُراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو افعال میں مجبور سمجھتے ہیں۔

سفینۃ البحار میں امام رضا علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السّلام نے اس آیت کو پڑھا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءً فَلَا مَرَدَّ لَہٗ اور فرمایا قدریہ فرقہ اپنے مذہب کے اثبات کے لئے اس آیت کے پہلے حصّہ کو پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ بعد میں ارشاد ہے وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءً فَلَا مَرَدَّ لَہٗ مقصد یہ ہے کہ آیت کے پہلے حصّہ میں انسان کا مختار ہونا ثابت ہے اور آخری حصّہ میں ارادۂ ازلیۂ الٰہیہ کی حکومت ثابت ہے۔ آیت کا مرادی معنی یہ ہے کہ خداوند کریم کسی قوم کی نعمات کو زائل نہیں کرتا یعنی ان پر عذاب نہیں کرتا جب تک کہ اپنے نفسوں کے اعمال سے زوال نعمت کے وہ مستحق نہ ہو جائیں۔ اور جب خدا کسی قوم پر عذاب کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ یعنی خداوند کریم نے عالمِ ظاہر میں اشیاء کو اسباب سے وابستہ کر دیا ہے اور ان اسباب کے صحیح و غلط استعمال میں انسان کو پورا پورا اختیار دے رکھا ہے۔ نیک اعمال کو سببِ نجات اور بد اعمال کو سببِ عذاب قرار دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان ان کی بجا آوری میں قطعاً مجبور نہیں بلکہ مختارِ کل ہے لیکن اُدھر اُس کے علمِ ازلی میں یہ ثابت ہے کہ فلاں نیک عمل کرکے ناجی ہوگا اور فلاں بد اعمال کی بدولت مستحق عذاب ہوگا تو پس جس کی نیک اعمالی کے لئے خدا کا ارادہ ازلیہ ثابت ہے تو دنیا میں اس سے نیکی ہی ہوگی اور علم ازلی الٰہی میں جس کا بد اعمال ہونا ثابت ہے وہ دنیا میں بد اعمال ہی ہوگا اور مستحق عذاب ہوگا پس آیت کا مطلب یہی ہے کہ دنیا میں بغیر اسبابِ ظاہریہ عذاب کے عذاب نہیں ہوتا۔ اور خدا کسی قوم پر بغیر ان کے استحقاق کے عذاب نہیں کرتا لیکن جن کے متعلق ارادۂ ازلیہ میں عذاب کا استحقاق موجود ہے انہوں نے دنیا میں اسباب ہی ایسے پیدا کرنے ہیں جن کی بدولت وہ اپنے اختیار سے عذاب کے سزاوار ہوں گے اور اس اَمر کو کوئی ٹال سکتا ہی نہیں کیونکہ خدا کے علم ازلی میں خطا و غلطی کا امکان ہی نہیں ہو سکتا اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کے علم ازلی کے ماتحت انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے کیونکہ اس کا علم انسان کے اختیار میں کوئی پابندی نہیں لاتا۔

پس قضا و قدر بھی حق ہے اور انسان کا اختیار بھی ثابت ہے چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔

مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَآئِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَآئِیْ فَلْیَعْبُدْ رَبًّا سِوَایَ وَلْیَخْرُجْ مِنْ اَرْضِیْ وَسَمَآئِیْ

(ترجمہ) جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو اور میری آزمائشات پر صابر نہ ہو تو پس کسی اور رب کی عبادت کرے اور میرے آسمان و زمین سے نکل جائے۔

عقیدہ جبریہ کی تردید۔ کافی باب الجبر والقدر سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ جنگِ صفین سے واپسی کے بعد کوفہ میں

سے یہ دو باتیں اہم ترین ہیں بلکہ جو شخص ان دو عبادتوں کو اپنے پورے حدود و شرائط کے ساتھ ادا کرے تو باقی تمام واجبات ان کے اندر آجاتے ہیں اور تمام گناہوں سے وہ خود بخود کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صحیح معیار پر نماز کا قائم کرنا جملہ حقوق اللہ کے ادا کرنے کی دعوت دیتا ہے اور رزقِ خدا سے صحیح خرچ کرنا جملہ حقوق العباد میں تصرفِ بے جا سے بچاتا ہے پس ان دو عبادتوں کی صحیح ادائیگی تمام واجباتِ فرعیہ کی ادائیگی کی تفصیلی دعوت ہے اور ان دو کا ترک تمام محرماتِ شرعیہ کا پیش خیمہ ہے اس لئے متقین کی عملی زندگی میں ان دو عبادتوں کو خصوصیت سے ذکر کر دیا گیا۔

**نتیجہ** ۔ قرآن ہدایت ہے متقین کے لئے یعنی قرآن سے صحیح تمسک وہی رکھتے ہیں جو متقی ہیں۔ اسی طرح اہل بیت علیہم السّلام آئمہ ہیں متقین کے یعنی اہل بیتؑ سے صحیح تمسک وہی رکھتے ہیں جو متقی ہوں تو معلوم ہوا کہ قرآن و اہل بیتؑ ہر دو سے صحیح تمسک رکھنے والے ہی متقی ہوتے ہیں، اور متقین کی نشانیاں یہ ہیں جو خداوندِ کریم نے بیان فرمائی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ صرف زبانی دعویٰ قرآن و اہلبیتؑ سے تمسک کرنے کا کافی نہیں۔ جب تک عملی تصدیق ساتھ نہ ہو۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ۔ متقین کی چوتھی علامت یہ ہے کہ آپؐ پر نازل شدہ چیز یعنی قرآن مجید اور اس کے جملہ احکام پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور آپ سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئی ہیں ان پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۔ اور متقین کی پانچویں نشانی یہ ہے کہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۔ یہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت پر ہیں یعنی متقین جن کی پانچ علامتیں مذکور ہوئی ہیں قرآنی ہدایت پر عمل کرنے والے یہی لوگ ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ اور بروز قیامت یہی رستگاری حاصل کرنے والے ہیں۔

**مزید وضاحت**

نوعِ انسان مزاج کے اختلاف کی بنا پر تین قسموں پر ہے۔ منصف مزاج ۔ ضدی مزاج اور متلوّن مزاج۔

۱۔ **منصف مزاج** ۔ جو بات کو سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور پرکھ کر اچھی چیز کو اپناتے ہیں اور بری چیز سے دور جاتے ہیں یعنی حق کو لے لیتے ہیں اور باطل کو ٹھکرا دیتے ہیں۔

۲۔ **ضدی مزاج** ۔ وہ جو کسی کی سنتے نہیں یا سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے یا پھر پرکھ نہیں کرتے یا سننے سمجھنے پرکھنے کے بعد بھی باطل کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ ان کا نظریہ صرف یہی ہوتا ہے کہ جو کچھ اپنا خیال ہے خواہ درست خواہ غلط بس اسی پر ہی رہنا ہے اور دوسرے نظریہ کا خواہ حق ہی ہو۔ ہر ممکن طریقہ سے مقابلہ کرتا ہے پس اس مزاج کے انسان دوسرے کے نظریہ کے مقابلہ کرنے

ہی اُن کا آلہ کار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ معقول فیصلہ ہمیں اپنے مسلک سے دست برداری پر آمادہ کرے گا جس کو وہ کسی قیمت پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

۳۔ متلوّن مزاج۔ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کو منافقانہ صورت میں بسر کرنا اپنی کامیابی سمجھتے ہیں وہ حق والوں کے بھی دوست اور باطل پرستوں کے بھی ہمنوا ہوتے ہیں۔ نہ ان کی دل شکنی کرتے ہیں اور نہ ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ گویا ان کے پاس ہوں تو ان کے اور اُن کے پاس ہوں تو اُن کے ہو جایا کرتے ہیں۔ پس قرآن مجید کا پُر از حکمت کلام پہلے پہل ان ہر سہ قسم کے لوگوں کے نظریات و اعمال کی وضاحت کرتا ہے۔ پہلی قسم کو متّقین سے تعبیر فرمایا اور دوسری قسم والوں کو کفر کی صفت سے ذکر کیا اور تیسری قسم کے صرف اوصاف و علامات کا ذکر فرمایا اور اصطلاحِ قرآن میں اس قسم کو منافقین کہا جاتا ہے۔ پس قرآن مجید اگرچہ تمام نوعِ انسان کے لئے باعثِ ہدایت ہے لیکن پہلی قسم کے لوگ ہی اس سے نفع اُٹھاتے ہیں۔ پس وہی مومن و متقی کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور قرآنی ہدایت چونکہ صرف انہی کے کام آتی ہے۔ لہٰذا قرآن کو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْن کہا اور دوسری قسم والے چونکہ قرآن کی فرمائشات کو ٹھکرا دیتے ہیں خواہ ان کو ہزار سمجھایا جائے وہ ہرگز اس کو قبول کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے پس ان کو کافر کہا گیا کیونکہ کفر کا معنی ہے انکار اور تیسری قسم کو منافق کہا گیا کیونکہ نفاق کا معنی ہے مقبولیت عامہ چونکہ وہ اپنی دوطرفی پالیسی سے اپنی مقبولیت عامہ چاہتے ہیں لہٰذا ان کو منافق کہا گیا۔

## مسئلہ قضاء و قدر

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ۔ (مہر لگا دی اللہ نے اُن کے دلوں پر) یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیات سے بعض لوگ اس اشتباہ میں مبتلا ہیں کہ کافر کے دل پر جب اللہ نے مہر کر دی ہے تو وہ اب اپنے اعمال میں مجبور ہے۔ جس طرح کہ مومن مہر کفر نہ ہونے کی وجہ سے نیکی کرنے پر مجبور ہے اور اُمّتِ اسلامیہ میں یہ مسئلہ انتہائی انتشار و تشویش کا موجب بنا آرہا ہے۔ ہر دور میں عُلما نے اس مسئلہ پر اپنی اپنی حیثیت سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ اہل قلم نے اس مسئلہ پر اپنی تحقیقات کے طومار لکھ دیے لیکن اکثریت آرائے فاسدہ و اوہام کاسدہ کی اتباع میں راہِ مستقیم سے کوسوں دُور رہی۔ اور اس مسئلہ میں رُوحِ تسکین و اطمینان سے وہی بہرہ وَر ہوئے جنہوں نے ابوابِ مدینۂ علمِ رسالت پر جبہ سائی کی اور شناورانِ دریائے حقیقت سے معارف و حقائق کا درس لیا۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ خداوندِ کریم خلقتِ موجودات سے پیشتر تمام ہونے والی مخلوق خواہ مادی ہو یا مجرد علوی ہو یا سفلی عرشی یا فرشی، نوری یا ناری اور جنّتی یا دوزخی کے تمام جزوی و کلی حالات کو ازل سے جانتا ہے اور ابدالآباد تک ہونے والے سب واقعات روزِ اوّل سے اس کو بیک وقت معلوم ہیں۔ نیکوں کی نیکیاں۔ بُروں کی بُرائیاں۔ ظالم کا ظلم اور مظلوم کی مظلومی۔ حتّٰی کہ سب حوادثِ تفصیلیہ ازل سے اُس کے علم میں ہیں۔ ... اس نے اِن صفات سے متصف ہونے والی مخلوق کو اپنے ارادہ ازلیہ سے اور قدرتِ کاملہ سے خلق فرمایا اور اس تخلیق میں وہ مجبور نہیں بلکہ اپنے اختیار سے ایسا کیا ابلیس اور اس کے پیرو اور اُن کی تخریبات جو

عالمِ موجودات میں ہونے والی تھیں سب کو پہلے سے جانتا تھا اور اپنے ارادہ کاملہ سے ان کو اسی طرح علی الترتیب خلق فرمایا جس طرح اس کے علم میں تھا اور اُن کے بالمقابل اپنے [illegible] انبیاء و رسل وغیرہ اور اُن کے اطاعت گذاروں کو بھی اپنے علمِ سابق کی بنا پر ترتیب وار منصۂ شہود پر جلوہ افروز فرمایا پس ان سب ہونے والے واقعات کے علمِ سابق کا نام ہے قضا اور اسی ترتیب سے علل واسباب کی وساطت سے ترتیب وار تمام موجودات کو خلعتِ وجود عطا کرنے کا نام ہے قدر۔

بعض لوگوں نے صرف قضاء کو لے لیا ہے اور قدر کو ترک کر دیا ہے وہ جبریہ کہلاتے ہیں۔

اور جنہوں نے قدر کو لے لیا اور قضاء سے غافل ہوئے ان کو قدریہ کہا جاتا ہے۔

جبریہ۔ کا اعتقاد ہے کہ مخلوق کے جملہ افعال اچھے یا بُرے خداوند کریم کے علمِ ازلی میں موجود ہیں۔ لہٰذا کوئی انسان اس علمِ ازلیٔ الٰہی کے خلاف تو کر نہیں سکتا ورنہ اللہ کے علم میں خطا لازم آئے گی لہٰذا انسان اپنے افعال میں مجبور ہے۔ اور تمام نیک و بد اعمال اللہ ہی کی جانب سے ہیں۔

قدریہ کا عقیدہ ہے کہ چونکہ موجوداتِ عالم علل واسباب کے ماتحت ہیں اور کوئی شے بغیر اسباب کے ہو نہیں سکتی۔ لہٰذا انسان اپنے افعال میں مختارِ کل ہے۔ اچھے اسباب کا نتیجہ اچھا اور بُرے اسباب کا نتیجہ بُرا ہونا یقینی ہے اور اسباب کی اچھائی یا بُرائی انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔

گویا جبریہ قضاء کے معنی کا تصور کر کے علل واسباب کو بھول جاتے ہیں اور قدریہ علل واسباب پر نظر رکھ کر قضاء کو فراموش کر دیتے ہیں۔ احادیث میں ان ہر دو فرقوں پر قدریہ کی لفظ عام طور پر استعمال کی گئی ہے۔ جیسا کہ شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ نے سفینۃ البحار میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے جیسا کہ تفسیر صدرا میں ہے۔

۱۔ القدریۃ مجوس هذه الامة۔ (قدریہ اس اُمت کے مجوسی ہیں۔

۲۔ وفیہ لَعَنَ اللّٰهُ الْقَدَرِيَّةَ عَلٰى لِسَانِ سَبْعِيْنَ نَبِيًّا قِيْلَ وَمَنِ الْقَدَرِيَّةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قَوْمٌ يَزْعُمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ قَدَّرَ عَلَيْهِمُ الْمَعَاصِيْ (ترجمہ، خدا نے ستر نبیوں کی زبانی قدریہ فرقہ پر لعنت بھیجی ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ حضور! قدریہ کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا نے ہمارے لئے گناہ مقدر کر دیئے ہیں۔

۳۔ وفیہ ایک شخص جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں آیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو نے جو انوکھی چیز دیکھی ہو مجھے بیان کر اس نے عرض کی کہ میں نے ایک قوم دیکھی ہے جو اپنی ماؤں بہنوں سے نکاح کرتے ہیں جب ان کو کہا جائے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو جواب میں کہتے ہیں کہ خدا کی قضا و قدر ایسی ہے۔ یعنی خدا نے ہمارے لئے یہی مقدر کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت میں بھی اس قسم کے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی باتیں کریں گے اور وہ میری اُمت کے مجوسی ہوں گے۔

۴۔ وفیہ جابر بن عبداللہ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایک قوم پیدا ہوگی جو گناہ کریں گے اور کہیں گے کہ خدا کی تقدیر ایسی تھی پس ان کی تردید کرنا اللہ کی راہ میں تلوار سے جہاد کرنے کے برابر ہے۔

ظاہر ہے کہ ان احادیث میں قدریہ سے مُراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو افعال میں مجبور سمجھتے ہیں۔

سفینۃ البحار میں امام رضا علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السّلام نے اس آیت کو پڑھا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ اور فرمایا قدریہ فرقہ اپنے مذہب کے اثبات کے لئے اس آیت کے پہلے حصّہ کو پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ بعد میں ارشاد ہے وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ مقصد یہ ہے کہ آیت کے پہلے حصّہ میں انسان کا مختار ہونا ثابت ہے اور آخری حصّہ میں ارادۂ ازلیۂ الٰہیہ کی حکومت ثابت ہے۔ آیت کا مرادی معنی یہ ہے کہ خداوند کریم کسی قوم کی نعمات کو زائل نہیں کرتا یعنی ان پر عذاب نہیں کرتا جب تک کہ اپنے نفسوں کے اعمال سے زوال نعمت کے وہ مستحق نہ ہوجائیں۔ اور جب خدا کسی قوم پر عذاب کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ یعنی خداوند کریم نے عالم ظاہر میں اشیاء کو اسباب سے وابستہ کر دیا ہے اور ان اسباب کے صحیح و غلط استعمال میں انسان کو پورا پورا اختیار دے رکھا ہے۔ نیک اعمال کو سبب نجات اور بداعمال کو سبب عذاب قرار دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان انکی بجا آوری میں قطعاً مجبور نہیں بلکہ مختار کل ہے لیکن اُدھر اُس کے علم ازلی میں یہ ثابت ہے کہ فلاں نیک عمل کرکے ناجی ہوگا اور فلاں بداعمال کی بدولت مستحق عذاب ہوگا تو پس جس کی نیک اعمالی کے لئے خدا کا ارادہ ازلیہ ثابت ہے تو دنیا میں اس سے نیکی ہی ہوگی اور علم ازلی الٰہی میں جس کا بداعمال ہونا ثابت ہے وہ دنیا میں بداعمال ہی ہوگا اور مستحق عذاب ہوگا پس آیت کا مطلب یہی ہے کہ دنیا میں بغیر اسباب ظاہریہ کے عذاب نہیں ہوتا۔ اور خدا کسی قوم پر بغیر ان کے استحقاق کے عذاب نہیں کرتا لیکن جن کے متعلق ارادۂ ازلیہ میں عذاب کا استحقاق موجود ہے اُنہوں نے دنیا میں اسباب ہی ایسے پیدا کرنے ہیں جن کی بدولت وہ اپنے اختیار سے عذاب کے سزاوار ہوں گے اور اس اَمر کو کوئی ٹال سکتا ہی نہیں کیونکہ خدا کے علم ازلی میں خطاء و غلطی کا امکان ہی نہیں ہوسکتا اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کے علم ازلی کے ماتحت انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے کیونکہ اس کا علم انسان کے اختیار میں کوئی پابندی نہیں لاتا۔

پس قضا و قدر بھی حق ہے اور انسان کا اختیار بھی ثابت ہے چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔

مَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَائِىْ وَلَمْ يَصْبِرْ عَلٰى بَلَائِىْ فَلْيَعْبُدْ رَبًّا سِوَائِىْ وَلْيَخْرُجْ مِنْ اَرْضِىْ وَسَمَائِىْ

(ترجمہ) جو شخص میری قضاء پر راضی نہ ہو اور میری آزمائشات پر صابر نہ ہو تو پس کسی اور رب کی عبادت کرے اور میرے آسمان و زمین سے نکل جائے۔

عقیدہ جبریہ کی تردید۔ کافی باب الجبر والقدر سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ جنگ صفین سے واپسی کے بعد کوفہ میں

تشریف فرما تھے کہ ایک بوڑھا آدمی دوزانو ہو کر خدمتِ اقدس میں بیٹھ گیا اور عرض کی یا امیر المومنین! فرمائیے ہماری شام پر فوج کشی قضاء وقدر سے تھی؟ آپ نے فرمایا ہاں اے شیخ تمہارا ہر بلندی وپستی پر چڑھنا یا اُترنا اللہ کے قضاء وقدر سے تھا پس اس نے عرض کی کہ پھر میں اپنی اس تکلیف ومشقت کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا بوڑھے خاموش رہو! خدا کی قسم تمہاری اس روانگی میں حالت سفر یا حالتِ قیام یا حالتِ واپسی ہر حال میں خدا نے تمہارے لئے اجر عظیم مقرر فرمایا ہے۔ تم ان حالات میں مجبور ومضطر نہیں تھے (بلکہ تم نے اپنے اختیار سے سب کچھ کیا لہذا تم مستحق اجر ہو) بوڑھے نے عرض کی حضور! واضح فرمائیے جب ہمارا جانا اور آنا سب قضاء وقدر سے تھا تو ہم مجبور ومضطر کیوں نہ تھے؟ آپ نے فرمایا کیا تو یہ سمجھا ہے کہ قضا حتمی اور قدر ضروری تھی؟ (قضا وقدر حتمی ولازمی نہیں تھی بلکہ بندے کے ذاتی اختیار کو اس میں دخل تھا۔ اگر قضا حتمی اور قدر ضروری ہوتی تو ثواب وعذاب۔ امر ونہی اور اجر وغیرہ باطل ہو جاتے اور وعدہ وعید لغو ہو جاتے نہ بدکار قابلِ ملامت ہوتا اور نہ نیک لائق ستائش قرار دیا جاتا بلکہ گنہگار نیک کی بہ نسبت انعام واکرام کا زیادہ مستحق ہوتا اور نیک بدکار کی نسبت سزا کا زیادہ سزاوار ہوتا۔ اس قسم کا اعتقاد بُت پرستوں، خدا کے دشمنوں، شیطان والوں اور اس اُمّت کے قدریہ ومجوسیہ کا ہے۔ تحقیق خداوند کریم نے اختیار دے کر مکلّف بنایا ہے اور جہنم سے بچنے کے لئے اپنے نواہی ارشاد فرمائے ہیں۔ وہ تھوڑی سی نیکی پر اجر کثیر عطا فرماتا ہے۔ اس کی نافرمانی اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ مغلوب ہے اس کی عطا اس لئے نہیں کہ وہ مجبور ہے اور انسان کو مالک اس طرح نہیں بنایا کہ پس وہ مختارِ کل ہے (بلکہ جب چاہے اس کے اختیارات واپس لے سکتا ہے) آسمان وزمین اور اس کی درمیانی مخلوق کو اس نے فضول پیدا نہیں کیا اور بشارت وانذار کے لئے نبیوں کو عبث نہیں بھیجا۔ یہ عقیدے کافروں کے ہیں اور کافروں کے لئے ویل ہے جہنم سے یہ سُن کر بوڑھے نے فوراً یہ شعر پڑھے۔

اَنْتَ الْاِمَامُ الَّذِیْ نَرْجُوْا بِطَاعَتِهٖ یَوْمَ النَّجَاۃِ مِنَ الرَّحْمٰنِ غُفْرَانًا

آپ وہ امام ہیں کہ جس کی اطاعت کی بدولت قیامت کے دن ہم خدا سے بخشش کی اُمید رکھتے ہیں

اَوْضَحْتَ مِنْ اَمْرِنَا مَا کَانَ مُلْتَبِسًا جَزَاکَ رَبُّکَ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا

آپ نے ہمارے اعتقاد میں سے مشکل امر کی وضاحت کر دی خدا آپ کو احسان کے بدلہ میں احسان کی جزا دے

۲۔ مروی ہے کہ ایک دفعہ ابوحنیفہ امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے پاس سے گزرا۔ اور آپ سے دریافت کیا کہ بتائیے گناہ کا مرتکب کون ہے؟ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ تاکہ میں بیان کروں۔ پس وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا کہ تین صورتیں ہیں۔ گناہ یا تو بندے سے ہوتا ہے یا اللہ سے ہوتا ہے یا دونوں شریک ہیں۔ اگر اللہ سے ہے تو وہ اجلّ واعلیٰ ہے کہ اپنے کمزور بندے کو سزا دے ایسے کام کی جس میں اس کا قصور نہ ہو۔ اگر اللہ اور بندہ دونوں شریک ہیں تو قوی کو کمزور پر رحم کرنا چاہیئے۔ اور اگر صرف بندہ ہی مرتکب فعل ہے تو

جزاء و سزا کا تعلق بھی اسی سے ہے اور امر و نہی بھی اُسی کے لئے ہے اور ثواب و عقاب کا مستحق بھی وہ خود ہے۔

۳۔ مروی ہے کہ ایک دفعہ حجاج بن یوسف نے حسن بصری ۔ عمرو بن عبید واصل بن عطا اور عامر شعبی کو خطوط لکھے کہ قضاء و قدر کے متعلق ان کے پاس جو صحیح مسلک ہو تحریر کریں تو حسن بصری نے اس کو لکھا کہ قضاء و قدر کے مسئلہ میں فیصلہ کُن بات جو مجھ تک پہنچی ہے۔ وہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کا فرمان ہے۔

أَتَظُنُّ أَنَّ الَّذِي نَهَاكَ دَهَاكَ إِنَّمَا دَهَاكَ أَسْفَلُكَ وَأَعْلَاكَ وَاللّٰهُ بَرِيٌّ مِنْ ذَاكَ (ترجمہ) کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ جس نے تجھے ایک چیز سے منع کیا ہے اُسی نے تجھے اس کام میں دھوکا دیا ہے اور تجھے مبتلا کر کے تجھے نیچے کر دیا اور خود بلند ہو گیا۔ خدا اس سے بیزار ہے۔

عمرو بن عبید نے لکھا کہ قضا و قدر کے معاملہ میں حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کا فرمان جو مجھے پہنچا ہے اس سے بہتر اور کوئی نظریہ ہو ہی نہیں سکتا لَوْ كَانَ الْوِزْرُ فِي الْاَصْلِ مَحْتُومًا كَانَ الْوَازِرُ فِيهِ مَظْلُومًا ۔ (ترجمہ) اگر گناہ دراصل محتوم ہوتا تو گنہگار گنہگار نہ ہوتا بلکہ مظلوم ہوتا۔

واصل بن عطا نے لکھا کہ مسئلہ قدر و قضاء میں حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کا فرمان آخری فیصلہ ہے أَيَدُلُّكَ عَلَى الطَّرِيقِ وَيَأْخُذُ عَلَيْكَ الْمَضِيقَ (ترجمہ) کیا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا تجھے ایک رستہ بتائے اور خود اس پر چلنے کے لئے دشواری پیدا کر دے۔

عامر شعبی نے لکھا کہ قضاء و قدر میں حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کے فیصلے سے اور کوئی فیصلہ بہتر نہیں آپ فرماتے ہیں كُلَّمَا اسْتَغْفَرْتَ اللّٰهَ مِنْهُ فَهُوَ مِنْكَ وَكُلَّمَا حَمِدْتَ اللّٰهَ تَعَالٰى عَلَيْهِ فَهُوَ مِنْهُ (ترجمہ) ہر وہ فعل جس کی معافی تو اللہ سے طلب کرے سمجھ لے کہ وہ تیرا فعل ہے اور ہر وہ فعل جس پر تو اللہ کی حمد کرے پس سمجھ کہ وہ اس کا فعل ہے۔

جب حجاج کے پاس یہ خطوط پہنچے اور اس نے پڑھے تو کہا کہ خدا کی قسم یہ اقوال ایسے صاف و شفاف علمی چشمے سے ماخوذ ہیں جن میں میل ہو ہی نہیں سکتی۔

۴۔ رُوِيَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ الصَّادِقَ عَنِ الْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ فَقَالَ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَلُومَ الْعَبْدَ عَلَيْهِ فَهُوَ فِعْلُهُ وَمَا لَمْ تَسْتَطِعْ أَنْ تَلُومَ الْعَبْدَ عَلَيْهِ فَهُوَ فِعْلُ اللّٰهِ يَقُولُ اللّٰهُ لِلْعَبْدِ لِمَ عَصَيْتَ لِمَ فَسَقْتَ لِمَ شَرِبْتَ الْخَمْرَ لِمَ زَنَيْتَ فَهٰذَا فِعْلُ الْعَبْدِ وَلَا يَقُولُ لِمَ مَرِضْتَ لِمَ قَصُرْتَ لِمَ ابْيَضَضْتَ لِمَ اسْوَدَدْتَ لِأَنَّهُ مِنْ فِعْلِ اللّٰهِ فِي الْعَبْدِ۔

ترجمہ۔ روایت میں ہے ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے قضاء و قدر کے مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو

آپ نے فرمایا کہ جس فعل پر تو عبد کی ملامت کر سکے تو پس وہ اس کا فعل ہے اور جس فعل پر عبد کی ملامت تو نہ کر سکے تو پس وہ اللہ کا فعل ہے خدا بندے سے دریافت کرے گا تو نے گناہ کیوں کیا؟ تو نے فسق کیوں کیا؟ تو نے شراب نوشی کیوں کی؟ تو نے زنا کیوں کیا؟ پس یہ افعال بندے کے ہیں اور یہ سوال نہ کرے گا کہ تو بیمار کیوں ہوا؟ تو چھوٹا کیوں ہوا؟ تو سفید کیوں ہوا؟ تو سیاہ کیوں ہوا؟ کیونکہ یہ اللہ کے فعل ہیں۔

بہر حال آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے صحیح تعلیم حاصل نہ کرنے سے اُمّتِ اسلامیہ معارف وحقائق سے بہت دور ہٹ گئی۔ کیونکہ مسائل عرفانیہ کی منازل علمائے ربانیین کی رہبری کے بغیر ہرگز طے نہیں کی جاسکتیں۔

## لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِيضَ بَلْ أَمْرٌ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ

جبر واختیار کے مسئلہ میں مذہب حقہ شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے اور نہ کلی مختار ہے بلکہ کچھ حصّہ میں مجبور ہے اور کچھ حصّہ میں مختار ہے انسان کی تمام قوتیں ظاہری وباطنی سب اللہ کی عطا کردہ ہیں پس قوتوں کا عطا کرنا اللہ کا فعل ہے اور ان قوتوں کے استعمال کا اختیار چونکہ انسان کو حاصل ہے لہذا ان کا صحیح وغلط استعمال انسان کا فعل ہے۔

چنانچہ اس کی وضاحت حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ علامہ میرزا حسن یزدی نجفی مدظلّہ العالی نے اپنے بیان درس خارج میں اس طرح فرمائی تھی جس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کا ذاتی وجدان بسلامتیٔ عقل جبر واختیار کے مسئلہ میں خود فیصلہ کر سکتا ہے چنانچہ جب میرزا قمی مرحوم سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ وجدان سلیم خود کر سکتا ہے دیکھئے جس انسان کے ہاتھوں میں رعشہ ہو تو اس کے ہاتھ حرکت کرتے ہیں اور ایک تندرست انسان بھی ہاتھوں کو حرکت دیتا ہے پس ان دو حرکتوں میں فرق کا وجدان خود گواہ ہے کہ رعشہ والا مریض اپنے ہاتھوں کی حرکت میں مجبور ہے اور تندرست انسان اپنے ہاتھوں کی حرکت میں مختار ہے، رعشہ والا اپنے ہاتھوں کی حرکت کو بند نہیں کر سکتا اور تندرست چاہے تو حرکت دے چاہے تو حرکت بند کردے یہ اس کے اپنے اختیار کی بات ہے پس انسان فیصلہ کر سکتا ہے کہ جو افعال اس کے ارادہ پر غالب ہیں ان میں وہ مجبور ہے اور جو افعال ارادہ کے تابع ہیں ان میں وہ مختار ہے۔ البتہ ان افعال اختیاریہ میں اعضاء کی قوت اور ارادہ اللہ کی طرف سے ہیں اور ان کا استعمال بندے کی طرف سے ہے۔ اسی لئے نماز میں کہا جاتا ہے بِحَوْلِ اللّٰہِ وَقُوَّتِہٖ اَقُوْمُ وَاَقْعُدُ یعنی میں اللہ کی عطا کردہ زور وقوت سے قیام وقعود کرتا ہوں پس حول وقوت اللہ کی جانب سے ہے۔ اور قیام وقعود بندے کی طرف سے ہے۔

اس کی مزید تفصیل یوں سمجھئے کہ بعض صفاتِ انسان میں ایسی ہیں جن پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا مثلاً وجود۔ زندگی قوتِ شعور۔ قوتِ تصوّر۔ اعضاء کی طاقت۔ اچھائی وبرائی میں قوتِ امتیاز۔ قوتِ شوق۔ قوتِ ارادیہ وغیرہ پس ان کے متعلق یہ سوال کرنا عبث ہے کہ انسان کا وجود کیوں ہے؟ اس میں قوتِ شعور واحساس کیوں ہے؟ اچھائی وبرائی میں تمیز کیوں کرتا ہے؟ قوتِ شوق ونفرت کیوں ہے؟ قوت

ارادہ کیوں ہے؟ وغیرہ۔ کیونکہ یہ چیزیں خلقتِ انسان کو لازم ہیں ان کے متعلق کیوں کہنا ایسا ہے جیسا کہا جائے کہ انسان انسان کیوں ہے؛ ان پر کیوں تب کہا جاتا جب یہ چیزیں انسان کے اپنے بس میں ہوتیں۔ اسی طرح قوتِ اختیار یہ بھی وجودِ انسانی کو لازم ہے اور اللہ کی عطا کردہ ہے اس پر بھی کیوں کے ذریعہ سے سوال نہیں کیا جا سکتا کہ یہ قوت انسان میں کیوں ہے؟ ان کے بعد ہے فعل کی منزل تو یہاں سوال بجا ہے کہ کہا جائے تونے یہ کیوں کیا وہ کیوں کیا؟ کیونکہ یہ چیزیں انسان کے اپنے بس کی ہیں۔ اسی طرح قوتِ اختیار یہ اور قوتِ ارادیہ اللہ کی جانب سے ہیں۔ لیکن صحیح وغلط کا ارادہ اور اختیار انسان کے بس کے اندر ہے چاہے تو اچھائی کا ارادہ کرکے اس کو اختیار کرے اور اگر چاہے تو برائی کا ارادہ کرکے اس کا ارتکاب کرے۔

اور صحیح وغلط اچھائی و برائی کی تمیز کے لئے خداوند کریم نے قوتِ فکر کے ساتھ قوتِ عاقلہ بھی عطا فرمائی اور اپنے کمال فضل وکرم سے انبیاء و رسل بھیجے تاکہ انسانی عقل کی صحیح رہبری فرمائیں اب اگر انسان خدائی مبلّغین کی تعلیمات سے فائدہ نہ اٹھائے اور اپنے عقل کو قوتِ شہویہ غضبیہ وہمیہ کا مغلوب بنا کر ناجائز افعال کو اختیار کرے تو مستحق مذمت اور سزاوار سزا ہے اور اگر خدائی مبلّغین کی تبلیغات کے ماتحت عقل کی روشنی میں جائز و ناجائز کی پرکھ کرنے کے بعد جائز کو بجالائے اور ناجائز سے اجتناب کرے تو لائق ستائش بھی ہے اور مستحق جزا بھی۔

پس قوتوں کے عطا ہونے میں انسان مجبور ہے اور اپنے ارادہ و اختیار سے افعال و اعمال کے بجالانے میں وہ مختار ہے تو گویا انسان اپنے جملہ افعال میں دو پہلوؤں کے اندر محدود ہے۔ ہر فعل میں خواہ اچھا ہو یا برا ابتدائی طاقتیں اللہ کی طرف سے ہیں اور ارادہ و اختیار خیر و شر اور ان طاقتوں کا استعمال بندے کی طرف سے ہیں پس ثابت ہوا کہ نہ جبر ہے نہ اختیار بلکہ معاملہ دونوں کے درمیان ہے۔ انتھیٰ محصّل ما افادہٗ۔

پس کفار کی مذمت بجا ہے اور مومنین کی مدح صحیح ہے کیونکہ ان کا کفر اختیاری ہے اور ان کا ایمان اختیاری ہے نہ وہ کفر پر مجبور ہیں اور نہ یہ ایمان پر مجبور ہیں۔ اسی بنا پر خود ارشاد فرماتا ہے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ یعنی دین میں کوئی مجبوری نہیں بتحقیق ہدایت اور گمراہی ہر دو واضح ہو چکی ہیں۔ انسان کو اختیار ہے چاہے دین کو قبول کرے چاہے بے دین بنا رہے اور ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا۔ ہم نے انسان کو صحیح رستہ کی ہدایت کر دی خواہ شاکر بنے خواہ کافر بنے (یہ معاملہ اس کے اپنے اختیار میں ہے)

**ازالۂ وہم۔** چونکہ افعالِ انسانی کی قوتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں اسی بنا پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کسی کی گمراہی چاہتا ہے یا کسی کو گمراہ کرتا ہے بلکہ یہ شیطان کا عقیدہ تھا کہ اس نے اپنی گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا اور کہا اَغْوَیْتَنِیْ یعنی تونے مجھے گمراہ کیا اللہ نے انسان کو طاقتیں اس لئے عطا نہیں کیں کہ وہ ان کو غلط استعمال کرے بلکہ وہ تو جنوں و انسانوں سے عبادت ہی چاہتا ہے یہ ایسا ہے جیسا کوئی رحم دل سخی کسی فقیر کی حالتِ زار پر ترس کھا کر اس کو کچھ رقم اپنے

اور اپنے بال بچوں کے اخراجات کے لئے ہے اور یہ فقیر وہ رقم بجائے واجبی اخراجات سے سبکدوش ہونے کے قمارخانے یا شراب خانے کی نذر کر دے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے غلط کیا تھا بلکہ وہ تو لائق ستائش ہے کہ اس نے ایک غریب مسکین کی امداد کی تھی بلکہ مذمّت اور ملامت کا مستحق وہ فقیر ہے جس نے محسن انسان کی قدر نہ کی اور اُس کے عطیہ کو بے محل خرچ کر کے ضائع کر دیا اس مقام پر اگر کہا جائے کہ اس فقیر سے قماربازی یا شراب نوشی اُس عطا کرنے والے رحم دل نے ہی کروائی ہے کیونکہ اس فعل کی بنیادی قوت اسی کی جانب سے ہے تو یہ نسبت مجازی ہوگی اور اس نسبت سے فقیر کی بدباطنی اور غلط کاری میں ہرگز فرق نہ آئے گا اور نہ اس کی سزا میں اس نسبت کی وجہ سے کوئی فرق پڑے گا۔ اور اسی طرح اس کی غلط کاری اس محسن کی حُسن کارکردگی پر حرف زنی کی موجب بھی نہ ہوگی۔

**ختم کی وضاحت** بعض احادیث میں وارد ہے جن کا مضمون یہ ہے کہ انسان جب فعلِ بد کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے پس اگر توبہ کرے تو صاف ہو جاتا ہے اور اگر توبہ نہ کرے بلکہ پھر کوئی دوسرا گناہ کرے تو پھر دل کی سیاہی میں زیادتی پیدا ہوتی ہے پھر اگر توبہ سے اس کو نہ مٹائے اور گناہ میں اضافہ کرتا جائے تو سیاہی بڑھتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ دل پورا سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد نہ کسی نصیحت کو قبول کرتا ہے۔ اور نہ قرآن و حدیث سے کوئی اثر حاصل کرتا ہے اور اسی معنی کو قرآن مجید میں ختم۔ وقر۔ غلاف غشاوہ وغیرہ کی لفظوں سے ادا کیا گیا ہے اور بنیادی قوتیں چونکہ اللہ کی جانب سے ہیں۔ اس لئے آیت مجیدہ میں ختم کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا نے ہی واقعی ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کیونکہ خدا کسی کے دل یا کان یا آنکھ پر پردہ نہیں ڈالتا۔ اگر ایسا کرتا ہوتا تو پھر انبیاء و رسل بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ کتابیں نازل کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پے درپے نافرمانیاں کرنے کے بعد ان کے دل اس قدر سیاہ ہو گئے ہیں کہ وہ حق کو نہ دیکھنا پسند کرتے ہیں نہ سُننا گوارا کرتے ہیں اور نہ سوچنے کے لئے بات کو دل میں جگہ دیتے ہیں۔

جو لوگ عقیدۂ جبر کے قائل ہیں وہ اس قسم کی آیات سے دھوکہ کھا کر کہہ بیٹھتے ہیں کہ کافر کفر میں مجبور تھے اور مومن ایمان میں مجبور ہیں کافر کا کفر اللہ کی طرف سے ہے اور مومن کا ایمان بھی اللہ کی جانب سے ہے کیونکہ خدا خود فرماتا ہے کہ میں نے مہر لگا دی ہے حالانکہ اس فاسد عقیدہ والے حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ ان کو اپنے قیاسات و استحسانات نے اس ورطۂ ظلمات میں دھکیل دیا ہے اور خاندانِ عصمت سے عناد ہی ان کی گمراہی کا موجب ہے۔

**سوال۔** اگر جبریہ کی طرف سے یہ سوال پیدا کیا جائے کہ جب خدا کو علم تھا کہ کافر لوگ ایمان نہ لائیں گے جس طرح خود فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَاءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی تحقیق وہ لوگ جو کافر ہیں ان کے لئے برابر ہے خواہ ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ ایمان نہ لائیں گے تو اس صورت میں ان کے لئے ایمان لانا محال ہے کیونکہ ان کے ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے یہ خبر خلافِ واقع دی ہے اور جب خدا کا علم خلافِ واقع ہو ہی نہیں سکتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اپنے کفر میں مجبور تھے۔

**جواب۱۔** علم ازلیٔ خداوندی فعلِ عبد کے اختیاری ہونے کو باطل نہیں کرتا چنانچہ اس کو علم تھا کہ فرعون ایمان نہ لائے گا لیکن پھر موسیٰ و ہارون علیٰ نبینا وعلیہما السلام کو حکم ہوا کہ جاؤ اور فرعون کو تبلیغ کرو اور نرم لہجہ میں اس کو سمجھاؤ شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے لعلّہ یتذکر او یخشیٰ کا جملہ صاف طور پر بتا رہا ہے کہ اس کا علم فرعون کے ایمان لانے میں رکاوٹ کا باعث نہ تھا ورنہ موسیٰ کو حکم تبلیغ نہ دیتا۔

۲۔ خود فرماتا ہے یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْکِتَاب پ۱۳۔ یعنی خدا جس کو چاہے محو کرتا ہے اور جس کو چاہے ثابت کرتا ہے اور اس کے پاس علم مخزون ہے گو اس کے علم ازلی کے لحاظ سے ہونے والے اُمور کے متعلق قضا ثابت ہے لیکن گذشتہ بیان میں معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی قضا انسان کے افعالِ اختیاریہ کے متعلق حتمی و مبرم نہیں ہے اور اس آیت میں اس امر کی صاف وضاحت ہے کہ خداوندِ کریم علمِ ازلی کی رُو سے مجبور نہیں بلکہ وہ اپنے افعال میں مختارِ کل ہے اور اس کے علمِ ازلی میں ثابت شدہ اُمور میں سے جس کو چاہے محو کر سکتا ہے اور جس غیر ثابت کو چاہے ثابت کر سکتا ہے چنانچہ برہان ج۲ میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے۔

هَلْ یُمْحٰی اِلَّا مَا کَانَ ثَابِتًا وَهَلْ یُثْبَتُ اِلَّا مَا لَمْ یَکُنْ وَفِیْهِ عَنِ الْبَاقِرْ وَعِلْمٌ عِنْدَهٗ مَخْزُوْنٌ یُقَدِّمُ مِنْهُ مَا یَشَاءُ وَیُؤَخِّرُ مِنْهُ مَا یَشَاءُ فِیْهِ عَنِ الْبَاقِرْ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَدَعْ شَیْئًا کَانَ اَوْ یَکُوْنُ اِلَّا کَتَبَهٗ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ مَوْضُوْعٌ بَیْنَ یَدَیْهِ یَنْظُرُ اِلَیْهِ فَبِمَا شَاءَ مِنْهُ قَدَّمَ وَمَا شَاءَ مِنْهُ اَخَّرَ وَمَا شَاءَ مِنْهُ مَحٰی وَمَا شَاءَ مِنْهُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَاءْ لَمْ یَکُنْ۔

ترجمہ۔ نہیں محو کیا جاتا مگر اس کو جو پہلے ثابت ہو اور نہیں ثابت کیا جاتا مگر اس کو جو پہلے ثابت نہ ہو۔ حضرت امام محمد باقر سے منقول ہے کہ اس کے پاس علمِ مخزون ہے اس میں سے جس کو چاہے مؤخر کرے اور جس کو چاہے مقدم کرے اور جس کو چاہے ثابت کرے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے کوئی شے ہونے والی چیزوں میں سے ایسی نہیں چھوڑی جس کو کتاب میں درج نہ فرمایا ہو پس وہ کتاب اللہ کے سامنے ہے وہ اس سے غافل نہیں۔ اس میں سے جس کو چاہے مقدم کرتا ہے جس کو چاہے محو کرتا ہے اور جس کو چاہے وہ ہوتی ہے اور جس کو نہ چاہے نہیں ہوتی۔ اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں پس معلوم ہوا کہ کسی کافر کا کفر علمِ ازلیٔ الٰہی کی وجہ سے ناقابلِ زوال نہیں کیونکہ اللہ محو و اثبات پر قادر ہے ورنہ اگر محو و اثبات پر قدرت نہ ہوتی تو ایسے لوگوں سے تکلیف ہی ساقط ہوتی حالانکہ یہ لوگ مکلّف ہیں۔

۳۔ ہر شخص کی زندگی کی مدّت کا اللہ کو علم ہے حالانکہ مستحب ہے کہ انسان طولِ عمر کی دعا مانگے تو کیا طولِ عمر کی دعا مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر خدا مبارک کر دے تو اس کے سابق علم میں خطا واقع ہو گی؟ نہیں بلکہ اس کو اوّل و آخر میں کمی و بیشی کا اختیار ہے وہ بڑھا بھی سکتا ہے

اور کم بھی کر سکتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر خود کشی کرنا کیوں حرام ہے؟ حالانکہ اللہ کے علم ازلی میں ہی اس کی خودکشی درج تھی۔
اور اسی طرح رزق کی دعا طلب اولاد کی دعا بلکہ جملہ دعائیں فضول متصور ہوں گی کیوں کہ اس کے علم ازلی میں جو کچھ ہے ہوگا وہی۔ پس معلوم ہوا کہ اس کا علم انسان کے افعالِ اختیاریہ میں مخل نہیں اور خدا محو و اثبات پر قادر ہے۔ اسی طرح حضرت حجت عج علیہ السّلام کے ظہور کی جلدی کی دُعا کی جاتی ہے حالانکہ اللہ کو ایک وقتِ مقرر کا علم ہے اگر جلدی ظہور ہونے سے اس کے علم کا خلاف ہونا لازم آتا تو یہ دُعا قطعاً جائز نہ ہوتی حالانکہ تمام مسلمان اس دُعا میں متفق ہیں۔

۴۔ خدا چاہے تو اب بھی قیامت لا سکتا ہے لیکن قیامت کے لئے اس کے علم میں ایک وقت مقرر ہے تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا اب قیامت کے قائم کرنے پر قادر نہیں کیونکہ اب قیامت کے قائم کرنے پر قادر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے علم کو جھٹلا سکتا ہے حالانکہ یہ عقیدہ مُوجب کفر ہے۔

۵۔ ہمیشہ علم کا تعلّق شے کی واقعیّت سے ہوتا ہے واقعہ ہو تو اس کا علم علم ہوتا ہے یہ نہیں کہ علم ہو تو واقعہ واقعہ بنتا ہے واقعہ کا علم ہونا اور بات ہے اور واقعہ کو واقعہ بنانا اور بات ہے پس خدا کو کافر کے کفر کا علم ہے نہ کہ خدا کے علم نے ان کو کافر بنایا اور نہ خدا کا علم ان کو کفر سے توبہ کرنے سے روکتا ہے اگر ایسا ہوتا تو ان کو ایمان کی دعوت ہی نہ دی جاتی۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کی علمائے تفسیر نے متعدد توجیہیں بیان کی ہیں۔ چنانچہ علّامہ طبرسی نے چند ایک کا ذکر فرمایا ہے۔

۱۔ کافر جب حالتِ کفر میں اس حد کو پہنچتا ہے کہ اس کا دل قبولِ حق کی طرف مائل ہی نہیں ہو سکتا تو خدا اُن کے دلوں پر ایک علامت لگا دیتا ہے جس کو بعضوں نے سیاہ نقطہ سے تعبیر کیا ہے پس فرشتے اس کو اس نقطہ یا اس علامت سے پہچانتے ہیں کہ کافر ہے پس وہ اس پر لعنت و نفرین کرتے ہیں گویا ختم کا معنی علامت ہے۔

۲۔ معنی یہ ہے خدا شاہد ہے کہ اِن کے دل اور کان اور آنکھیں راہِ حق سے منحرف ہیں گویا ختم کا معنی شہادت و تصدیق ہے۔

۳۔ معنی یہ ہے کہ ان لوگوں کے دل مثل مہر کردہ شے کے ہیں کہ نہ اس میں کوئی اور چیز داخل ہو سکتی ہے اور نہ اس سے کوئی چیز خارج ہو سکتی ہے یعنی نہ ان کے دلوں میں اب ایمان داخل ہو سکتا ہے اور نہ ان کے دلوں سے کفر خارج ہو سکتا ہے۔

۴۔ کفار کے کلام حق سننے اور سمجھنے سے تنگدلی کرنے کو ختم سے تعبیر فرمایا یعنی ان کے دل کان آنکھیں حق سے گھٹتی ہیں۔

**سوال**۔ دل کان اور آنکھوں کو خاص طور پر کیوں ذکر کیا گیا ہے۔

**جواب**۔ اِن تین اعضاء کو خاص طور پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ علم حاصل کرنے کے راستے صرف یہی ہیں کیونکہ کان اور آنکھ سے سن اور دیکھ کر انسان دل میں فکر کرتا ہے تب چیز کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اگر یہ تین اعضاء معطّل ہو جائیں تو علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

پس قرآن مجید میں جہاں کہیں اس قسم کے لفظ آئیں متذکرہ بالا بیان سے اُن کے مطالب تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے اور اس قسم کی آیات کا صحیح حل میسّر نہ آنے کی وجہ سے عقائد میں خرابی ظہور پذیر ہوتی ہے اور خداوندِ کریم اجل وارفع ہے اس بات سے کہ انسان کو فعلِ بد پر مجبور کرے اور پھر اس کو اس کی سزا بھی دے۔ عقیدہ جبر عدلِ خداوندی کے سراسر خلاف ہے بلکہ اُس سے خدا کا ظالم ہونا ثابت ہوتا ہے اور خدا خود فرماتا ہے وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۔ یعنی اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا اور متعدد مقامات پر فرماتا ہے کہ میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ خداوندِ کریم مجھے اور جملہ مومنین کو راہِ راست پر ثابت قدم رکھے اور جملہ مسلمانوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما دے اور اہل بیت عصمت سے تمسک پکڑنے کی توفیق مرحمت کرے تاکہ ان کے علوم کی روشنی میں جادۂ حق پہ گامزن ہو کر اس قسم کے مزخرفات سے محفوظ رہیں۔ اس مقام پر طول بہت ہو گیا ہے لیکن مسئلہ کی نزاکت اور آیاتِ متعلقہ کا حل اس امر کا مقتضی تھا کہ مقام مذکور کو تشنۂ بیان نہ چھوڑا جائے شائد خدا اس کی بدولت کسی راہ گم کردہ کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

## پانچ نکات

۱۔ کافرین کے متعلق یہ پیشین گوئی کہ ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ ایمان نہیں لائیں گے حرف بحرف سچی ثابت ہوئی اور یہ قرآن مجید کے معجزہ ہونے اور پیغمبرؐ کے صادق ہونے کی واضح دلیل ہے۔

۲۔ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ فرمایا یعنی ان کی ہٹ دھرمی اور سُوءِ اختیار کی بنا پر نیرا ڈرانا یا نہ ڈرانا اُن کے لئے برابر ہے یعنی وہ اثر قبول کرنے سے محروم ہیں یہ نہیں فرمایا کہ سَوَاءٌ عَلَيْكَ یعنی ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا تیرے لئے برابر ہے کیونکہ حضورؐ کے لئے ان کو ڈرانا اتمام حجت تھا اور یہ آپ کا فریضہ تھا جس کی ادائیگی میں آپ پوری طرح کامیاب رہے اور نہ ڈرانے کی صورت میں آپ ایک اہم فریضۂ نبوت کی ادائیگی سے محروم ہو جاتے پس آپ کے حق میں ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر نہیں بلکہ ڈرانا کامیابی اور نہ ڈرانا کوتاہی تھا۔

۳۔ ختم کی اللہ کی طرف نسبت اس بنا پر ہے کہ اللہ نے خیر و شر کی دونو قوتیں دے کر ان کو قبولِ حق پر مجبور نہیں فرمایا پس چونکہ بنیادی طاقتیں اللہ کی عطا کردہ تھیں اس لئے ختم کی نسبت مجازاً اللہ کی طرف دی گئی مقصد یہ ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اُن کے کان کلمۂ حق سننے سے آنکھیں مناظرِ حق دیکھنے سے اور دل راہِ حق کو اپنانے کی جرأت سے یکسر محروم ہو چکے ہیں جس طرح کہ ان کے اُوپر مہر لگا دی گئی ہو اور وہ بے بس ہو چکے ہوں۔

۴۔ قلب و بصر اعضا کے نام ہیں اس لئے ان کو جمع کی لفظوں سے ذکر کیا گیا ہے اور سمع چونکہ مصدر ہے اور واحد و جمع دونو کے لئے اس کا استعمال جائز ہے اس لئے اس کو مفرد کے صیغے سے ذکر کیا گیا ہے۔

۵۔ چونکہ دل کی سوچ بچار کسی ایک سمت کی پابند نہیں اسی طرح کان کی سماعت میں بھی کسی خاص سمت کی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر طرف سے پہنچنے والی آواز کو سن سکتا ہے اس لئے دل اور کان کے لئے ختم کی لفظ کو ذکر کیا گیا ہے جو ہر جانب سے ادراک کے دروازے بند کر دیتی ہے اور آنکھ چونکہ صرف سامنے کی جانب ہی دیکھ سکتی ہے اور اسکے ادراک کی سمت صرف ایک ہی ہے پس اس کو روکنے کے لئے صرف سامنے کی جانب حجاب ہی کافی ہے لہذا اسکے لئے غشاوۃ کا ذکر کیا یعنی انکی آنکھوں پر پردہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ يُخٰدِعُوْنَ

اور بعض لوگوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور ساتھ یوم آخر کے حالانکہ وہ مومن نہیں وہ دھوکا دیتے ہیں

اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور در حقیقت وہ نہیں دھوکا دیتے مگر اپنے نفسوں کو اور نہیں سمجھتے ان کے دلوں میں بیماری ہے پس

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ

زیادہ کیا اللہ نے ان کو بیماری میں اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ کہتے ہیں اور جب کہا جائے

لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ

ان کو کہ نہ فساد کرو زمین میں تو کہتے ہیں کہ بجز اس کے نہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں آگاہ ہو تحقیق وہی فساد کرنے

الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا

والے ہیں لیکن سمجھتے نہیں ہیں اور جب کہا جائے ان کو کہ ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے ہیں اور لوگ تو کہتے

اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے ہیں بیوقوف آگاہ ہو تحقیق وہی بیوقوف ہیں لیکن جانتے نہیں

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ

اور جب ملاقات کریں ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں کہتے ہیں ہم مومن ہیں اور جب تنہا ہوں ساتھ اپنے شیطانوں کے تو کہتے ہیں

**منافقین کا ذکر**

سورہ بقرہ کی پہلی چار آیتیں مومنین کے حق میں اُتریں اور ان کے بعد دو آیتیں کفار کے بیان میں اُتریں۔ اور یہ پورا رکوع جس کی تیرہ آیتیں ہیں منافقین کے بیان میں ہے خواہ ان آیات کا شانِ نزول بعض مخصوص لوگوں سے ہی متعلق ہو لیکن قرآن چونکہ تا قیامت زندہ ہے لہذا اس کی تاویل کسی ایک زمانہ کے لئے مخصوص نہیں قرار دی جا سکتی چنانچہ اسی کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر میں اس چیز کو پوری وضاحت سے پیش کیا جا چکا ہے ص۱۱۳ تا ص۱۲۱۔

دورِ نبوی میں حضرت علی علیہ السّلام کے بغض کو نفاق سے تعبیر کرنا اکثر صحابہ سے مروی ہے جیسا کہ کتب صحاح اہل سنّت سے حضرت علی السلام کا فرمان مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا لا یحبّك الا مومن ولا یبغضك الا منافق تیرے ساتھ نہ محبت کرے گا مگر مومن اور تجھ سے نہ بغض رکھے گا مگر منافق۔ اس کو تاریخ الخلفاء میں علامہ سیوطی نے

إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ⑭ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ⑮

تحقیق ہم تمہارے ساتھ ہیں بجز اس کے نہیں ہم تو ہنسی کرنے والے ہیں ساتھ مومنوں کے اللہ ہنسی کا (معاملہ) کرتا ہے ساتھ انکے اور ڈھیل دیتا ہے ان کو اپنی سرکشی میں درحالیکہ وہ حیران ہوتے ہیں

بھی نقل کیا ہے۔ نیز صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ - ابوسعید خدریؓ - جابر بن عبداللہ انصاری - ابوسعید محمد بن ہیثمؓ - ابوداؤد - ابن عباسؓ اور اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کے اعترافات (کہ حضرت علی علیہ السلام کا دشمن منافق ہوا کرتا ہے اور ہم عہدِ رسالت میں منافق کی نشانی علی کے ساتھ بغض رکھنے کو قرار دیتے تھے) ہم نے جلد اوّل میں بمعہ حوالہ کتب درج کئے ہیں - ص۱۳۶ و ص۱۳۷

اسی بنا پر انہی آیات کی تاویل تفسیر ائمہ میں بیعت غدیر کے توڑنے والوں سے کی گئی جیسا کہ تفسیر برہان میں اس کے متعلق بہت زیادہ حدیثیں مذکور ہیں اور فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ میں مرض کی تاویل کلام اہل بیت میں عداوت علی علیہ السلام سے کی گئی ہے (برہان) مرض کی زیادتی کی نسبت اللہ سے اس واسطے ہے کہ چونکہ خداوند کریم وحی قرآن کے ذریعہ سے جناب رسالت مآبؐ اور ان کے اوصیائے طاہرینؑ کے فضائل کو واضح فرماتا ہے لہذا حاسدین کا حسد ان فضائل کو دیکھ کر اور بڑھتا ہے اس مناسبت سے زیادتی مرض کی نسبت اللہ سے ہوئی ورنہ مسئلہ جبر میں اس امر کو ادلہ عقلیہ ونقلیہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ انسان افعال اختیاریہ میں مجبور نہیں اور نہ خدا کسی کو مجبور کرتا ہے۔

منافقین کے تمسخر کی تفسیر میں تفسیر برہان میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک طویل روایت منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقین کا سرکردہ گروہ جب کسی مقام پر خالص مومنین مثلاً سلمان وغیرہ سے ملاقات کرتا تھا تو ان کا پہلا دوسرے اور تیسرے اور دیگر ساتھیوں سے کہتا تھا کہ دیکھو میں ان مومنوں سے مسخری کرتا ہوں۔ پہلے سلمان کو خطاب کر کے کہتا آیئے مرحبا سلمان تیرے متعلق ہی تو حضور پاک نے فرمایا ہے کہ اگر دین ثریا سے معلق کر دیا جائے تو ایرانی وہاں سے بھی حاصل کر لیں گے اور تجھے ہی تو حضور نے فرمایا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ پھر مقداد سے مل کر یوں کہتا - مرحبا مقداد تیرے لئے ہی تو حضورؐ نے علی کو فرمایا تھا کہ یا علی مقداد تیرا دینی بھائی ہے تیرے لئے طوبیٰ ہے پھر ابوذر کو مل کر کہتا۔ مرحبا ابوذر تیرے لئے حضور نے فرمایا تھا کہ زمین کے اوپر اور فلک کے نیچے ابوذر سے زیادہ کوئی صادق اللسان نہیں اسی طرح عمار بن یاسر کو مل کر ان کی تعریف کرتا پھر جب ان سے ہٹ کر علیحدہ ہوتے تو وہ پہلا دوسرے منافق ساتھیوں سے کہتا دیکھو میں نے ان سے مسخری کی ہے یہ سن کر باقی ساتھی اس کو تحسین و آفرین کہتے تھے اور جب یہ گروہ منافقین کی مجلس عام میں بیٹھتا تھا تو وہ لوگ ان کو کہتے تھے کہ تم تو مومنوں سے ایسی ایسی باتیں کرتے ہو تو یہ ان کے جواب میں کہتے تھے کہ ہم نے ان سے تمسخر کیا تھا۔ درحقیقت ہم تمہارے ساتھی ہیں اب رہا یہ کہ اللہ ان کے ساتھ تمسخر کیسے کرتا ہے؟ تو اس کے متعلق روایات میں ہے کہ جب مومن جنت کی نعمتوں سے ہمکنار ہوں گے اور منافقین جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے تو بحکم خدا ان کے سامنے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مول لی ہے گمراہی بدلے ہدایت کے پس نہ نفع مند ہوئی ان کی تجارت اور نہ وہ ہدایت یافتہ

مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ

ہوئے　ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی ہو پس جب آگ نے روشن کر دیا اس کے

ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ

اردگرد کی چیزوں کو تو سلب کر لیا اللہ نے ان کا نور اور ان کو چھوڑ دیا ایسی تاریکیوں میں کہ وہ کچھ نہ دیکھتے ہوں　وہ بہرے گونگے

عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ

اور اندھے ہیں پس وہ رجوع نہیں کرتے　یا ان کی مثال ایسی ہے جس طرح بارش ہو آسمان سے　جس میں تاریکی اور گرج

جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور جب وہ اس طرف آنے کی کوشش کریں گے تو ملائکہ زبانیہ جہنم کے گرزوں کے ساتھ ان کو مار کر پیچھے ہٹا دیں گے اور مومن ان کا برا حشر دیکھ کر ان پر ہنسیں گے۔ چنانچہ خدا خود فرماتا ہے۔ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ - پ۳۰۔ طول سے بچتے ہوئے روایت کو مختصر کر دیا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ منافقین نے چونکہ واضح دلائل اور آیاتِ قرآنیہ کی اتباع کو چھوڑ کر وساوس شیطانیہ اور عقائد باطلہ کو اپنائے رکھا گویا راہِ جنت پر چلنے کی قدرت رکھنے کے باوجود راہ جہنم کو اختیار کیا اس لئے ان کے اس فعل کو خداوند کریم نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خریدنے سے تعبیر فرمایا اور ساتھ ہی ان کو اس غلط کاری پر متنبہ فرما دیا کہ یہ سودا ان کے لئے فائدہ مند نہ ہوگا۔ اب بھی توبہ کر کے سنبھل جائیں اور اپنے کرتوتوں سے باز آجائیں تو اُن کے لئے بہتر ہے۔

مَثَلُهُمْ الخ خداوند کریم نے منافقین کی روش کو دو مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔

پہلی مثال جس طرح تاریکی شب میں راہ گم کردہ انسان تلاشِ راہ کے لئے مشعل جگائے اور ماحول کے روشن ہو جانے کے فوراً بعد قدرتی اسباب سے اس کی مشعل خاموش ہو جائے تو اس کی آنکھوں کے سامنے بالکل اندھیرا ہو جاتا ہے اور اب وہ کسی شئے کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح ظلمات کفر سے منافقین نے مشعلِ اسلام کی بدولت اپنے ماحول کو روشن تو پا لیا لیکن چونکہ اس مشعل سے ان کا تعلق محض لسانی اور غیر مضبوط ہے لہذا وہ راہِ ہدایت پر گامزن ہونے سے قاصر رہے جب قدرتی سبب یعنی موت کے ذریعہ سے ان کی یہ روشنی چھن جائے گی تو ایسی ظلمات میں گرفتارِ بلا ہوں گے کہ اس سے نکلنے کا ان کے لئے کوئی رستہ نہ ہوگا۔

| وَّبَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ |
|---|
| اور بجلی ہو کر وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہوں (صاعقہ) کڑک کی وجہ سے موت کے ڈر سے اور |
| وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ |
| اللہ کی قدرت محیط ہے کافروں پر (معلوم ہوتا ہے) کہ عنقریب بجلی اچک لے گی ان کی آنکھوں کو جب روشنی ہو گئی |
| مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ |
| ان کے لئے تو اس میں چلنے لگے اور جب تاریکی چھا گئی تو رک گئے اور اگر چاہے تو سلب کرے ان کے کانوں اور |
| اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ |
| آنکھوں کو تحقیق اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے |

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ الخ معجزاتِ باہرات اور آیاتِ بیّنات کو دیکھ کر صحیح راستہ پر گامزن ہو سکنے کے باوجود چونکہ راہِ حق سے منحرف ہیں لہٰذا بمنزلہ اندھوں کے ہیں۔ علاماتِ حق و صداقت کو دیکھ کر بوجہ عناد و سرکشی کلمۂ حق زبان سے ادا کرنے سے کنارا کش ہیں لہٰذا بمنزلہ گونگوں کے ہیں۔ اور ہادیٔ برحق کی زبانی آیاتِ قرآنیہ کو سُن کر عمل پیرا ہونے سے گریز کرتے ہیں لہٰذا بمنزلہ بہروں کے ہیں پس گویا وہ بہرے بھی ہیں اور گونگے اور اندھے بھی ہیں۔ اسی طرح ان کا قیامت میں حشر بھی اسی حالت میں ہوگا چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا پ۱۵۔ ہم ان کو قیامت کے دن منہ کے بل اندھا۔ بہرہ اور گونگا محشور کریں گے۔

اَوْ كَصَيِّبٍ الخ۔ یہ دوسری مثال ہے یعنی جس طرح آسمان سے موسلادھار بارش برس رہی ہو اور اس میں سخت تاریکی بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک بھی ہو اور راہ چلنے والے کڑک سے گھبرا کر موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں اور بجلی کی چمک اتنی تیز ہو کر ان کی آنکھیں خیرہ کر رہی ہوں۔ ایسا معلوم ہو کہ ابھی بجلی ان کی آنکھوں کو لیا چاہتی ہے جب بجلی کی چمک سے روشنی پیدا ہو تو وہ چلنے لگ جائیں اور جب تاریکی ہو تو ٹھہر جائیں۔ پس اسی طرح قرآن بارانِ رحمت ہے اور اس بارانِ رحمت میں منافقین کی حالت بھی ہے کہ جب عذاب کی خبر سنتے ہیں تو کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں اور جب مومنین کے لئے جنت کی بشارت سُنتے ہیں تو آگے بڑھنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں یا جب جہاد کا حکم سُنتے ہیں تو گھبرا کر پیچھے ہٹتے ہیں اور جب فتح کی خبر سنتے ہیں تو غنیمت کے لئے اُن کے دل للچاتے ہیں اور یہ ڈر بھی ان کو دامن گیر رہتا ہے کہ کہیں ہمارے خبثِ باطن کی خبر پیغمبر کو بذریعہ وحی نہ ہو جائے ورنہ کفار کی طرح ہمارے اُوپر بھی عذابِ ظاہری کی بجلی گر کر ہمیں تباہ و برباد کر دے گی۔ اس کے بعد پھر تنبیہ فرما دی کہ اگر خدا چاہے تو

ع۳ ﴿۲۰﴾ یَاۤ اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

اے انسانو! عبادت کرو اپنے اُس رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

بچ جاؤ وہ (اللہ) جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو آرام گاہ اور آسمان کو چھت اور نازل کیا آسمان سے

مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

پانی پس نکالا بذریعہ اس کے پھلوں سے تمہارا رزق پس نہ ٹھہراؤ اللہ کے لئے شریک حالانکہ تم جانتے ہو

ان کی سرکشی اور بدباطنی کی پاداش میں ان سے آنکھوں اور کانوں کی قوت کو سلب کر سکتا ہے اور ان کو اس دنیاوی عذاب میں بھی گرفتار کر سکتا ہے کیونکہ اس کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے لیکن وہ اپنی کمال مہربانی سے ایسا نہیں کرتا، بلکہ مزید سوچنے کے لئے مہلت دیتا ہے تاکہ بروز محشر ان کو عذر پیش کرنے کی جرأت نہ ہو۔ تفسیر برہان میں آئمہ اہل بیتؑ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات ان لوگوں پر صادق ہیں جنہوں نے زبان سے حضرت علیؑ کی ولایت کا جناب رسالت مآبؐ کے سامنے اقرار کیا اور دل سے اس کے مخالف رہے۔ ابن مسعود سے مروی ہے کہ دو منافق جناب رسالت مآبؐ سے خوف زدہ ہو کر بھاگے اور رستہ میں بارش اور رعد و برق کا سامنا ہوا اور آخر کار حضورؐ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہو کر تائب ہوئے اور سچے دل سے مسلمان ہو گئے پس خدا نے مدینہ کے منافقین کو ان کے حال سے تشبیہ دی ہے۔

## تمام انسانوں کو عبادت کی دعوتِ عامہ

یَاۤ اَیُّهَا النَّاسُ الخ۔ انسانوں کی تینوں قسموں یعنی مومن کافر اور منافق کے خصوصی امتیازات اور نشانیاں بیان فرمانے کے بعد تمام انسانوں کو عام خطاب یَاۤ اَیُّهَا النَّاسُ سے متوجہ فرما کر خدا نے عبادت کی دعوتِ عامہ دی ہے اور اس دعوتِ عامہ سے عقیدہ جبر کی ضمنی طور پر نفی بھی کر دی کیونکہ اگر انسان اپنے افعال میں مجبور ہوتا تو خدائے علیم و حکیم سب کو یکساں طور پر دعوت نہ دیتا۔

حاکم کی اطاعت تین طریقوں سے کی جاتی ہے۔

۱۔ کسی کے زیر بار احسان ہو کر انسان فطرتاً اس کی فرمانبرداری پر آمادہ ہوتا ہے۔

۲۔ نافرمانی کی سزا سے خوف زدہ ہو کر اطاعت پر کمربستہ ہوتا ہے۔

۳۔ فرمانبرداری کے بعد انعامات و کرامات کو ملحوظ رکھ کر اطاعت گذار ہوتا ہے۔ اور حاکم بھی بوقت حکم یا اپنے احسانات کی بناء پر حکم کی جرأت کرتا ہے یا نافرمانی پر سزا کی دھمکی دیتا ہے اور یا اطاعت پر انعام کا طمع دیتا ہے۔ یہ ہیں حکم اور اطاعت کے اصول۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا

اور اگر تم شک میں ہو اس چیز (کتاب) سے جو نازل کی ہم نے اُوپر اپنے بندے کے پس لاؤ کوئی سورت اس جیسی یا اس جیسے انسان

شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا

سے اور اپنے مددگاروں کو بھی دعوت دو جو اللہ کے سوا تم نے تجویز کئے ہوئے ہیں اگر تم سچے ہو پس اگر تم ایسا نہ کرو اور ہرگز کر بھی نہ سکو گے تو پس ڈرو

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾

اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے

خدا محسن بھی ہے اور جزا و سزا پر قادر بھی ہے۔ اور یہ تینوں چیزیں مستقل طور پر اپنے اپنے مقام پر اس کی اطاعت کی داعی ہیں۔ اور سب عبادتوں سے بلند ترین عبادت وہ ہے جو اس کے احسانات کے پیش نظر اس کو مستحق عبادت قرار دے کر خشوع و خضوع سے کی جائے چنانچہ مولائے کائنات حلّال مشکلات حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کی مناجات کے الفاظ ہیں۔ اے میرے اللہ! میں تیری عبادت نہ جہنّم کے خوف سے کرتا ہوں اور نہ جنّت کے لالچ سے کرتا ہوں بلکہ تجھے عبادت کا اہل سمجھ کر تیری عبادت کرتا ہوں نیز ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ اے میرے اللہ۔ میری عزت کے لئے یہی کافی ہے کہ میں تیرا عبد ہوں اور میرے فخر کے لئے یہی کافی ہے کہ تو میرا رب ہے۔

پس عبادت کے تین مرتبے ہیں۔ عبادتِ عرفان۔ عبادتِ خوف اور عبادتِ طمع۔ عبادتِ عرفان کا مرتبہ سب سے بلند ہے اس کے بعد عبادتِ خوف ہے اور آخری درجہ عبادتِ طمع کا ہے۔ اس مقام پر پہلے پہل خداوندِ کریم نے دعوتِ عبادت دیتے ہوئے منزلِ معرفت کو مقدم فرمایا اور اپنے احسانات کی نشاندہی فرمائی اور اپنے استحقاقِ عبادت کو دلیل و برہان سے پیش کیا ہے تاکہ انسان بصیرتِ تامہ سے اس کی معرفت حاصل کر کے اس کی عبادت کی طرف قدم بڑھائے۔

یہاں خداوندِ کریم نے اپنی دو صفتوں کو ذکر فرمایا ہے (۱) ربوبیّت (۲) خالقیت۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں حس کے زیادہ قریب ہیں اور ان میں غور کرنے سے اس کے علم۔ قدرت۔ حکمت۔ حیات۔ قدم۔ ارادہ وصدق وغیرہ جملہ صفات ثبوتیہ کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اور صفاتِ سلبیہ کی نفی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی توحید و عدل کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔

انسان اپنی خلقت پر غور کرے کہ کس طرح پانی کے ایک نجس قطرہ سے تدریجی طور پر خونِ بستہ پھر لوتھڑا اور پھر ایک مدّت معیّنہ کے اندر اُسے شکل انسانی میں پیدا کیا اور صرف اس کو نہیں بلکہ ابتداءِ خلقت سے لے کر اس وقت تک کے تمام انسانوں پر اس کا یہی فیض ہے اور آئندہ تا قیامت رہے گا۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اور خوش خبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے کہ تحقیق ان کے لئے بہشتی باغات ہیں کہ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ

جب بھی رزق دئے گئے وہ بہشتی ان باغات میں سے پھلوں کا تو کہیں گے یہ وہی ہے جو رزق دئے گئے ہم اس سے پہلے اور دئے جائیں گے وہ

مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۲۵

پھل آپس میں ملتے جلتے اور ان کے لئے باغات میں پاک بیویاں ہوں گی اور وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ۔

ربوبیّت کی وضاحت کے لئے خلقتِ زمین وآسمان اور نزولِ باران کا ذکر فرمایا ۔ تفسیر برہان میں امام علی زین العابدین علیہ السّلام سے اسی آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ زمین کو اس نے تمہاری طبیعت کے مناسب اور تمہارے جسموں کے موافق خلق فرمایا ۔ نہ سخت گرم تاکہ تمہیں جلادے اور نہ سخت سرد کہ تمہیں جمادے نہ تیز خوشبودار کہ تمہارے سر درد کریں اور نہ اتنی بدبودار کہ تمہاری ہلاکت کا باعث ہو ۔ نہ بہت نرم کہ تمہیں غرق کردے اور نہ بہت سخت کہ تم گھر اور مکان اور مردوں کی قبریں بنانے سے عاجز آجاؤ بلکہ اس نے اس کو ایسی متانت بخشی ہے کہ تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو ۔ رہ سکتے ہو ۔ تمہارے بدن آسودگی سے اس پر گذارا کر سکتے ہیں ۔ نیز تمہارے مکانات گھر قبریں آسانی سے بن سکتے ہیں اور علاوہ ازیں ہر قسم کے منافع تم حاصل کر سکتے ہو ۔ پس زمین کے فرش بنانے کا یہی مطلب ہے پھر فرمایا کہ خدا نے آسمان کو تمہارے اوپر محفوظ چھت بنایا ہے ۔ اس میں شمس وقمر وستارے تمہارے فوائد کے لئے خلق فرمائے پھر جہت بلندی سے باران کا سلسلہ جاری کیا تاکہ پہاڑوں ٹیلوں اور بلندیوں پستیوں پر یکساں سیرابی کا فائدہ دے اور سیرابی زمین کے لئے ایک ایک قطرہ کر کے نازل فرمایا ۔ اگر سب پانی ایک بار برسا دیتا تو تمہاری زمین درخت کھیتیاں اور پھل سب برباد ہو جاتے ہیں ۔ پس اس حسن نظام سے زمین میں تمہارے رزق کا اہتمام کیا لہٰذا اس کے برابر اُن بتوں کو قرار نہ دو جو نہ عقل رکھتے ہیں نہ سُن دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں حالانکہ تم خود جانتے ہو کہ تمہارے یہ بُت کچھ نہیں کر سکتے ۔

اس کے بعد مخالفین ومنکرین کی حجّت کو توڑنے کے لئے ارشاد فرمایا وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ ۔ الآیۃ ۔ یہ خطاب مشرکین اور اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ سب کی طرف ہے یعنی معرفتِ خدا کی براہین سمجھ لینے کے بعد اور اس کی خالقیت اور ربوبیّت سے اس کو مستحق عبادت ماننے کے بعد اگر تمہیں جناب محمد مصطفےٰ کے بیان کردہ احکامِ شریعت اور آیاتِ قرآنیہ میں کوئی شک وشبہ ہو تو وہ اس طرح دُور کیا جا سکتا ہے کہ تم بھی اہلِ لسان ہو اور تم میں فصحاء وبلغا موجود ہیں ۔ پس اس کلام پاک جیسا ایک ٹکڑا تم بھی بنا لاؤ اور اگر ایسا کرنے سے تمہاری مجموعی طاقت بھی قاصر ہو اور یقیناً ہے تو پھر غضبِ خدا اور اس کے عذاب سے ڈرو اور یقین پیدا کرلو کہ یہ بندے کا کلام نہیں ورنہ تم

اس کے مقابلہ سے عاجز نہ ہوتے بلکہ یہ خالق کا کلام ہے اور اسی کی اتباع نجاتِ اُخروی اور فلاحِ دنیوی کا پیش خیمہ ہے۔ یہ معنی اس صورت میں ہوگا جب مِثْلِہٖ کی ضمیر کا مرجع مَا کو قرار دیا جائے اور اگر ضمیر کا مرجع عَبْدِنَا ہو تو پھر معنی یہ ہوگا۔ اے گروہِ عرب جو فصاحت و بلاغت کا دعویٰ رکھتے ہو اگر تمہیں اس کلامِ پاک کی صداقت اور من جانب اللہ ہونے میں شک ہے تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ جیسے شخص کی طرف سے ایسے کلام کا ایک ٹکڑا پیش کرو یعنی ایسا شخص جو ظاہر میں نہ کسی سے پڑھا ہو نہ لکھنا سیکھا ہو نہ کتابوں کا مطالعہ کیا ہو اور نہ کسی عالم کی صحبت میں رہا ہو۔ اور چالیس سال تک سفر و حضر میں تمہارا دیکھا بھالا ہو۔ اور باوجود ان سب باتوں کے ایسا کلام پیش کرے جو علومِ اوّلین و آخرین کا جامع ہو تو سمجھ لو کہ یہ اس کا اپنا بنایا ہوا نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔ اور اگر پھر بھی اس کے کلام اللہ ہونے میں تم کو شک ہو تو تم میں سے اسی جیسا انسان جو ظاہری طور پر اَن پڑھ ہو اس جیسے کلام کا ایک ٹکڑا تو بنا لائے اور تنہا نہیں بلکہ اپنے تمام معاونین سے مدد لے کر ایسا کر دکھائے اور اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا تو یقین کر لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے ورنہ اگر مخلوق کا کلام ہوتا تو تمام فصحاء و بلغا اس کے مقابلہ سے عاجز نہ آتے اور اگر یہ خطاب یہود و نصاریٰ کی طرف ہے تو معنی یہ ہوگا کہ اے یہود و نصاریٰ اگر تمہیں اس کتاب کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شبہ ہے تو اپنی کتب یعنی تورات و انجیل و زبور یا دیگر صحفِ سماویہ سے اس کلام جیسا ایک ٹکڑا پیش کرو اور جب تم ایسا نہیں کر سکتے تو مان لو کہ یہ تمام کلاموں سے افضل ہے اور تمام گذشتہ کتب کا ناسخ ہے پس اس کتاب کے لانے والے نبی کی شریعت گذشتہ شریعتوں کی ناسخ ہے لہٰذا اس کو واجب الاتباع سمجھو اور ضد کر کے اُس آگ کا ایندھن نہ بنو جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے پس خداوندِ علیم و حکیم نے معرفت کا درس دینے کے بعد اتمامِ حجّت کے لئے ان کے شکوک و شبہات کا جواب بیان فرمایا اور اپنے ضد پر اڑ جانے والوں کو سخت سزا سے خوف زدہ بھی کیا تاکہ کسی صورت میں وہ راہِ حق کو اختیار کر لیں اور یہ اللہ کی کمالِ مہربانی کا مظاہرہ ہے ورنہ کسی کے نیک یا بد ہونے سے اس کی عظمت میں نہ کمی آسکتی ہے نہ اضافہ ہو سکتا ہے بلکہ ساری کائنات عبادت کرنے والوں سے پُر ہو جائے تب بھی وہ خدا ہے اور ساری دنیا نافرمانیوں پر ڈٹ جائے تب بھی وہ خدا ہے۔

بَشِّرِ الَّذِیْنَ الخ۔ منصف مزاج طبائع جو دلائلِ حق اور براہینِ صدق سے آشنا ہو کر راہِ مستقیم پر گامزن ہوتے ہیں اور اُن کا دامن ایمان و عملِ صالح سے پُر ہوتا ہے۔ اُن کے لئے یہ خوشخبری ہے۔ اے میرے حبیب! اُن لوگوں کو جنہوں نے ایمان کے ساتھ عملِ صالح کو اختیار کیا۔ بہشت کی خوشخبری سناؤ جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ان کا رزق میوہ ہائے بہشت سے ہوگا جب وہ بہشت کا پھل کھائیں گے تو چونکہ شکل و شباہت میں ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہوگا۔ دیکھ کر کہیں گے کہ اس کو تو ہم کھا چکے ہیں لیکن ذائقہ و مزہ میں سب مختلف ہوں گے کھانے کے بعد معلوم ہوگا کہ وہ اور تھا اور یہ اور ہے یا یہ کہ اُخروی پھل دنیا کے پھلوں سے رنگ میں مشابہت رکھتے ہوں گے لہٰذا بہشتی لوگ دیکھتے ہی کہیں گے کہ ہم دنیا میں ایسے پھل کھا چکے ہیں لیکن جب چکھیں گے تو معلوم ہوگا یہ وہ نہیں جو دنیا میں ہم کھا چکے ہیں بلکہ اسکو تو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ چہ نسبت خاک را بعالمِ پاک

معرفت اور تمام حجت کے بعد خوفِ سزا اور وعدۂ انعام واکرام اطاعت کے لئے آخری محرک ہیں اور قبولِ نصیحت کے لئے انتہائی موثر ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنی ضد پر ڈٹا رہے اور اپنی ہٹ دھرمی پر اڑا رہے تو اس کا علاج ہی کیا ہے؟

انسان کو آرام و آسائش کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ مقام رہائش، اسباب خورد و نوش اور بیوی، اور یہ تینوں چیزیں اگر مرغوبِ خاطر اور موافق مزاج حاصل ہو جائیں تو زندگی کا کوئی پہلو تلخ نہیں ہوتا۔ مکان اچھا، غذا اچھی اور بیوی اچھی۔ خداوند کریم نے نعماتِ جنّت میں سے ان کا اس مقام پر خصوصیت سے ذکر فرمایا کہ اہل بہشت کے مکانات باغاتِ جنّت میں ہوں گے جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ ان کی خوراک میوہ ہائے جنّت ہو گی۔ اور ان کی بیویاں پاک و پاکیزہ ہوں گی۔ نہ شکل کثیف۔ نہ لباس کثیف نہ عادات و خصلات میں کثافت۔ گویا روحانی و جسمانی، یا ظاہری و باطنی جملہ کثافتوں اور عیبوں سے پاک و صاف ہوں گی۔ انسان کی لذّات کا زیادہ تر دارو مدار انہی چیزوں پر ہے جو مومنین کے لئے خدا نے جنّت میں مخصوص فرمائی ہیں لیکن دنیا و آخرت کی نعمات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دنیا میں اگر کوئی شخص اس قسم کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو بھی تاہم لذاتِ دنیا چونکہ فانی ہیں اور قریب الزوال ہیں لہٰذا ہر شخص آخر کار بغیر سیر ہوئے ان نعمات سے دست برداری پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور بیماری یا موت اس سے یہ نعمات سلب کر لیتی ہے۔ لہٰذا خداوند کریم نے جنّت میں مومنین کے لئے جو جو نعمات مخصوص فرمائی ہیں ان سے اس خطرہ کو دُور فرما دیا ہے کہ وہ نعمات کسی وقت چھینی نہ جائیں گی۔ نہ موت آئے گی نہ بیماری کا خطرہ ہو گا بلکہ جنّت والے ہمیشہ ہمیشہ ان نعمات سے محظوظ ہوتے رہیں گے۔

تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے ایک طویل روایت کے ضمن میں منقول ہے۔ اے گروہِ شیعہ اللہ سے ڈرو۔ اور آتش جہنّم کا ایندھن نہ بنو اللہ کا کفر نہ کرو۔ اپنے مومن بھائیوں پر ظلم کرنے سے بچو تاکہ جہنّم سے بچ جاؤ ورنہ جو مومن اپنے مومن بھائی پر ظلم کرے گا وہ آتشِ جہنم میں گراں بار زنجیروں میں جکڑ کر ڈالا جائے۔ اور اس کا چھٹکارا ہماری شفاعت کے بغیر نہ ہو گا لیکن ہم بھی شفاعت نہ کریں گے جب تک وہ مظلوم مومن اس کو معافی نہ دے گا حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جنّت کا بلند ترین درجہ ان مومنوں کے لئے ہے جو دوسرے مومنین سے ہمدردی کریں اور فقراء مومنین کی خبر گیری کریں۔ ایک مومن کی دوسرے مومن فقیر سے محبّت و پیار کی پاکیزہ گفتگو جنت کو ایک لاکھ برس کی راہ سے زیادہ قریب کر دیتی ہے۔ پس مومن بھائی پر احسان کرنا معمولی نہ سمجھو۔ ورنہ اس وقت پچھتاؤ گے جب اس کا فائدہ نہ ہو گا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا

تحقیق اللہ نہیں شرماتا اس سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی ہو یا اس سے کسی بڑی چیز کی ہو وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں

فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ

پس جانتے ہیں کہ تحقیق وہ حق ہے ان کے رب کی جانب سے اور بہرحال وہ لوگ جو کافر ہیں پس کہتے ہیں کہ یہ کیا ارادہ کیا ہے اللہ

اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ

نے ساتھ اس مثال کے گمراہ کرتا ہے ساتھ اس کے بہت سوں کو اور ہدایت فرماتا ہے ساتھ اس کے بہت سوں کو حالانکہ نہیں گمراہ کرتا ساتھ

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي ۔ الایۃ ۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب قرآن مجید میں خداوند کریم نے مکھی اور مکڑی کی مثالیں بیان فرمائیں تو مشرکین نے اس پر نکتہ چینی کی کہ خدا کی شان سے ایسی حقیر چیزوں کی مثالیں پیش کرنا بعید ہے تو یہ آیت اتری کہ بیان کے لئے خدا چھوٹی یا بڑی چیز کی مثال پیش کرنے سے نہیں شرماتا ۔ خواہ وہ مچھر کی مثال ہو یا اس سے بڑی چیز مثلاً مکھی کی مثال ہو اور بعض نے کہا ہے کہ وما فوقہا سے مراد وہ چیز جو چھوٹائی میں اس مچھر سے بھی زیادہ ہو یعنی خواہ مچھر کی مثال ہو یا حجم میں اس سے بھی چھوٹی چیز کی مثال ہو ۔ یہ اعتراضات کفار کے عناد اور حد درجہ کی جہالت پر مبنی ہیں کیونکہ مخلوق بڑی سے بڑی ہو یا چھوٹی ہو مخلوقِ خدا ہونے میں تو سب یکساں ہیں اور بعض اوقات چھوٹی چیزوں میں وہ خوبیاں پنہاں ہوتی ہیں جس سے بڑے حجم والی مخلوق محروم ہوا کرتی ہے ۔

علامہ طبرسی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اس مقام پر مچھر کے ذکر کرنے سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ مچھر باوجود اتنے چھوٹے جسم رکھنے کے خداوند کریم نے اس میں تمام وہ اعضاء پیدا کئے ہیں جو ہاتھی کے بڑے جسم میں موجود ہیں پس خدا نے اپنے حسن صنعت پر غور و فکر کے لئے کفار کے سامنے یہ مثال پیش فرمائی ہے ۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۔ الایۃ ۔ مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآنی آیات کو سن کر اعتراضات اور نکتہ چینیاں شروع کر دیں اور ازراہِ عناد انکار پر آمادہ ہوئے تو وہ گمراہ ہو گئے ، چونکہ سبب ان کی گمراہی کا تکذیب آیاتِ قرآنیہ ہی تھا ۔ اور نزولِ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اس بنا پر گمراہی اللہ کی طرف منسوب ہوئی اور جن لوگوں نے ان مثالوں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھا اور آیاتِ قرآنیہ کے احکام کو تسلیم کر کے سر جھکا لیا وہ راہِ ہدایت پر موفق ہوئے پس ان کی ہدایت اللہ کی طرف سے ہوئی ۔ خیر و شر کو اللہ کی طرف منسوب کرنے والے یعنی جبر کے معتقد ۔ اس قسم کی آیاتِ قرآنیہ کو اپنے عقیدہ کی دلیل قرار دیتے ہیں اور ہم نے تفصیل کے ساتھ اس عقیدہ کی پوری طرح تردید رکوع نمبرا کے ذیل میں کی ہے لہذا اس مقام پر دُہرانے کی ضرورت نہیں ہاں البتہ اتنا عرض کر

إِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ

مگر فاسقوں کو جو توڑتے ہیں اللہ کا عہد بعد پکا کر لینے کے اور قطع کرتے ہیں

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾

اس چیز کو کہ اللہ نے حکم فرمایا ہے اس کے ملانے کا اور فساد کرتے ہیں زمین میں وہی ہیں خسارہ پانے والے

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

اور کس طرح کفر کرتے ہو ساتھ اللہ کے حالانکہ تم مردہ تھے پس اس نے تم کو زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر جلائے گا

ضروری ہے کہ آیت کا سیاق و سباق خود اس عقیدہ کی تردید کر رہا ہے۔ چنانچہ پہلے ارشاد ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ ان مثالوں کو حق سمجھتے ہیں یعنی اپنے اختیار سے ایمان لاکر ان کو حق سمجھتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ جن کو ایمان پر مجبور کیا گیا وہ حق سمجھنے پر مجبور ہیں۔ اور جو لوگ کافر ہیں یعنی سمجھنے سوچنے کے بعد از راہِ عناد و انکارِ حق پر کمربستہ ہیں وہ قرآنی امثال پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ جن کو کفر پر مجبور کیا گیا وہ نکتہ چینیوں پر مجبور ہیں ورنہ اگر ایمان والوں کو ایمان پر مجبور کر کے ان سے حق تسلیم کرایا جاتا تو وہ ہرگز قابلِ مدح نہ ہوتے اور اسی طرح کافروں کو اگر کفر پر مجبور کر کے ان سے انکار کرایا جاتا تو وہ قابلِ مذمت نہ ہوتے پس معلوم ہوا کہ ان کا ایمان فعل اختیاری تھا۔ جس کا نتیجہ آیاتِ قرآنیہ کا تسلیم کرنا تھا پس وہ قابلِ مدح ہیں اور ان کا کفر فعلِ اختیاری تھا جس کا نتیجہ آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب تھی لہذا وہ قابلِ مذمت ٹھہرے اور قوتِ اختیار چونکہ ہر انسان کو اللہ کی عطا کردہ ہے لہذا نسبت اللہ کی طرف دی گئی۔ یہ ایسا ہے جس طرح ایک لوہار کسی کو تلوار بنا دے تاکہ دشمنِ اسلام سے جہاد کرے اور وہ بدبخت اسی تلوار سے کسی مومن کو قتل کر دے اب ظاہری طور پر تو کہا جائے گا کہ اس مومن کے قتل کا باعث وہ لوہار ہے جس نے اس کو تلوار بنا کر دی لیکن حقیقت شناس لوگ لوہار کی طرف اس نسبت سے کبھی دھوکا نہ کھائیں گے بلکہ وہ سمجھیں گے کہ یہ شرارت قاتل کے سوءِ اختیار کا نتیجہ ہے اور اس معاملہ میں صرف وہی مجرم ہے۔ اسی طرح اللہ نے انسان کو قوتِ اختیاریہ و ارادیہ عطا فرما کر حق و باطل سے روشناس کرا دیا۔ اب انسان چاہے تو اپنی طاقت کو امورِ خیر میں صرف کرے اور چاہے تو امورِ شر میں استعمال کرے اس نے تو صاف طور پر فرما دیا (لا اکراہ فی الدین) اب اپنے اختیار سے اگر انسان برائی کا اقدام کریں تو چونکہ اس کی طاقتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ لہذا اللہ کی طرف اس کے فعل کو منسوب کیا جاتا ہے اور حقیقت شناس خود سمجھ سکتے ہیں کہ یہ نسبت مجازی ہے۔ درحقیقت اس برائی کا ذمہ دار وہ شخص ہے جس نے اپنے سوءِ اختیار سے افعالِ بد کا ارتکاب کیا اور آیتِ مجیدہ کے آخری لفظ بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ گمراہ صرف وہی ہوتے ہیں جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اور جس کو ملانے کا حکم ہے اس کو قطع کرتے ہیں۔ اور زمین میں فساد بپا کرتے ہیں اگر گمراہ اللہ نے

| |
|---|
| ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى |
| پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے — وہ وہی خدا ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے تمام ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں پھر متوجہ ہوا |
| اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ |
| طرف آسمان کے پس ٹھیک بنایا ان کو سات آسمان اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے |

کیا ہوتا تو عہد شکنی قطع رحمی اور فساد کاری کی نسبت بھی اللہ کی طرف ہوتی - پس معلوم ہوا کہ یہ سب افعال ان کے اختیاری ہیں اور اسی لئے تو آخر میں فرمایا کہ وہ خسارہ پانے والے ہیں۔ اگر گمراہی اللہ کا فعل ہوتی تو ان کے خسارہ کی ذمہ داری بھی اللہ پر ہوتی -

اس کے بعد پھر ان کو عار اور شرم دلانے کے لئے اپنے احسانات کا تذکرہ فرماتا ہے - چنانچہ ارشاد ہے وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ یعنی اے انسانو! تم کس ضمیر سے اس اللہ کا کفران نعمت کرتے ہو جس نے تمہیں موت کے بعد حیات دی یعنی تم عدم سے نکال کر صفحۂ ہستی پر زندگی بخشی اور پھر یہ بھی نہیں کہ تم ہمیشہ اس زندگی میں رہو اور تمہیں اس کے بعد بازپرس کرنے والا کوئی نہ ہو بلکہ اس کے بعد وہی خدا تمہیں موت سے ہم آغوش کرے گا اور تمہاری ظاہری کروفر کو مٹی میں ملادے گا اور اس کے بعد پھر تمہیں سوال وجواب کے لئے زندہ کرے گا اور پھر اس کی طرف تمہاری بازگشت ہوگی۔ اب ہر عقلمند انسان ان آیات میں غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اگر ایمان وکفر انسان کے اختیار میں نہ ہوتے تو ان چیزوں کے ذکر کرنے کا اور عبرت دلانے کا کیا فائدہ ؟

هُوَ الَّذِيْ پھر اپنے احسان خلقت کو جتلا کر دعوت فکر دی ہے اور کفران نعمت سے باز رہنے کی تحریک فرمائی ہے کہ کیا اپنے اس خالق کا کفر کرتے ہو جس نے تمہیں خلعت وجود سے سرفراز فرما کر زمین کی تمام چیزوں کو تمہاری نفع رسانی کے لئے پیدا کر دیا تاکہ تم اس میں رہو اور کھاؤ اور پیو لیکن کیا اس محسن کے احسان کا بدلہ یہی ہے کہ تم سب ان باتوں کو بھول کر شیطان کی پیروی کرو؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ تم پھر سوچو اور بار بار غور وفکر کرو تمہاری عقلیں قطعاً تمہیں اس کے کفر وانکار کی اجازت نہ دیں گی - اور اس احسان کے ذکر فرمانے کے بعد اپنی عظمت وقدرت پر متنبہ فرما دیا کہ صرف تمہیں اور ان زمین کی مخلوق کو ہی نہیں بلکہ اس کی قدرت وعظمت کا ادنیٰ کرشمہ ہے کہ اس نے آسمانوں کی خلقت کا ارادہ فرما کر بغیر ستونوں کے سات آسمان پیدا کر دیئے اور ان کو ستاروں کی روشن قندیلوں سے مزین فرما دیا اور شمس وقمر سے عالم کو منور کر دیا اور جس طرح وہ ان چیزوں کی خلقت پر قادر ہے وہ ان تمام اشیاء کے تمام کلی وجزوی امور کو جانتا ہے۔

جو لوگ خدا کو فاعل مجبور جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے بلا اختیار یہ سب کچھ بنایا ہے یعنی جس طرح سورج سے بلا اختیار روشنی پھوٹتی ہے اسی طرح خالق کائنات کا یہ فیض اس کی ذات سے خود بخود صادر ہے - پس خداوند کریم نے نعمت خلقت کے ذکر

کرنے کے بعد فوراً اس عقیدہ باطلہ کی تردید فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ یعنی وہ اللہ جس نے یہ سب کچھ خلق فرمایا ہے۔ وہ اس ... کچھ کو جاننے والا ہے۔ کیونکہ علم ہو تو ارادہ ہوتا ہے اور ارادہ کے بعد شئے کا وجود ہوتا ہے یعنی فعل ارادہ کے بعد اور ارادہ علم کے بعد ہوتا ہے۔ اور اس قسم کے افعال کو جو ارادہ و علم کے بعد معرض وجود میں آئیں افعال اختیاریہ کہا جاتا ہے بخلاف اس کے افعال اضطراریہ میں نہ پہلے ارادہ ہوتا ہے اور نہ علم۔ پس خدا نے اپنے علیم ہونے کا ذکر فرماکر تنبیہ فرمادی ہے کہ میرے تمام احسانات اختیاری ہیں۔ لہٰذا مخلوق پر ان کا شکر واجب ہے اور اس کی اطاعت ضروری ہے۔

سوال۔ اس مقام پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند علیم و حکیم نے زمین کو پہلے خلق فرمادیا ہے اور آسمانوں کو اس کے بعد خلق کیا۔ لیکن ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا۔ پ ۳۰۔ نازعات۔ (ترجمہ) کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان جس کو اس نے بنایا۔ اس کی چھت کو بلند اور درست کیا اور اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے دن کو ظاہر فرمایا اور زمین کو اس کے بعد بچھایا۔

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کی تخلیق زمین سے پہلے ہے۔

جواب۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہے جس طرح اس جگہ ارشاد ہے لیکن زمین کا بچھانا اور پھیلانا خلقت آسمان کے بعد ہے جس طرح اس جگہ موجود ہے لہٰذا دونوں مقامات پر کوئی تنافی وغیرہ نہیں ہے لیکن یہاں پھر سوال کی گنجائش ہے کہ اس مقام پر یہ فرماتا ہے کہ زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے خلق کیا اور پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور سات آسمان بنائے۔ پس جب زمین کی تمام اشیاء خلقت آسمان سے پہلے ہیں تو ظاہر ہے کہ زمین بچھائی بھی پہلے گئی کیونکہ چیزوں کی پیدائش زمین کے بچھائے جانے سے پہلے نادرست ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ زمین کی سب پیداوار آسمانوں کی خلقت سے پہلے کہاں ہے؟ بلکہ زمین میں پیدا ہونے والی چیزیں خواہ انسان ہوں یا دیگر مخلوق علی الترتیب معرض وجود میں آتے ہیں اور قیامت تک خلقت کا یہ سلسلہ برقرار رہے گا لہٰذا خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زمین کی سب پیداوار بیک وقت خلقت آسمان سے پہلے ہوئی بلکہ تدریجی پیدائش مقصود ہے کیونکہ رات دن اور زمانہ رفتار فلک سے بنتا ہے اور اوقات کی تعیین شمس و قمر کے دور سے ہوتی ہے اور زمین کی اکثر پیداوار اور ان کی نشوونما گردش فلک اور اجرام سماویہ شمس و قمر و نجوم کی ضیاء پاشی کی مرہون ہیں لہٰذا ممکن نہیں کہ زمین کی پیداوار سب کی سب خلقت افلاک سے پہلے ہو۔ پس آیت میں صرف خلقت زمین کا خلقت آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر آسمان کی خلقت کا زمین کے بچھانے سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے اور کوئی منافات نہیں ہے۔

جواب (۲) ثُمَّ کی لفظ ہر دو مقاموں پر بعدیت زمانی کے معنے میں نہیں بلکہ ہر دو مقام پر ذات احدیت نے اپنی قدرت و حکمت اور احسان و انعام میں انسان کو دعوت فکر دی ہے۔ اس مقام پر انسان کو اپنی پیدائش و موت و زندگی اور خلقت زمین اور اس کی

ع وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا

اورجب کہا تیرے رب نے ملائکہ کو تحقیق میں پیدا کرتا ہوں زمین میں خلیفہ تو انہوں نے کہا کیا پیدا کرتا ہے تو

مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ

اس میں ایسے شخص کو جو فساد کرے گا اس میں اور خونریزی کریگا حالانکہ ہم تیری تسبیح حمد کی کرتے ہیں اور ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ فرمایا

اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ

تحقیق میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور تعلیم کئے آدم کو نام سب، پھر پیش کیا ان کو (جن کے نام آدم کو بتلائے تھے) فرشتوں

فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ

پر پس فرمایا مجھے بتاؤ نام ان کے اگر تم سچے ہو تو انہوں نے عرض کی تو پاک ہے ہمیں کوئی

لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ

علم نہیں مگر اس قدر جو تو نے تعلیم فرمایا تحقیق تو جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے فرمایا اے آدم تو بتا ان کو

جملہ نعمات میں غور کرنے کی دعوت دے کر اپنی عبادت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور کفران نعمت سے منع فرمایا ہے اور اس کے بعد خلقت آسمان میں غور کرنے کی دعوت دی ہے تاکہ انسان علوی و سفلی ہر قسم کی مخلوق میں فکر کرکے معرفت خدا حاصل کر سکے اور دوسرے مقام پر اپنے مظاہر قدرت پر روشنی ڈالتے ہوئے خلقتِ آسمان اور شب و روز کی پیدائش کی طرف متوجہ کرکے زمین اور اس میں جملہ نعمات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ یہاں خلقتِ ارض و سماء کے مقدم یا موخر ہونے کا ذکر نہیں بلکہ دعوتِ فکر میں مناسبتِ مقام کے اعتبار سے تقدیم و تاخیر ہے لہذا کوئی منافات نہیں۔ از مجمع البیان۔

## ذکرِ خلقتِ آدمؑ

وَاِذْ قَالَ۔ چونکہ اس سے پہلے انسان کی خلقت کا ذکر ہوا لہذا سوال ہو سکتا تھا کہ کب؟ تو یہاں اس کی وضاحت کا بیان ہوا کہ جب اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کو کہا تھا کہ میں زمین میں خلیفہ بناتا ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ تمام ملائکہ کو خطاب کیا تھا اور ابن عباس سے منقول ہے کہ صرف زمین کے ملائکہ کو خطاب ہوا تھا جو قوم جنات کے بعد زمین پر ساکن کئے گئے تھے۔ اور تفسیر برہان میں امام زین العابدین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ وہ عرش کے گرد رہنے والے ملائکہ تھے کیونکہ ان کے دلوں میں یہ خیال گزرا تھا کہ ہم اللہ کی مقرب ترین مخلوق ہیں ہم سے افضل مخلوق اور کوئی نہ ہو گی پس انہی سے آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا مطالبہ ہوا اور ملائکہ کے جمع کے صیغے پر الف و لام کا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ تمام ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوا ہے۔

بِاَسۡمَآئِهِمۡ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ

نام ان کے پس جب اس (آدم) نے ان کو ان کے نام بتائے فرمایا کہ میں نے نہیں کہا تھا تم کو کہ تحقیق میں آسمانوں اور زمینوں

غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۲۳﴾

کے غیبوں کو جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو

ابن عباس سے منقول ہے کہ ان کو بتا دیا گیا تھا کہ اولادِ آدم میں سے ایسے لوگ ہوں گے جو فساد اور خونریزی کریں گے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلے زمین پر جنّوں نے چونکہ فسادات و خونریزیاں کی تھیں اسی بناء پر ملائکہ نے اندازہ کر لیا کہ یہ بھی ایسا کریں گے۔ چنانچہ بعض روایات ائمہ سے بھی اسی قول کی تائید موجود ہے۔ عیاشی سے تفسیر برہان میں منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ فرشتوں نے اس سے پہلے فساد و خونریزیاں کرنے والوں کو نہ دیکھا ہوتا تو ان کو یہ کیسے معلوم تھا کہ یہ بھی فساد و خونریزی کریں گے؟ فرشتوں کو خدا کی تعلیم سے یا سابق تجربہ سے جب یہ بات معلوم تھی کہ اولادِ آدمؑ زمین پر فساد و خونریزی کرے گی تو انہوں نے ازراہِ تعجب نہ بصورتِ اعتراض سوال کیا کہ کیا تو ایسی مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور زمین کا خلیفہ بناتا ہے جو فساد و خونریزی کرے؟ اور اس کے بعد انہوں نے اپنی تسبیح و تقدیس کو بھی ظاہر کر دیا کہ ہم تیرے تسبیح گزار اور تیری پاکیزگی کا ذکر کرنے والے ہیں۔ بعض تفاسیر میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ فرشتوں نے زمین کی خلافت اپنے لئے طلب کی تھی اور اسی بناء پر انہوں نے اپنی تسبیح و تقدیس بھی جتلائی تھی اور جب اللہ نے فرمایا کہ تم اس مصلحت کو نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو انہوں نے فوراً توبہ کی اور عرش کی پناہ لی اور اُن کی توبہ منظور ہوئی۔ اور جب حضرت آدمؑ علیہ السلام سے ترکِ اولیٰ ہوا تو انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور ان کی توبہ منظور ہوئی اور روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ندا آئی کہ تیری اولاد میں سے جو بھی اس مکان پر حاضر ہو کر اپنے گناہ سے توبہ کرے گا میں اس کی توبہ قبول کروں گا۔

اجمالی طور پر تو ملائکہ کو معلوم ہو گیا کہ آدمؑ کی خلافت میں مصلحت ہے اور انہوں نے خلافِ مصلحتِ خدا لب کشائی کی اور توبہ بھی کر لی جو منظور ہو گئی لیکن ان کو وجہ معلوم نہ ہو سکی جس سے وہ خود اعتراف کرتے کہ ہاں بے شک ہم غلطی پر تھے اور آدمؑ ہم سے افضل ہے پس اس تفصیل کو یوں پیش فرمایا جیسا کہ تفسیر برہان میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ خداوند کریم نے حضرت آدم کو تمام انبیاء کے نام اور حضرت محمد مصطفےٰ حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ اور اُن کی ذریت طاہرہ اور ان کے مخصوص شیعوں اور سرکش دشمنوں کے نام تعلیم فرمائے اور پھر عالم اشباح میں چہاردہ معصومینؑ کے انوار کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو ان کے ناموں کی تفصیل وار خبر دو۔ پس ملائکہ نے عاجزی کا اظہار کیا اور کہا کہ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا۔ الآیہ۔ یعنی ہمیں صرف اتنا ہی معلوم ہے جتنا تو نے ہمیں تعلیم فرمایا اور بس اس کے

بعد آدمؑ کو خدا نے حکم دیا کہ تو ان کو اُن یعنی انبیاء و ائمہ کے ناموں کی خبر دے پس جب حضرت آدمؑ نے نام تبلائے تو خدا نے ملائکہ سے انبیاء و آئمہ پر ایمان لانے اور ان کو اپنے سے افضل ماننے کا عہد و پیمان لیا (یعنی ملائکہ نے تسلیم کر لیا کہ واقعی گروہ انبیاء و آئمہ ہم سے افضل و برتر ہیں) اور پھر ارشاد ہوا کہ کیا میں نے تم کو کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کے غیبوں کو جانتا ہوں اور میں اس چیز کو بھی جانتا ہوں جس کو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور اس کو بھی جانتا ہوں جس کو تم پوشیدہ رکھتے ہو (ملخصاً ترجمہ) اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کو اپنے تمام ہونے والے حُجج (یعنی انبیاء و ائمہ) کے نام تعلیم فرمائے اور عالمِ ارواح میں ان کو ملائکہ کے سامنے ظاہر کیا اور فرمایا کہ اگر تم اپنی تسبیح و تقدیس کے بل بوتے پر زمین کی خلافت کے استحقاق کے دعویٰ میں سچے ہو تو ان ناموں کی خبر دو تو انہوں نے عرض کی۔ ہم تو صرف وہی جانتے ہیں جو تو نے ہمیں بتلایا ہے اور بس۔ اور ہر چیز کا دانا و بینا صرف تو ہی ہے۔ پس ارشادِ قدرت ہوا۔ اے آدمؑ تو ان کو ان کے ناموں کی خبر دے پس جب آدمؑ نے ان کو ان کے نام تبلائے تو ملائکہ کو ان کے اللہ کے نزدیک عظیم المرتبت ہونے کا علم ہوا اور جان گئے کہ واقعی زمین کی خلافت اور مخلوق میں حجۃ اللہ ہونے کے یہی حقدار ہیں۔ پس خدا نے ان کو ملائکہ کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا اور ان سے ان کی ولایت و محبّت کا اقرار لیا اور فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کے غیبوں اور تمہاری ظاہر و پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں۔

بروایت مجمع البیان ابن عباس سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے حضرت آدم کو تمام نام اور کاریگریاں زمینوں کی آبادکاری، اشیاء خوردنی۔ اور یہ معدنیات درخت لگانا اور ان کے منافع بلکہ دین و دنیا کی آبادی کے لئے جتنے اُمور کی ضرورت تھی، سب تعلیم فرمائے تھے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ تمام دنیا کی تمام موجودہ و غیر موجودہ اشیاء کے ہر زبان میں نام سکھائے تھے اور حضرت صادق علیہ السّلام سے منقول ہے۔ زمینوں، پہاڑوں۔ وادیوں اور گھاٹیوں کے نام بھی آدمؑ کو تعلیم کئے گئے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی بساط کی طرف جو نیچے بچھی تھی۔ اشارہ کر کے فرمایا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو اس کا نام بھی بتایا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ تمام ملائکہ اور قیامت تک کی اپنی نسل کے نام تبلائے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ تمام چیزوں کے القاب معانی اور خواص تعلیم فرمائے تھے اور قرآن مجید کے یہ الفاظ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (یعنی حضرت آدمؑ کو تمام نام تعلیم کئے) اسی عموم پر دلالت کرتے ہیں۔

لیکن کیا ان تمام چیزوں کو ملائکہ پر پیش کیا گیا اور ان سے ان تمام کے نام تبلانے کا سوال کیا تو قرآن کے ظاہری الفاظ یہ ہرگز نہیں بتلاتے کیونکہ ارشاد ہے ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ (یعنی پھر پیش کیا ان کو فرشتوں پر) اور ھُم کی ضمیر صرف ذوی العقول کے لئے ہی استعمال ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ ذوی العقول زیادہ تھے اور غیر ذوی العقول کم تھے۔ اس لئے غلبہ ذوی العقول کو حاصل تھا پس ذکر ذوی العقول کا کیا گیا اور مراد سب چیزیں ہیں۔

لیکن میرے خیال میں اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام تبلانا اور اس کو اس نعمتِ علم سے سرفراز فرمانا شانِ اُلوہیت ہے جس کو وہ نبی بنا کر بھیجے اس کی علمی کمزوری شانِ اقدس الہٰی کے انتخاب پر نقص کی موجب ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ امتحان و مقابلہ کے مقام پر یا کسی کی امتیازی شان کو اجاگر کرنے کے لئے اس کی ساری علمی پونجی کو حرف بحرف معرضِ ظہور میں لایا جائے بلکہ ایسے مقامات پر صرف چند خصوصی نکات کا دریافت کر لینا ہی کافی ہوا کرتا ہے جس سے مدمقابل پر اُس کی برتری واضح ہو جاتی ہے اور اس مقام پر چونکہ معیارِ خلافت کو ظاہر کرنا تھا۔ لہذا باقی دنیاوی منافع کی اشیاء کے نام یا ان کے خواص کے متعلق سوال و جواب ایسا ہے جس طرح کسی سکول کے ماسٹر کے انتخاب کے لئے اُمیدواروں میں ہل چلانا یا باغ لگانا یا کوئی دوسرا اس قسم کا پہلو معیارِ کامیابی قرار دیا جائے بلکہ اس جگہ تو اسی موضوع کے متعلق سوالات ہی موزوں ہوں گے۔ مثلاً کیفیت تدریس یا ماہر مدرسین کی خصوصیات و حالات اور ان کا طرزِ عمل ہی موضوعِ امتحان ہوگا۔ اور اس میں سبقت معیارِ انتخاب ہوگی۔ اسی طرح ڈاکٹری امتحان میں تجارتی سوالات کا آنا ناموزوں ہے بلکہ اسی ہی موضوع سے متعلق سوالات مناسب ہیں۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ یعنی بالمقابل اُمیدواروں میں سے انتخاب کے لئے موزوں و کامیاب وہی قرار دیا جاتا ہے جو اسی مقام و نشست کے لئے زیادہ اہل ہو۔ اور اس کی اہلیت تب ہی معلوم ہوگی کہ اسی مقام و نشست کی نوعیت کے سوالات اس سے کئے جائیں اور وہ ان کو حل کر دے اس مقام پر ملائکہ خواہشمند تھے کہ خلافت ہم میں ہو۔ اور خدا کی مصلحت آدمؑ کی خلافت میں تھی۔ پس فرشتوں نے اپنی تسبیح و تقدیس جتلائی۔ اور وہ یہ سمجھے کہ شائد تسبیح و تقدیس ہی معیارِ خلافت ہوگی۔ اور حضرت آدمؑ کی اولاد سے چونکہ فساد و خونریزی متوقع ہے لہذا ایسی مخلوق خلافت کے اہل نہیں ہوگی۔

پس چونکہ ہر دو طرف اُمیدوارانِ خلافت تھے لہذا امتحان بھی اسی نوعیت سے مناسب تھا۔ چنانچہ پہلی دونوں روائتوں کے مضمون کے مطابق تمام خلفاء اللہ (جن کے افضل و سردار محمدؐ و آلِ محمدؐ تھے) کے نام پیش کئے گئے جن کے جواب سے ملائکہ قاصر رہے اور آدمؑ نے بتا کر فرشتوں سے اپنی علمی برتری کا لوہا منوالیا۔

سوال۔ یہ عجیب مقابلہ ہے۔ آدمؑ کو خدا نے نام تبلا دیئے تھے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے کہ اس کو اللہ نے تبلائے اور فرشتوں کو نہیں تبلائے تھے تو اس مقابلہ میں فرشتوں نے خواہ مخواہ ہار کھانی ہی تھی۔ اور عدلِ خداوندی کا تقاضا یہی ہے کہ فریقین کو تعلیم برابر دے کر مقابلہ کروانا حالانکہ ایسا نہیں ہوا؟

جواب (۱) مثال کے طور پر اگر ایک اُستاد اپنے دو شاگردوں میں سے ان کی استعداد یا رجحان طبع کے ماتحت ایک کو ایک فن کی تعلیم دے کر اس کی ڈیوٹی اسی فن کے ماتحت معین کر دے اور دوسرے کو کوئی دوسرا فن دے کر اس کو اسی نوعیت کی ڈیوٹی سپرد کرنا چاہے۔ اور پہلا شاگرد اپنے فن کے بل بوتہ پر دوسری ڈیوٹی کے سنبھالنے کی خواہش کرے تو اُستاد اُسے اپنی غلطی تسلیم

کرانے کے لئے دوسرے فن کے متعلق اس سے سوال کرکے اس کو خاموش کردے تاکہ وہ خود بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جائے کہ واقعی میری خواہش نادرست ہے۔ اور میرا فن صرف میری اپنی ڈیوٹی کے لئے کارآمد ہے اور اس دوسری ڈیوٹی کے لئے وہی موزوں ہے جو اس کا صاحب فن ہے تو اس صورت میں پہلے شاگرد کو یہ کہنے کی مجال نہیں کہ مجھے وہ فن کیوں نہ سکھایا گیا۔ پس اس میں نہ پہلے شاگرد پر تشدد و ظلم لازم آتا ہے اور نہ استاد کی جنبہ داری کا سوال پیدا ہوتا ہے کیونکہ استاد ان مصالح کو خود بہتر جانتا ہے یا حکومت وقت ایک شخص کو کسی ملک کی سفارت کے لئے نامزد کرکے اس کو اسی عہدہ کے متعلق امور ضروریہ کی تعلیم دے کر دفتر سفارت کے کاغذات اس کو سپرد کردے اور پھر دوسرے شخص کو عدلیہ کا محکمہ سپرد کرنے کے لئے اس کو اس نوعیت کی تعلیم دلوا کر عہدہ سپرد کرنا چاہے اور پھر سفیر اپنے علم سفارت کے پیش نظر عدلیہ کے عہدہ کی خواہش کرے اور بصورت ناکامی اپنی غلطی تسلیم کرے تو اسے یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ مجھے پہلے سے وہ تعلیم کیوں نہ دلوائی گئی۔ پس اس میں نہ دل آزاری ہے اور نہ جنبہ داری۔ جب ظاہری دنیا کا یہ حال ہے کہ انتخاب کرنے والے کے طرز عمل کو مناسب مصلحت سمجھ کر ایک فن کا نااہل اپنی نااہلیت کا اعتراف کر لیا کرتا ہے اور یہ نہیں کہتا کہ مجھے اس فن کا اہل کیوں نہیں کہا گیا۔ چونکہ ملائکہ کو پیدا ہی تسبیح و تقدیس کے لئے کیا گیا تھا اور ان کی ڈیوٹی بھی وہی تھی۔ اور آدم کو پیدا ہی خلافت زمین کے لئے کیا گیا تھا لہذا علم خلافت ان کو عطا کیا گیا۔ اب اگر ملائکہ اپنی تسبیح و تقدیس کے بل بوتہ پر عہدہ خلافت کے لئے بھی اپنا نام پیش کریں اور علوم خلافت سے اپنے آپ کو نااہل پا کر اپنی درخواست واپس لے لیں اور اپنے کئے کی معافی مانگ لیں تو بعید از عقل ہرگز نہیں اس میں ان پر تشدد و ظلم کا سوال ہی نہیں آتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت آدمؑ کی برتری مان لی اور سر تسلیم جھکا لیا اور سمجھ گئے کہ ہم جس عہدہ پر ہیں اسی کے اہل ہیں۔ اور آدمؑ کو جو عہدہ دیا گیا ہے۔ وہ اسی کے اہل ہے۔

جواب (۲) ممکن ہے یہ نام ملائکہ کو پہلے سے معلوم ہوں جس طرح کی جناب رسالت مآبؐ اور اس کی آل طاہرین علیہم السلام کی خلقت نوری کی احادیث میں کثرت سے اس کا ذکر موجود ہے حتیٰ کہ ملائکہ نے تسبیح و تہلیل کا طریقہ بھی انہی کی تسبیح و تہلیل سے سیکھا تھا اور ان میں بعض احادیث ہم نے کتاب کی جلد اول یعنی مقدمہ میں ذکر کی ہیں۔ اور حضرت آدمؑ چونکہ نووارد تھے اس لئے ان کو اب تعلیم کئے گئے۔ نام تو ہر دو کو معلوم ہو گئے۔ اب ان ناموں والے جب عالم انوار میں ملائکہ کے پیش ہوئے تو ملائکہ کو گو نام معلوم تھے لیکن ہر نام کی نام والے کے ساتھ تطبیق نہ دے سکے کہ یہ فلاں ہے اور وہ فلاں ہے۔ اور جب حضرت آدم سے سوال ہوا تو انہوں نے ہر ایک نام کو اپنے مسمےٰ پر منطبق کر دیا۔ ملائکہ چونکہ مجردات سے ہیں لہذا ان میں علم اسی حد تک محدود رہتا ہے جتنا کہ ان کو تعلیم کیا جائے اور مادہ بشریہ اور قوائے بدنیہ کا یہ خاصہ ہے کہ عقل ان کی معیت میں اپنی تحصیل میں ترقی کر سکتی ہے پس حضرت آدمؑ نے علائم و خصوصیات کے پیش نظر اپنے غور و فکر یا اجتہاد سے ہر صاحب نام کا ملائکہ سے تعارف کرایا اور ملائکہ نے بھی اپنا

معذرت میں خود اس چیز کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (انہوں نے کہا تیری ذات پاک ہے۔ ہمیں تو صرف اتنا ہی معلوم ہے جتنا تو نے ہمیں تعلیم فرمایا یعنی اس سے آگے قدم ہم نہیں رکھ سکتے یہ نہیں کہا کہ تو نے ہمیں بتایا نہیں بلکہ بتایا تو ہے لیکن جتنا بتایا ہے ہم اُسے دُہرا سکتے ہیں اس سے آگے نہیں چل سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ تعلیم مساوی تھی لیکن اس سے ترقی کرنا خاصۂ بشریت تھا جس سے فرشتے عاجز تھے اور فرشتوں نے اس مرحلہ پر پہنچ کر یہ نتیجے حاصل کئے۔

(۱) خدا کا آدمؑ کو خلافتِ ارضیہ کے لئے نامزد فرمانا عین مصلحت ہے۔ جس سے ہم غافل تھے لہذا اپنے بے جا سوال پر اللہ سے توبہ کی اور معافی مانگ لی جو قبول ہوئی۔ (۲) ان کے دلوں میں جو یہ گھمنڈ تھا کہ ہم عابد و تسبیح گذار ہیں اور اسی پر اترا کر یہ خیال کر لیا کہ ہم تمام مخلوق سے افضل ہیں وہ ختم ہو گیا اور سمجھ لیا کہ ہم سے افضل وہ مخلوق ہے جو خلافتِ ارضیہ کے لئے نامزد کی گئی ہے (۳) یہ بھی سمجھ لیا کہ خلافتِ الٰہیہ کا معیار صرف تسبیح و تقدیس نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کافی استعداد علمیہ کی ضرورت ہے (۴) ان کی نظر جو صرف بنی آدمؑ کے فسادات و خونریزیوں پر مرکوز تھی جس کی بناء پر وہ ان کو خلافتِ ارضیہ کے لئے ناموزوں سمجھتے تھے اب ان کے فضائل و کمالات کا پہلو بھی سامنے آگیا (۵) حضرتِ آدمؑ کا علمی کمال دیکھ کر اس کا استحقاقِ خلافت تسلیم کر لیا اور بحکمِ خدا ان کو اُن کے سامنے سرِ تسلیم جھکانا پڑا (۶) ابلیس جو مدتوں ملائکہ کے ساتھ شریکِ عبادت رہا اس سرتابی سے اس کا خبثِ باطن بھی ان کو معلوم ہو گیا اور سمجھ گئے کہ نوریوں کی صحبت میں بھی ناری ناری ہوا کرتا ہے اور بوقتِ امتحان اہلِ کمال کے سامنے جھک جانے سے قربِ بارگاہ نصیب ہوتا ہے اور جو اس مقام پر نکتہ چینی یا تکبّر کرے وہ راندۂ بارگاہ ہو کر مستحقِ لعنت ہو جایا کرتا ہے (۷) ملائکہ کی نظر بنی آدمؑ کے فسادی افراد پر تھی جو یقیناً عہدۂ خلافت کے لئے اَن فٹ تھے لیکن جب عالمِ انوار میں حضرت آدمؑ کی پشت سے ہونیوالے حقیقی خلفا سے تعارف ہوا تو ان کے سامنے اپنی گردنیں خم کر دیں اور ان کی موالات و محبّت کا عہد خدا سے کر لیا اور مان لیا کہ واقعی یہ لوگ زمین کی خلافت کے زیادہ حقدار ہیں جس طرح پہلے روایات میں گذر چکا ہے۔

حضرت آدمؑ کے بتا دینے کے بعد خداوند کریم نے ملائکہ کو تنبیہہ مزید فرمائی کہ جس چیز کی حقیقت کا علم نہ ہو اس کے متعلق لب کشائی درست نہیں ہوتی چنانچہ فرمایا الم اقل لکم۔ الایۃ۔ اس کی تفسیر میں امام حسن عسکری سے منقول ہے جیسا کہ تفسیر برہان میں پوری روایت مذکور ہے کہ جب تم اپنے ساتھ رہنے والے یعنی ابلیس کی بدباطنی سے مطلع نہیں ہو حالانکہ وہ تمہارے درمیان موجود ہے تو کسی غائب مخلوق کے متعلق جو ابھی آئی نہیں کس طرح ایسا اٹل فیصلہ کر سکتے ہو؟ اور میں زمینوں و آسمانوں کے غیب کو اور تمہاری ظاہری و پوشیدہ سب باتوں کو جانتا ہوں۔ پس اس واقعہ سے صاف واضح ہوا کہ انسان کے جملہ اوصافِ حمیدہ میں سے علم بلند و برتر صفت ہے۔ اور یہی چیز خلافتِ الٰہیہ کا معیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علیہ السّلام مقامِ افتخار میں اپنے علم کو پیش فرماتے تھے جیسا کہ ان کی طرف منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ

اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کا پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار و تکبر کیا اور تھا

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا

کافروں میں سے اور ہم نے کہا اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت میں اور کھاؤ اس سے

رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

کھلم کھلا جہاں چاہو تم اور نہ قریب جاؤ اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے نقصان پانے والوں میں سے

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ

پس پھسلایا ان کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے پس ان کو نکالدیا اس سے کہ جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا اترو درحالیکہ بعض

رَضِيْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِيْنَا لَنَا عِلْمٌ وَلِلْاَعْدَاءِ مَالٌ

ہم اللہ کی تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم دیا اور دشمنوں کو مال دیا

فَاِنَّ الْمَالَ يَفْنٰى عَنْ قَرِيْبٍ وَاِنَّ الْعِلْمَ يَبْقٰى لَا يَزَالُ

کیونکہ مال عنقریب فنا ہو جائے گا اور تحقیق علم باقی و غیر فانی دولت ہے

تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ جو مجھے چار خلیفوں میں سے چوتھا نہ کہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے حسن بن زید کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے عرض کی کہ آپ تو اس کے علاوہ کچھ اور فرماتے ہیں حضرت صادقؑ نے جواب دیا کہ یہ حدیث درست ہے کیونکہ خداوند کریم نے اپنی پاک کتاب میں آدمؑ کو خلیفہ کہا پس وہ پہلا خلیفہ ہے اور داؤدؑ کو بھی خلیفہ کہا پس وہ دوسرا خلیفہ ہے اور ہارون حضرت موسٰیؑ کا خلیفہ تھا وہ تیسرا ہے اور آپ (حضرت علیؑ) محمد مصطفٰیؐ کے خلیفہ ہیں بنا بریں ان کا فرمان بجا ہے کہ میں خلفاء اربعہ میں سے چوتھا ہوں۔

## حضرت آدمؑ کے سجدہ کا حکم اور ابلیس کا انکار

وَاِذْ قُلْنَا ۔ انسان کی ابتدائے خلقت کے ذکر کے بعد خداوند کریم نے ان پر اپنے احسانِ عظیم کا ذکر فرمایا ہے کہ فرشتوں کو اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ جس نے سجدہ کرنے کا انکار کیا اُسے بارگاہِ قرب سے نکال دیا اور اُس کو ہمیشہ کے لئے مستحق لعنت قرار دے دیا۔

قرآن کے ظاہر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم تمام فرشتوں کو تھا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرماتا ہے ۔ فَسَجَدَ

| لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ |
| --- |
| تمہارا بعض کا دشمن ہوگا اور تمہارا زمین میں ٹھکانا اور نفع ہے ایک وقت تک کا پس حاصل کئے آدم نے اپنے |
| رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا |
| رب سے چند کلمے پس (ان کی بدولت) توبہ قبول کی اللہ نے اس کی وہ بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے ہم نے کہا اترو اس سے سب |
| جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ |
| پس جب آئے گی میری طرف سے ہدایت تمہارے پاس تو جو پیروی کرے گا میری ہدایت کی پس نہ خوف ہوگا ان پر اور |
| وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ |
| نہ وہ غمگین ہوں گے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیات کو وہ ساکنانِ جہنم ہوں گے |
| النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ |
| درحالیکہ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے |

اَلْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۔ یعنی پس سجدہ کیا تمام فرشتوں نے اور بعضوں نے کہا ہے کہ فرشتوں کے ایک گروہ کو حکم تھا جنہوں نے جنوں کی سرکوبی کی تھی اور ابلیس بھی ان میں بوجہ مصاحبت کے شامل تھا۔

نیز سجدہ میں بھی اختلاف ہے کہ سجدہ آدمؑ کا تھا اور اس میں اس کی تعظیم و اکرام مقصود تھی یا سجدہ اللہ کا تھا اور آدم کو صرف قبلہ بنایا گیا تھا۔ آئمہ اہل بیت سے مروی یہ ہے کہ سجدہ آدم کا تھا اور تعظیمی سجدہ تھا اور اس کو علمائے امامیہ نے ملائکہ سے انبیاءؑ کی افضلیت کی دلیل قرار دیا ہے ۔ مجمع البیان ۔ نیز یہ بھی مروی ہے کہ سجدہ اللہ کا تھا اور آدم قبلہ تھا ۔ (برہان)

نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا ابلیس فرشتہ تھا یا نہیں ۔ شیخ ابوجعفر طوسیؒ کا مسلک یہی ہے کہ وہ فرشتہ تھا ۔ اور شیخ مفید فرماتے ہیں کہ وہ جنّ تھا ۔ اور اکثر علمائے امامیہ کا یہی مذہب ہے کہ وہ قوم جنّ سے تھا اور متواتر روایات اسی پر دلالت کرتی ہیں گو بعض روایات میں پہلے قول کی تائید بھی موجود ہے ۔ ابن عباس اور ابن مسعود سے بھی پہلا قول منقول ہے اور جو اس کے فرشتہ ہونے کے قائل ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ خازن جنّت تھا ۔ بعض کے نزدیک آسمان دنیا اور زمین کا حکمران تھا ۔ (از مجمع البیان)

دوسرا قول یعنی ابلیس کا جنّ ہونا زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے ۔ اور علّامہ طبرسی نے بھی اس کو مختار فرمایا ہے جس کی متعدد دلیلیں دی گئی ہیں ۔

۱۔ قرآن میں ایک مقام پر ارشاد ہے کَانَ مِنَ الْجِنِّ یعنی ابلیس قوم جن سے تھا۔

۲۔ قرآن میں فرشتوں کے متعلق ارشاد ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ وہی کرتے ہیں جو اُن کو حکم ہوتا ہے یعنی وہ معصوم مخلوق ہے۔ پس اگر ابلیس فرشتہ ہوتا تو اس سے نافرمانی ناممکن تھی۔ اور چونکہ نافرمانی اس سے صادر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ نہیں تھا

۳۔ ابلیس صاحب اولاد ہے کیونکہ قرآن میں ارشاد ہے۔ اے انسانو! ابلیس اور اس کی اولاد کو اپنا دوست نہ بناؤ اور فرشتوں میں سلسلۂ تناسل نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ فرشتہ نہیں تھا۔

۴۔ روایاتِ آئمہ میں اس کے فرشتہ ہونے کی صاف طور پر تردید ہے۔ چنانچہ جمیل بن دراج سے منقول ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا ابلیس فرشتہ تھا یا بعض آسمانی معاملات اس کے سپرد تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمانی معاملات اس کے سپرد تھے۔ تھا جن لیکن فرشتوں کی صحبت میں رہتا تھا جس کی وجہ سے فرشتوں نے سمجھا تھا کہ یہ ہم میں سے ہے حالانکہ خدا جانتا تھا کہ یہ اُن میں سے نہیں ہے پس جب آدمؑ کے سجدہ کا حکم ہوا تو اس سے وہی ہوا جو ہوا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھا وہ یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ اگر فرشتہ نہ ہوتا تو حکم سجود میں شامل نہ ہوتا لہذا سجدہ نہ کرنے سے اُسے کافر و مستحق لعنت نہ قرار دیا جاتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے ساتھ اس کو بھی سجدہ کا حکم تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ مَا مَنَعَكَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (ترجمہ) تجھے سجدہ سے کس چیز نے روکا ہے جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف فرشتوں کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ ابلیس کو بھی سجدہ کا حکم تھا۔ اور خود ابلیس نے بھی اس کی تردید نہیں کی۔ ورنہ اس کو امر نہ ہوتا تو عذر کر سکتا تھا کہ تو نے تو صرف فرشتوں کو حکم دیا تھا لہذا میں اس حکم میں شریک نہ تھا بلکہ اُس نے جواب میں کہا کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ کیونکہ وہ مٹی سے پیدا ہوا ہے اور میں آگ سے پیدا ہوا ہوں یعنی ابلیس یہ تسلیم کرتا ہے کہ مجھے حکم ضرور تھا لہذا سجدہ سے انکار کی وجہ اس نے صرف اپنے تکبر کو قرار دیا اور اس کے حکم میں داخل ہونے کی مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح ایک شہر والوں کو حکم دیا جائے کہ تم فلاں مقام پر اکٹھے ہو جاؤ اور اتفاقاً عارضی سکونت کی صورت میں وہاں کوئی اجنبی انسان بھی قیام پذیر ہو تو عرفاً اس حکم میں وہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اسی طرح ابلیس کی رہائش چونکہ ملائکہ کے ساتھ تھی حتی کہ ملائکہ اس کو اپنے میں سے سمجھتے تھے لہذا حکم مذکور اس کو شامل تھا۔

نیز جو لوگ اس کو فرشتہ کہتے ہیں بعض کہتے ہیں اس کا نام عزازیل تھا اور جن فرشتوں کی رہائش زمین پر تھی۔ ان سب کو جن کہا جاتا تھا جب اس نے آدمؑ کے سجدہ سے انکار کیا تو کافر ہو گیا اور اس کا نام ابلیس و شیطان رکھ دیا گیا۔

بہرکیف ابلیس آدمؑ کے سجدہ کے حکم میں شامل تھا اور تکبر و انکار کرنے کی وجہ سے مردود ہو گیا اور جو لوگ خیر و شر ہر دو کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان آیات سے ان کی تردید موجود ہے کیونکہ اگر اللہ نے اس سے نافرمانی کرائی ہوتی تو اس کو انکار کے بعد

مستحق لعنت نہ قرار دیتا۔ نیز ابلیس نے بھی اپنے انکار و نافرمانی کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ یعنی تو نے مجھے گمراہ کیا۔ پس معلوم ہوا کہ گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کرنا ابلیس کا پڑھایا ہوا سبق ہے۔

تفسیر برہان میں ایک طویل روایت کے ذیل میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ کو مٹی سے خلق فرمایا تو چالیس برس تک اس کا مجسمہ بغیر نفخ روح کے پڑا رہا جب بھی ابلیس لعین کا ادھر سے گذر ہوتا تھا تو کہتا تھا کہ کسی اہم معاملہ کے لئے تجھے پیدا کیا گیا ہے۔ اور معصوم فرماتے ہیں کہ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اللہ نے مجھے تیرے سجدہ کا حکم دیا تو اس بارہ میں میں ضرور نافرمانی کروں گا۔ پس جب آدمؑ کے جسد میں نفخ روح ہوئی تو روح جب دماغ میں پہنچی تو آدمؑ نے چھینک لی۔ اور زبان سے الحمدللہ کا کلمہ جاری کیا۔ اللہ کی طرف سے یرحمک اللہ کا جواب ملا۔ حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت اس کو پہلے پہنچ گئی پھر اللہ نے ملائکہ کو آدمؑ کے سجدہ کا حکم دیا تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا۔ اور ابلیس نے اپنے دل کا حسد ظاہر کر دیا اور سجدہ سے انکار کر دیا پس ارشادِ خالق ہوا کہ تو نے میرے امر کے باوجود کیوں سجدہ نہ کیا؟ تو جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے۔ اور اس کو مٹی سے خلق کیا ہے۔ حضرت صادقؑ فرماتے ہیں کہ مخلوق میں پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہے اور اس نے تکبر کیا اور خدا کی پہلی نافرمانی "تکبر" ہی سے شروع ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے عرض کی میرے اللہ! آدم کے سجدہ سے مجھے معاف رکھ تو میں تیری ایسی عبادت کروں گا کہ ملک مقرب اور نبی مرسل سے بھی ایسی عبادت نہ ہو گی۔ پس اللہ نے فرمایا کہ میں تیری عبادت کا محتاج نہیں ہوں۔ میں اپنی وہ عبادت چاہتا ہوں جو میری منشا کے مطابق ہو۔ نہ وہ عبادت جو تیری منشا کے موافق ہو۔ پس اس نے اپنے انکار کو بحال رکھا تو ارشادِ خداوندی ہوا نکل جا میری بارگاہ سے تو راندہ ہوا ہے اور تیرے اوپر میری قیامت تک لعنت ہے۔ ابلیس نے عرض کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ تو عادل ہے۔ تیرے پاس جور و ظلم نہیں ہے کیا میرے سابقہ اعمال کی جزا باطل ہو گی؟ اللہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اُمور دنیا میں سے جو تیرا جی چاہے اپنے اعمال کے بدلہ میں مجھ سے مانگ لے۔ پس اس نے پہلا سوال کیا کہ مجھے یوم الدین تک کی زندگی عطا کر۔ پس اللہ نے فرمایا کہ میں نے تجھے عطا کر دی۔ اس نے کہا مجھے اولادِ آدم پر قابو دے فرمایا یہ بھی دے دیا۔ اُس نے عرض کی مجھے ان کے رگ و ریشہ میں گھسنے کی توفیق دے۔ فرمایا یہ بھی تجھے دے دیا۔ اس نے کہا آدم کی اولاد میں سے ایک کے بدلہ میں مجھے دو۔ دو فرزند عطا کر اور میں ان کو دیکھوں اور وہ مجھے نہ دیکھیں۔ اور میں ان کے سامنے ہر شکل میں آسکوں۔ اللہ نے فرمایا یہ بھی تجھے دے دیا۔ اس نے عرض کی کچھ اور بھی دے تو اللہ نے فرمایا تیرا اور تیری اولاد کا اولادِ آدم کے سینوں میں وطن ہوگا۔ تو ابلیس نے کہا کہ بس اتنا کافی ہے اور اس وقت ابلیس نے کہا کہ تیری عزت کی قسم سوائے تیرے مخلصین بندوں کے تمام کو گمراہ کروں گا۔ اور ان کے پاس سامنے پیچھے دائیں اور بائیں سے حاضر ہوں گا۔ پس اکثر ان کے شکر گذار نہ ہوں گے جیسا کہ فرماتا ہے فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ

وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَمِنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ فَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۔

بروایت زرارہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو یہ طاقت عطا کی تو حضرت آدمؑ نے عرض کی اے رب تو نے ابلیس کو میری اولاد پر مسلّط کر دیا اور اس کو ان کے رگ و ریشہ میں مثل خون کے جاری ہونے کی قوت دے دی اور اس کے علاوہ جو کچھ تو نے اس کو دیا سو دیا۔ پس میرا اور میری اولاد کا کیا حال ہوگا؟ پس خدا نے فرمایا تیرے اور تیری اولاد کے لئے یہ ہے کہ گناہ کریں گے تو ایک کا ایک اور نیکی کریں گے تو ایک کا بدلہ دس دوں گا۔ حضرت آدمؑ نے عرض کی کچھ اور۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کے لئے روح کے حلقوم تک پہنچنے تک توبہ کا دروازہ کھلا ہوگا۔ حضرت آدمؑ نے عرض کی اے رب کچھ اور بھی! تو اللہ نے فرمایا میں ان کے گناہ بخشوں گا اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ تب حضرت آدمؑ نے عرض کی بس مجھے کافی ہے۔ زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی۔ میں آپ پر فدا ہوں۔ ابلیس کس وجہ سے عطیۂ خداوندی کا اس قدر حقدار ہوا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ اس کی ایک نیکی تھی جس کا خدا نے بدلہ دیا۔ میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ہوں وہ کونسی نیکی تھی جو ابلیس سے ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس نے آسمان میں دو رکعت نماز پڑھی تھی جس پر چار ہزار برس صرف کئے تھے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب جناب رسالت مآبؐ نے خواب میں تیم عدی اور بنی اُمیہ کو اپنے منبر پر سوار پایا اور اس سے گھبرا گئے۔ پس خداوند کریم نے ان کو تسلّی دی وَاذْ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الّا ابلیس ابیٰ۔ اے محمدؐ میں نے حکم دیا تھا پس میری اطاعت نہ کی گئی تھی پس تو بھی گھبرا نہیں کہ تو امر کرے اور اپنے وصی کے معاملہ میں تیری اطاعت نہ کی جائے۔

**درسِ عبرت** ۔ خداوند کریم نے جس طرح حضرت آدمؑ کی خلقت کا ذکر اور ملائکہ کے سجود کا واقعہ ہمارے اُوپر اپنے فیض عمیم اور احسانِ عظیم کے یاد دلانے کی خاطر پیش فرما کر اپنی عبُودیت کی دعوت دی اور شیطان کی پیروی سے روکنے کے لئے ہماری رگِ حمیّت کو حرکت دی اور واضح کیا کہ وہ ہے جس نے ابتداء سے تمہارے بابا کے ساتھ یہ برتاؤ کیا تھا پھر بھی تم اسی آبائی دشمن کے دھوکے میں آکر اپنے محسن سے روگردانی کرتے ہو۔ اسی طرح اس امر پر بھی متنبہ فرمایا کہ میری عبادت وہ ہے جو میرے حکم اور منشاء کے موافق ہو کسی کی ایسی عبادت جو منشاء ایزدی کے خلاف ہو وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ اور اللہ کو پسند وہی عبادت ہے جو اللہ کا بھیجا ہوا رسول سکھائے یا اس کے چلے جانے کے بعد اس کے صحیح قائم مقام اس کا طریقہ تعلیم فرمائیں ورنہ ہر من گھڑت عبادت قطعاً شرفِ قبولیت کو نہیں پہنچ سکتی۔ اور شیطان سجدہ کا منکر نہیں تھا۔ صرف اللہ کے فرمائے ہوئے طریقہ پر سجدہ کرنے کے خلاف تھا جس سے مقصود خلیفۃ اللہ کی نافرمانی تھی۔ معلوم ہوا کہ خلیفۃ اللہ کی تعظیم کا انکار یا اس کی نافرمانی ہزاروں برس کی عبادت پر پانی پھیر دیتی ہے۔ اور نوری مخلوق کے مدتوں کے ساتھی کو ابلیس و مردود بنا دیا کرتی ہے لیکن یہ

یاد رہے کہ وہ سجدہ کا انکاری نہ تھا عبادت کا منکر نہ تھا۔ اِس لئے خدا نے اس کو مشرک نہیں کہا بلکہ کافر کہا ہے اور نماز ترک کرنے والوں کو خدا نے قرآن میں مشرک کہا ہے۔ فرماتا ہے۔ اقیموا الصّلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین۔ (ترجمہ، نماز قائم کرو اور مشرک نہ ہو۔

پس مسلمانوں کو خصوصاً شیعہ کو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرکے نماز جیسے فریضہ کی اہمیّت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

## حضرت آدم کا جنّت سے خروج

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے متعدد روایات میں ہے کہ جس جنّت میں حضرت آدم کو ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ جنتِ آخرت نہیں تھی بلکہ جنت دنیا تھی جس میں شمس وقمر طلوع کرتے تھے اگر جنّت آخرت ہوتی تو اس سے قطعاً نہ نکلتے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ جنّت الخلد تھی اور چونکہ جزاء و ثواب کے طور پر آدمؑ کی اس میں رہائش نہ تھی۔ اس لئے اس کا اس سے نکل جانا موجب حرج نہیں۔ جہاں جنّت کی یہ تعریف ہے کہ اس میں رہنے والے ہمیشہ اس میں رہیں گے اور کبھی نکالے نہ جائیں گے۔ وہ اس صورت میں ہے کہ جب جنّت میں دخول بطور جزاء و ثواب کے ہو۔

بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جنّت نہ جنّت الخلد تھی۔ اور نہ جنّت زمین بلکہ مخصوص آدم علیہ السّلام کی ابتدائی رہائش کے لئے آسمان پر علیحدہ بنا دی گئی تھی۔

بہرکیف دیکھنا یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کا اس جنّت سے نکالا جانا اُن کی عصمت کے منافی ہے یا نہیں؟ تو چونکہ ادلّہ قطعیہ سے تمام انبیاء کی عصمت ثابت ہے اور فرقۂ حقّہ شیعہ اثنا عشریہ کے عقیدہ کی بنا پر تو انبیاء میں قبل بعثت و بعد بعثت کا بھی فرق نہیں اور نہ صغیرہ و کبیرہ کا فرق ہے بلکہ انبیاء سے کسی وقت بھی کوئی گناہ صادر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ گناہ کا صادر ہونا قبیح ہے اور انبیاء ارتکاب قبیح سے پاک ہیں کیونکہ جو بھی کسی وقت خود قبیح کا مرتکب ہو کسی دوسرے کو قبیح سے روک نہیں سکتا اور انبیاء کا عہدہ چونکہ تبلیغ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے لہذا ناممکن ہے کہ وہ خود تارک معروف یا فاعل منکر ہوں۔ انبیاء کی عصمت کے اثبات میں علمائے امامیہ نے مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں عقلی و نقلی دلائل سے اس مطلب کو ثابت کیا گیا ہے۔ ہم نے بھی چند ایک دلیلیں کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمہ میں ذکر کر دی ہیں۔ پس جب ثابت ہے کہ انبیاء سے گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا تو پھر قرآن مجید میں اس قسم کے الفاظ جو ظاہری صورت میں منافی عصمت انبیاء ہوں۔ ان کی تاویل ضروری ہے۔ البتہ جو لوگ انبیاء کی عصمت کے قائل نہیں۔ وہ ان ظاہر الفاظ کو اپنی دلیل بناتے ہیں۔ امّا الذین فی قلوبھم زیغ فیتبّعون ما تشابہ منہ۔ ہم نے کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں اس مطلب کو نہایت واضح کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جس جنّت میں حضرت آدم کو رہائش دی گئی تھی وہ حضرت آدمؑ کے لئے نہ دار الجزاء تھی اور نہ دار العمل

تھی۔ دارالجزاء تو اس لئے نہیں تھی کہ جزاء عمل کے بعد ہوتی ہے۔ اور دار العمل بھی نہیں تھی جس کی کئی وجہیں ہیں۔

۱۔ خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کو پیدا زمین کی خلافت کے لئے کیا تھا۔ جب کہ فرشتوں سے خطاب ہوا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خلیفہ۔ اس سے صاف معلوم ہے کہ ان کا دارالعمل زمین کو قرار دیا گیا تھا اور ایک وقتی مصلحت کے ماتحت ان کو اس جنّت میں رکھا گیا۔ خواہ وہ آسمان پر ہو یا جنّت الخُلد ہو یا جنّت الارض۔

۲۔ ملائکہ نے کہا تھا کہ تو زمین میں اس کو خلیفہ بناتا ہے جو زمین میں فساد و خونریزی کرے گا۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے لئے زمین دار العمل تھی۔

۳۔ ارشادِ خداوندی ہوا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور تمہارا ٹھکانا (رہائش گاہ) زمین ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو اتباع کریں گے تو خوف و حزن ان پر نہ ہوگا۔ اور جو کفر کریں گے اور میری آیات کو جھٹلائیں گے۔ وہ اصحاب نار ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ پس یہ آیت صاف طور پر پکار رہی ہے کہ آدمؑ کے وہاں چلے جانے کے بعد اطاعت و عصیان کا قصّہ شروع ہوا اور دار العمل میں وہ اس جنّت سے نکل کر پہنچے اور جزاو سزا ابدی کا اپنے اعمال سے استحقاق یہاں پہنچنے کے بعد شروع ہوا۔

پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت آدمؑ کی جنّت دار العمل میں پہنچنے سے پہلے ایک عارضی قیام گاہ تھی۔ اور آدمؑ کو وہاں ٹھہرانے کا مقصد شاید یہ ہو کہ ابتدائی طور پر تنہا اُجاڑ و ویرانے میں بمقتضائے بشریّت آدمؑ کو وحشت نہ ہو لہٰذا کچھ وقت اس سرسبز و شاداب پُر کیف و پُر لطف ماحول میں پہلے بسر کریں۔ جانا تو بہرحال تھا ہی۔ لیکن انسانی تمدن کے نشیب و فراز ذات ربّ العزت نے اپنے حکیمانہ انداز سے تدریجی قرار دیئے ہیں اور انسان کی فطرت کو ایسے سانچے میں اس نے ڈھالا ہے کہ یکبارگی دفعی انقلاب انسان پر بارِ خاطر ہوا کرتا ہے اور انسان کی شرعی زندگی کا ارتقاء بھی اس حکیم مطلق نے تدریجی مقرر کیا ہے۔ مثال کے طور پر جب جناب رسالت مآبؐ مبعوث برسالت ہوئے تو جملہ احکامِ شرعیہ کی بجا آوری اسی وقت سے واجب تھی لیکن پہلے اعلان میں حضورؐ نے صرف اسی ایک کلمہ کو معیارِ نجات بیان فرمایا کہ قولوا لا الٰہ الا اللہ تُفْلِحُوْا یعنی کلمہ توحید زبان پر جاری کرو بس اسی میں تمہاری نجات ہے۔ پھر کچھ وقت کے بعد نماز کے فریضہ کا حکم سنایا پھر ایک عرصہ کے بعد روزہ کا وجوب بیان فرمایا و علی ہذا القیاس تئیس برس تک تدریجاً جملہ احکام اسلامیہ بیان فرمائے۔ جن کے آخر میں کلمہ ولایت کا اقرار تھا جس کا حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام غدیر میں اعلان فرمایا بلکہ جناب رسالت مآبؐ کو چالیس برس تک خاموش رکھنا بھی اسی مصلحت کے ماتحت تھا ورنہ انسان کی غرضِ خلقت پہلے دن سے عبادت کرنا ہے۔ جیسے فرماتا ہے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۔ پ۲۷ ۔ یعنی جنوں اور انسانوں کو میں نے پیدا ہی عبادت کے لئے کیا ہے۔ لیکن احکام کا سلسلہ تدریجاً مقرر کیا ہے۔ اور تمام انبیاء کی بعثت کا اپنے اپنے مقام پر یہی حال ہے۔ تو اس مقام پر بھی بعید نہیں بلکہ عین

مقتضائے عقل ہے کہ انسانِ اوّل یعنی حضرت آدم علیہ السّلام کو چونکہ جملہ خواص و لوازم بشریت عطا فرما کر خلق فرمایا تھا۔ لہٰذا ان کی دینی و دنیاوی زندگی کو اسی فطرت کے ماتحت قرار دے کر تدریجی اقدام کا سلسلہ جاری فرمایا ہو تاکہ ایک طرف تو وہ گل و گلزار کی تازہ بہار میں کچھ وقت گزار کر اگلی منزل کے لئے تیار ہو جائیں جو ان کے لئے دار العمل اور دار الخلافت تھی اور دوسری طرف شیطان کی دشمنی کے انداز سے بھی عملی طور پر تجربہ کرلیں کہ وہ بدبخت کس کس حیلے و بہانے سے انسان کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے اور نعماتِ جنّت سے محروم کرنے کے لئے انسان کو کیسے سبز باغ دکھا کر بھٹکانے کے درپے ہوتا ہے تاکہ دار العمل میں پہنچ کر اپنی اولاد کو اس کی مکاریوں اور فریب کاریوں سے پوری طرح آگاہ کرکے جادۂ شریعت پر گامزن کریں اور صراطِ مستقیم پر سیدھا چلنے کی ان کو تلقین کریں۔ اور شیطان چونکہ ظاہری جسم بن کر تو گمراہ کرنے کے لئے آتا نہیں بلکہ اس نے بنی آدم کے رگ و ریشہ میں گھسنے اور وساوس میں مبتلا کرنے کی طاقت پہلے سے طلب کرلی تھی۔ اور اب دار العمل (زمین) پر پہنچ کر حضرت آدمؑ جب اپنی اولاد کو مقامِ تبلیغ میں فرماتے کہ خبردار شیطان کی مکاریوں اور حیلہ سازیوں سے بچ کر رہنا وہ میرا اور تمہارا دشمن ہے کہیں تم کو صراطِ حق سے بھٹکا نہ دے اور تم کو راہِ جنّت سے ہٹا نہ دے تو اب ان کو دریافت کرنے کا حق تھا کہ وہ کیسے بھٹکاتا ہے یا یہ کہ وہ دشمنی کیسے کرتا ہے؟ حضرت آدمؑ دشمنی کی وضاحت تو فرماتے کہ اس نے میرا سجدہ نہیں کیا تھا لیکن بھٹکانا کیسے سمجھائے؟ صرف یہی فرماتے کہ وہ وسوسے ڈالتا ہے۔ پھر اولاد پوچھتی اس کے وسوسے کیسے ہوا کرتے ہیں؟

یہ تھی انسانی زندگی کی ابتدائی منزل۔ ان کا فریضہ تھا کہ اولاد کو ہر نکتہ سمجھانے اور شیطان کے ہر طرزِ عمل سے پوری طرح آگاہ کرتے۔ ان کے لئے قطعاً یہ جواب ناکافی تھا کہ بس وہ وسوسے ڈال کر گمراہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ مدرسۂ اسلامیہ کی پہلی جماعت تھی۔ اور اس مکتبۂ شرعیہ میں ان کے سوالات پہلی جماعت کے سوالات کی طرح ہونے چاہیئے تھے۔

خداوند کریم کو علم تھا کہ ابلیس حضرت آدم کے ساتھ شرارتیں کرنے سے باز نہ آئے گا۔ اور وہ اپنے حسد کی بھڑاس نکالے گا۔ پس آدم علیہ السّلام کو اس جنّت میں جو ان کی رہائش گاہ تھی (مدّت رہائش کا حضرت آدم کو علم نہیں دیا گیا تھا وہ صرف اللہ کو معلوم تھی) ایک مخصوص درخت کے قریب جانے سے روک دیا یعنی اس باغ میں جو جی چاہے کھاؤ لیکن صرف اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تمہیں خسارہ ہوگا (اور وہ خسارہ یہ تھا کہ اس کے بعد فوراً اس جنّت سے نکل کر اپنے دار العمل یعنی زمین میں رہائش اختیار کرنی ہوگی۔ اور اس خسارہ کا علم بھی حضرت آدم کو نہیں دیا گیا تھا) ظلم کا معنی خسارہ ہوا کرتا ہے)

ابلیس کو یہ بھی معلوم تھا کہ دار العمل میں پہنچنے کے بعد حضرت آدمؑ پر میرا داؤ نہیں چل سکے گا کیونکہ وہ نبی ہے اور یہ اقرار بھی کرچکا تھا کہ سب کو گمراہ کروں گا سوائے مخلصین کے۔ اور حضرت آدمؑ کے مخلص ہونے کا اس کو پتہ تھا۔ پس اس نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور اپنے حسد کی بھڑاس نکالنے کے لئے آگے بڑھا۔ اب یہ معلوم کرنا کہ وہ کس طریقہ سے وہاں تک پہنچا۔ اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔ بہرکیف پہنچا ضرور

پس حضرت آدم سے یُوں خطاب کیا کہ خدا نے تم کو اس درخت سے نہیں روکا مگر اس لئے کہ اس کے استعمال سے تم فرشتے بن جاؤ گے۔ قرآنی الفاظ یہ ہیں مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ (ترجمہ، خدا نے تمہیں اس درخت سے نہیں روکا مگر اس لئے کہ تم فرشتے بن جاؤ گے۔ پس شیطان نے یہ لفظ استعمال کر کے شائد فوراً محسوس کر لیا کہ میرا یہ طرز بیان کچا ہے اور بے اثر ہے۔ کیونکہ جس شخص کے سامنے ملائکہ سربسجود رہے ہوں، اس کو ملک بننے کا طمع دینا سراسر بے معنی ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسا ایک ڈپٹی کو کہا جائے کہ فلاں کام کرو تاکہ تحصیلدار بن جاؤ۔ شیطان چالاک وہوشیار تو تھا ہی وہ اپنی غلطی کو بھانپ کر فوراً آگے بڑھا اور کہا أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ممکن ہے أَوْ اعراض کے لئے ہو یعنی تم کو اس درخت سے اس لئے روکا گیا ہے کہ تم اس کے استعمال سے یہاں ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ گے جب تک تمہاری زندگی ہے۔ اسی باغ وبہار میں گذارو گے۔ اور اجاڑ وغیرہ آباد زمین میں تمہیں نہ جانا پڑے گا۔ یعنی تمہاری دار العمل اور دار الخلافت زمین ہی ہو جائے گی۔

ابلیس کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی جنت اسی زمین پر تھی جیسا کہ ابتدائے بیان میں آئمہ اہل بیت کی روایات میں ہے۔ ورنہ اگر جنت الخلد یا جنت آسمانی ہوتی جیسا کہ بعض نے کہا ہے تو ابلیس آدمؑ کو دھوکا دینے کے لئے یہ بات بھی نہ کہتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آدم کو زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور آدم کو بھی معلوم تھا کہ میں زمین کی خلافت کے لئے نامزد ہوا ہوں تو بھلا ابلیس کے اس فریب میں وہ کیسے آسکتے تھے کہ اس درخت کے قریب جانے سے میں جنت الخلد یا جنت آسمانی میں ہمیشہ رہوں گا، اور زمین پر نہ جاؤں گا لیکن اگر وہ جنت روئے زمین پر ہو تو ابلیس کا یہ مکر چل سکتا تھا کہ اس درخت کا اثر یہ ہے کہ جو کھائے گا وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یعنی تا زندگی اسی میں بسر کرے گا۔ یا یہ کہ اس پر موت نہ آئے گی۔ پھر اس مطلب پر ابلیس نے قسمیں کھائیں لیکن حضرت آدمؑ نے ایک نہ مانی اور فرمایا کہ جس چیز سے مجھے خدا نے منع فرمایا ہے میں اس کا قصد نہیں کرتا۔ پس بنا بر مضمون روایت اُس نے حضرت حوا کے پاس جا کر اپنے سابق طریق کو کارگر نہ سمجھتے ہوئے دوسرا رویہ اختیار کر لیا اور کہنے لگا۔ اے حوا! خدا نے تمہارے اُوپر جس درخت کو حرام فرمایا تھا اب اُس نے تمہارے لئے مباح کر دیا ہے۔ اب اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں رہی اور تجھے بشارت ہو کہ اگر آدم سے پہلے تُو نے اُس کو کھا لیا تو تُو اُس پر حکمران ہو گی۔ اور وہ تیرا ماتحت ہو گا۔ حضرت حوا نبی تو تھی نہیں۔ اور ابلیس نے بھی عورت پر اُس کے مزاج کے موافق مکر کا جال ڈالا۔ اور اس درخت کا مباح ہو جانا بھی بتلایا۔ پس حضرت حوا نے بڑھ کر تناول کیا جب اس کے تناول کا اُس پر کچھ اثر نہ ہوا تو حضرت آدمؑ سے آکر کہا کہ واقعی اس درخت کی حرمت خدا نے برطرف کر دی ہے۔ دیکھو میں نے تناول کیا ہے تو مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آپ بھی تناول کر لیں کیونکہ وہ مباح ہو چکا ہے۔ روایت میں ہے کہ اب اباحت کا پیغام سُن کر حضرت حوا کے کہنے سے حضرت آدم نے تناول کیا۔ اور شیطان اس طریقہ سے ان کے پھسلانے میں کامیاب ہو گیا۔

پس اللہ کا حکم ہوا کہ تم اب زمین (دار العمل) میں چلے جاؤ۔ کیونکہ تمہاری رہائش گاہ زمین ہو گی وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ

حِيْنٍ۔ تمہارا زمین میں ٹھکانہ اور ایک وقت تک نفع اٹھانا ہوگا۔ اِهْبِطُوا صیغہ جمع کا ہے لیکن دو کے لئے اس کا استعمال ہو سکتا ہے ممکن ہے کہ ابلیس بھی اس خطاب میں داخل ہو۔ جیساکہ بعض روایت سے ثابت ہے اور بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ بھی اسی بات کا شاہد ہے کیونکہ صیغہ خطاب کا ہے۔ اور اس وقت حضرت آدمؑ و حوّاؑ کا ابلیس ہی دشمن تھا اور یہی بوقت خطاب موجود بھی تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ضمنی طور پر تمام اولادِ آدم اس صیغہ میں داخل ہو۔ اور انہی میں سے بعض کی بعض کے ساتھ دشمنی مراد ہو۔ اور فرمایا کہ جاؤ زمین میں پھر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت یعنی احکامِ شریعت پہنچیں گے پس جو میری ہدایت کی اتباع کریں گے۔ ان پر کوئی خوف و حزن نہ گا اور جو کفر و تکذیب کریں گے وہ اصحاب نار ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

خداوند کریم نے آدم کو بھیجنا پہلے سے عہدہ خلافت دے کر زمین پر تھا لیکن عارضی طور پر ایک جنّت میں رہائش دے کر ابلیس کی دشمنی سے عملی طور پر چونکہ متنبہ کرنا تھا لہٰذا ابلیس کے اس مکر کو اُن کے جنّت سے نکلنے کا سبب قرار دے دیا۔

پس آدمؑ کا اس زمین پر آنا بطور سزا نہیں تھا بلکہ یہ مقام تو ان کی پہلے سے رہائش گاہ قرار دی جا چکی تھی یہی اُن کا دار الخلافت اور دار العمل تھا۔ اور اس کو خسارہ اس لئے کہا گیا کہ ایک تو اس سے شیطان اپنے حربہ کے استعمال کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اب اس دار العمل میں انبیاء پر نہ سہی لیکن غیر انبیاء پر اپنے داؤ پیچ کے استعمال کرنے میں اس کی جرأت بڑھ گئی۔ اور اُسے اپنی حیلہ سازیوں میں کامیابی کی کافی ڈھارس مل گئی۔

اور دوسرے یہ کہ ظاہری طور پر باغ و بہار کو چھوڑ کر غیر آباد زمین کو نئے سرے سے آباد کرنے کی زحمت گوارا کرنی پڑی جو اس آسائش و آرام کے بعد یقیناً تکلیف دہ تھی۔

اور تیسرے ملائکہ کی تسبیح و تقدیس سے مانوسیت جو حاصل تھی اُس سے ظاہری طور پر علیحدہ ہو گئے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کو اس چیز کا بہت افسوس ہوا جیساکہ بعض روایات میں ہے۔

گویا حضرت آدم علیہ السّلام کی جنّت میں رہائش اولادِ آدمؑ کی زمین کی رہائش کے لئے ایک پہلی تجربہ گاہ تھی یا یوں سمجھئے کہ جنّت آدم اولادِ آدمؑ کی دنیاوی زندگی کے تفصیلی پروگرام کا ایک اجمالی خاکہ تھا اور ابلیس کی مکاریوں سے بچنے کے لئے وہاں اس کی تلبیس کا نمونہ ظاہر کیا گیا اور اس کا نتیجہ اس جنّت سے خروج قرار دیا گیا۔ یعنی یہ قصّہ تمام بنی آدم کے لئے جنّت الخلد کی نعمات حاصل کرنے کے لئے وساوسِ شیطانیہ سے اجتناب کرنے کا محرکِ عظیم ہے اور تازیانہ عبرت بھی ہے جس طرح حضرت آدمؑ کی جنّت اس دنیا کی تفصیلی زندگی کا اجمال تھی اسی طرح کل دنیاوی زندگی حیاتِ آخرت کا اجمال ہے۔ یعنی دنیا کے تمام اُمورِ خیر کی تفصیل جنّت الخلد ہے۔ اور دنیا کے تمام آفات و مصائب و شرور کی تفصیل جہنّم ہے۔ وہ مقام اس آبادئ دنیا کی کھیتی تھا۔ کیونکہ اس کا انجام یہی دنیا بنی۔ اور یہ دنیا دارِ آخرت کی کھیتی ہے۔ اور اس کا انجام آخرت ہے۔ خواہ جنّت خواہ جہنّم۔ پس بمقتضائے بشریت وہاں حضرت آدم کو ان باتوں کا تجربہ ہوا۔

۱۔ ابلیس راہِ راست سے بھٹکانے کے لئے ہر ممکن حیلہ و بہانہ تلاش کرتا ہے اور ایک نیکی سے ہٹانے کے لئے دوسری طرف زیادہ ثواب و خوشنودیٔ خدا کا لالچ دلاتا ہے تاکہ اس میں پھنسائے جیسا کہ حضرت آدمؑ کے سامنے کیا۔

۲۔ عورتوں کو گمراہ کرنے کے لئے عورتوں کے مزاج کے موافق پھندے ڈالتا ہے۔

۳۔ حلال گو زیادہ ہوں اور حرام کم ہوں لیکن شیطان اپنی مکاریوں سے صرف اسی حرام کے ارتکاب کی دعوت دیتا ہے جیسا کہ اس جنت میں صرف ایک درخت سے منع تھی اور باقی سب مباح تھے لیکن ابلیس نے پھر اسی درخت کے استعمال کے لئے ہی سب فریب کاریاں برتیں۔

۴۔ عورت کی اطاعت بعض مراحل میں نقصان دہ ثابت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت آدمؑ کو سابق واقعہ میں پیش آیا کہ اُنہوں نے ابلیس کے قول کو ردّ کر دیا تو جب حضرت حوّا پر ابلیس کا مکر و فریب کارگر ہوا تو حوا کے کہنے پر اور اُس کے مباح ہونے کی خبر سُن کر حضرت آدمؑ نے بھی تناول فرمایا۔ گویا انسان کے بھسلانے کے لیے ابلیس کے پاس عورت کے جذبات کو آلۂ کار بنانا اُس کی کامیابی کا آخری حربہ ہیں۔

پس یہ تھا دار العمل کی زمین میں آنے سے پہلے حضرت آدم علیہ السّلام کا تجرباتی کورس جس کو اجمالاً مقامِ جنّت میں حضرت آدمؑ نے طے کیا اور پھر دار العمل میں پہنچ کر اس کی تفصیل سے اپنی اولاد کو آگاہ فرمایا۔ اور یہی طریقہ انسان کی ابتدائی منازل کے لئے جس پر تدریجی ارتقاء موقوف تھا مصلحتِ خداوندی کے عین موافق تھا۔

سوال۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قبل از بعثتِ انبیاء سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔ اور آدم علیہ السّلام کا یہ فعل بھی قبل از نبوت ہونا قرار دیتے ہیں تو اس گذشتہ بیان سے اُنہی کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ حالانکہ شیعی عقیدہ کی رُو سے انبیاء معصوم ہیں؟

**جواب۔** واقعی یہ عقیدہ درست ہے۔ اور انبیاء سے گناہ کا سرزد ہونا کسی وقت بھی خواہ قبل از بعثت خواہ بعدِ بعثت۔ خواہ صغیرہ خواہ کبیرہ ناممکن ہے۔ لیکن گناہ وہ ہوتا ہے جس کا نتیجہ نعماتِ اُخروی سے محرومی اور درکاتِ جہنّم میں گرفتاری ہو۔ بہرحال ایسی خطا جس کا نتیجہ زمین کے ایک حصّہ سے منتقل ہو کر دوسرے حصّہ میں جانا ہو۔ اُسے گناہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ ترکِ اولیٰ ہے۔

نیز حکم کی دو قسمیں ہوا کرتی ہیں۔ حکمِ مولوی اور حکمِ ارشادی۔ حکمِ مولوی وہ ہوتا ہے جس کی خلاف ورزی میں مولا کی کسرِ شان ہو۔ اور حکمِ ارشادی وہ ہے جس کی خلاف ورزی مولا (حاکم) کی کسرِ شان کی موجب نہ ہو۔ جس طرح کوئی ڈاکٹر ایک تندرست انسان کو مشورہ دے کہ تم فلاں غذا نہ کھایا کرو۔ ورنہ اس کا انجام تمہارے لئے اچھا نہ ہوگا۔ پس اس انسان کا اس غذا کو استعمال کرنا ڈاکٹر کی کسرِ شان نہیں بلکہ اُس کا نفع یا نقصان خود اُسی شخص کی طرف ہی عائد ہے۔ پس یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ خداوندِ کریم نے حضرت آدمؑ کو ارشاد کے طور پر فرمایا کہ اس درخت کے قریب جانے میں تمہیں خسارہ ہوگا۔ اور درحقیقت اُس شجرہ کے قریب جانے یا تناول کرنے میں نہ

حق اللہ کا تلف ہونا لازم آتا تھا اور نہ حق الناس پڑا کہ تھا لہذا حضرت آدمؑ کا اُس درخت کے قریب جانا یا تناول کرنا نہ گناہ صغیرہ تھا نہ کبیرہ۔ گویا یہ نہی تنزیہی تھی۔ تحریمی نہیں تھی۔ لہذا اس کا ارتکاب منافی عصمت آدم نہیں تھا اور خداوند کریم نے آدم کے اس فعل کو اس مقام جنّت سے خروج کا موجب قرار دے دیا تاکہ ایک طرف تو ابلیس کی مکاریوں کا عملی تجربہ ہو جائے۔ اور ساتھ ساتھ توبہ کی طرف عملی اقدام بھی ہو جائے تاکہ دار العمل کی زمین میں پہنچ کر فرائض تبلیغ کو تمام پہلوؤں سے ادا کر سکیں۔ یعنی اولاد پر شیطان کی حیلہ سازیوں کی وضاحت بھی کریں اور ان کو گناہ کے بعد توبہ کا طریقہ بھی سکھلائیں۔ اور دنیا کے پہلے انسان کے لئے یہ عملی درس ضروری تھا۔

نیز اگر حضرت آدم علیہ السّلام کا اُس درخت کو تناول کرنا نافرمانی اور گناہ ہوتا تو جب اُنہوں نے توبہ کر لی تھی اور توبہ منظور بھی ہو گئی تھی جیسا کہ خود ارشاد فرماتا ہے فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ۔ (ترجمہ) پس سیکھ لئے حضرت آدمؑ نے اپنے ربّ سے کلمات پس اللہ نے ان کی بدولت ان کی توبہ منظور فرمائی۔ کیونکہ وہ بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے۔ پس جس جُرم کی پاداش میں انہیں جنّت سے نکالا گیا تھا جب وہ جُرم معاف کر دیا گیا تو ان کو جنّت میں پھر پلٹا لیا جاتا۔ کیونکہ یہ بات بالکل بے معنی ہے کہ جُرم معاف ہو جائے اور سزا باقی رہے۔ پس توبہ قبول ہو جانے کے بعد ان کا زمین میں بحال رکھنا اور دوبارہ جنّت میں نہ بھیجنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آدم کا زمین عمل پر آنا بطور سزا کے نہیں تھا بلکہ زمین پر ان کا تشریف لانا ان کی ڈیوٹی تھی جس کے لئے وہ خلق ہوئے تھے اور جنّت کا مقام ایک عارضی رہائش گاہ تھی جو ذاتِ احدیت نے اس نووارد مہمان کے لئے مخصوص طور پر تجویز فرمائی تھی جہاں اُسے تلبیس ابلیس اور طریقہ توبہ سے عملی طور پر آگاہ کرنا تھا جیسا کہ تدریجی ارتقاء کا تقاضا ہے۔ اور آئمہ اہل بیتؑ کی روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کا اس جنّت میں قیام کا کل زمانہ چھ یا سات گھنٹے تھا جیسا کہ تفسیر برہان میں باختلاف منقول ہے۔

## تحقیق شجرہ

تفسیر برہان میں منقول ہے کہ عبد السّلام بن صالح ہروی کہتا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ یا ابن رسُول اللہ! فرمائیے وہ درخت کون تھا جس سے حضرت آدم و حوّا علیہما السّلام نے تناول کیا کیونکہ لوگوں میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ گندم کا درخت تھا۔ بعض انگور کہتے ہیں اور بعض اس کو شجرۂ حسد بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سب درست ہے۔ میں نے عرض کی کہ پھر اس کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا اے ابن صلت جنّت کا درخت کئی قسموں کا پھل دے سکتا ہے۔ گندم کا درخت تھا لیکن اس میں انگور بھی لگ سکتے تھے۔ وہ مثل دنیا کے اشجار کے نہ تھا۔ اور جب آدم کو اللہ نے ملائکہ کے سجدہ کا شرف مرحمت فرمایا اور داخلِ جنّت کیا تو آدم کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اب مجھ سے افضل اور کون ہو سکتا ہے۔ پس اللہ کی جانب سے ندا پہنچی کہ سر بلند کر کے ساق عرش کی طرف نگاہ کرو۔ پس آدمؑ نے ساق عرش پر دیکھا تو لکھا ہوا پایا۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ عَلِیُّ بۡنُ اَبِیۡ طَالِبٍ اَمِیۡرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَزَوۡجَتُهٗ فَاطِمَةُ سَیِّدَةُ نِسَآءِ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالۡحَسَنُ وَالۡحُسَیۡنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهۡلِ الۡجَنَّةِ۔

پس آدمؑ نے عرض کی اے میرے ربّ! یہ کون ہیں! پس ارشاد ہوا۔ اے آدم! یہ تیری ذرّیت ہیں۔ اور تجھ سے افضل ہیں اور میری تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں تجھکو پیدا کرتا اور نہ جنّت و نار کو اور نہ زمین و آسمان کو پیدا کرتا۔ خبردار ان کی طرف حسد کی نگاہ نہ اُٹھانا (یعنی ان کی منزل کی تمنّا نہ کرنا کیونکہ وہ انہی کے لئے مخصوص ہے) ورنہ میرے جوار سے یعنی اس مقام جنّت سے نکالا جائے گا۔ پس حضرت آدمؑ نے نگاہ اُٹھائی اور ان کی منزل کی تمنا کی۔ تب ابلیس نے اس درخت کے قریب جانے کی دعوت پیش کی الخ اور اس مضمون کی احادیث بکثرت موجود ہیں یعنی حضرت آدمؑ نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی منازل پر رشک کیا۔ اور رشک کرنا فعل حرام نہیں ہوتا۔

## قبول توبہ حضرت آدم علیہ السّلام

حضرت آدم علیہ السّلام نے جن کلمات سے توبہ کی روایات ہیں ان کے الفاظ مختلف ہیں۔ تفسیر عیاشی سے بروایت حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ دُعا کے کلمات یہ تھے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ بعض روایات حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ وہ کلمات یہ تھے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ عَمِلْتُ سُوْءً وَظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اللّٰهُمَّ اِنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ اِنِّیْ عَمِلْتُ سُوْءً وَظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ ان کے علاوہ دیگر روایات بھی ہیں لیکن مقصد سب میں حمد و ثنا جناب باری تعالیٰ اور اس کے بعد اپنے قصور کا اعتراف اور طلب معافی ہے چنانچہ خود قرآن مجید ان کی دُعا کے کلمات یہ بیان فرماتا ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ۔ پ۔

اس سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے روایات کے الفاظ مختلف یا کم وبیش کیوں ہیں ؟ کیونکہ قرآن مجید میں اکثر وبیشتر مطالب ایسے ہیں جو اجمالاً بیان ہوئے ہیں۔ اور روایات میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ لہذا اس صورت میں قرآن مجید اور الفاظ روایات میں منافات نہیں بلکہ اجمال وتفصیل کا فرق ہے۔ نیز معصومینؑ سے نقل شدہ روایات کے الفاظ کا اختلاف بھی کوئی باہمی منافات نہیں رکھتا کیونکہ ممکن ہے کہ راویان حدیث میں سے کسی نے کلام کو پُورا ضبط کر لیا۔ تو پورے الفاظ آگے چل کر نقل کر دئے اور کسی کو پُوری روایت یاد نہ رہی تو اُس نے اس کا معنی نقل کر دیا۔ اسی وجہ سے ایک ہی روایت متعدد راویوں سے مختلف الفاظ میں نقل ہو جاتی ہے۔ یہ یاد رہے کہ حضرت آدمؑ نے جب توبہ کی تو اس توبہ کا طریقہ بھی خداوند کریم نے خود تعلیم فرمایا۔ جس طرح کہ قرآن مجید میں موجود ہے فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ یعنی آدمؑ نے اپنے رب سے کلمات سیکھے۔ اور متواتر روایات آئمہ طاہرین علیہم السّلام میں ہے کہ خمسہ نجباء یعنی حضرت محمد مصطفٰےؐ، حضرت علیؑ، جناب فاطمہؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو واسطہ دے کر دُعا کی چنانچہ شیخ کلینیؒ اور صدوقؒ سے مروی ہے جیسا کہ تفسیر برہان میں مذکور ہے۔ نیز ابن بابویہ سے مسنداً معمر بن راشد سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے سنا کہ ایک دفعہ ایک یہودی حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سامنے

کھڑے ہوکر آں حضرت پر نظر جما کر دیکھنے لگا۔ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے یہودی! کیا چاہتا ہے؟ اُس نے جواب میں عرض کی حضور! مجھے فرمائیے کہ آپ افضل ہیں یا حضرت موسیٰ بن عمران جن سے خدا نے کلام فرمائی۔ اور اس پر توارت اور عصا کو نازل کیا اور اس کے لئے دریا کو شق کیا۔ اور بادل کا سایہ کیا؟ حضور نے فرمایا انسان کے لئے اچھا نہیں کہ اپنی تعریف کرے لیکن میں اتنا کہتا ہوں کہ جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو اُس کی توبہ کے الفاظ یہ تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ پس خدا نے اُس کو معاف کر دیا اور جب حضرت نوحؑ کشتی پر سوار ہوئے اور غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہوا تو یہ کلمات کہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ لِمَا نَجَّیْتَنِیْ مِنَ الْغَرَقِ۔ یعنی میرے اللہ میں تجھ سے بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ سوال کرتا ہوں کہ مجھے غرق سے نجات دے پس اللہ نے اس کو نجات دی اور حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں پھینکا گیا تو انہوں نے وہی الفاظ دہرائے یعنی میرے اللہ میں تجھ سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس سے نجات دے پس اللہ نے آگ کو ٹھنڈا اور موجب سلامتی کر دیا اور جب حضرت موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا اور دل میں ڈر محسوس کیا تو یہی کلمات کہے اے اللہ میں تجھ سے بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ سوال کرتا ہوں کہ مجھے بچا۔ پس ارشادِ قدرت ہوا۔ لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی۔ پھر آپ نے فرمایا اے یہودی اگر موسیٰ مجھے پا لیتے اور میری نبوّت پر ایمان نہ لاتے تو اس کو اپنا ایمان اور اپنی نبوت کچھ فائدہ نہ دیتی اے یہودی! میری ذریّت سے مہدی ہو گا جب وہ ظاہر ہو گا تو اُس کی مدد کے لئے عیسیٰ بن مریم اُتریں گے اور اُس کو آگے کھڑا کر کے خود اُس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ ابن شہر آشوب سے بروایت خصائص نطنزی ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نے خمسۂ نجباء کے وسیلہ سے دُعا مانگی اور الفاظ یہ کہے یَا رَبِّ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّعَلِیٍّ وَّفَاطِمَۃَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ لِمَا غَفَرْتَ لِیْ۔ پس خدا نے اُس کی توبہ قبول کر لی اور یہی وہ کلمات ہیں جو حضرت آدمؑ نے اپنے پروردگار سے حاصل کئے جس کے متعلق قرآن میں ہے فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ۔ تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ پیدائش سے قبض روح تک حضرت آدم علیہ السّلام کی کل عمر ۹۳۰ برس تھی اور دفن مکہ میں ہوئے تھے۔ جس وقت حضرت آدمؑ کے جسد خاکی میں رُوح داخل کی گئی تو وہ جمعہ کا دن تھا اور زوال کے بعد روح اُن کے جسم میں داخل ہُوئی۔ اس کے بعد اُن کی زوجہ پیدا ہُوئی اور اُسی دن داخل جنّت ہُوئے۔ کل چھ گھنٹے جنّت میں رہنے کے بعد ترک اولیٰ کی وجہ سے غروب شمس کے بعد جنت سے باہر آ گئے وہاں ایک رات بھی نہیں رہے۔

پس یہ تھا حضرت آدمؑ کے جنّت میں رہنے کا مطلب اور ترک اولیٰ کا واقعہ اور توبہ و قبول توبہ کا قصّہ جس کو میں نے تفصیل سے عرض کر دیا۔ اس میں نہ حضرت آدمؑ کا گناہ ثابت ہوتا ہے نہ خلاف عصمت و نبوّت کوئی شے لازم آتی ہے نہ منافی عقل ہے اور نہ مخالفِ نقل۔ اسی کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر میں مَیں نے عصمتِ آدمؑ کے متعلق ایک دوسرا عقلی طریقہ اختیار کیا

تھا لیکن یہ بیان اس بیان سے زیادہ واضح اور زیادہ موافق عقل ونقل ہے۔ اس میں معانی آیات کی بھی چنداں تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور مضامین روایات سے بھی اس کو کوئی تصادم نہیں بلکہ یہ بیان مضمون روایات کے مطابق ہے۔ واللہ اعلم۔

**تنبیہ** ۔ حضرت آدم علیہ السّلام کی عصمت بلکہ تمام انبیاء طاہرین علیہم السّلام کی عصمت میں کسی قسم کا شک وشبہ کرنا حرام وناجائز ہے۔ اور انبیاء کے متعلق گناہ کو منسوب کرنا خواہ گناہ صغیرہ ہو خواہ کبیرہ قبل از بعثت ہو یا بعد از بعثت منافی ایمان ہے خداوند کریم نے انبیاء کو قرآن مجید میں مصطفیٰ، مجتبیٰ، اخیار، مخلصین، منعم علیہم اور صالحین وغیرہ کے پاکیزہ خطابات سے نوازا ہے اور جن کو خدا ان جیسے مقدس الفاظ سے ذکر فرمائے ان کی عصمت پر اس سے زیادہ نقلی برہان اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور یہ ناممکن ہے کہ خداوند کریم عہدۂ نبوت کے لئے ایسے افراد کو انتخاب کرے جو خود گناہ سے اجتناب نہ کرتے ہوں کیونکہ خود گناہوں سے نہ بچ سکنے والا دوسروں کو گناہوں سے بچنے کی تبلیغ نہیں کر سکتا کیونکہ جس شخص کا قول اپنے فعل کے خلاف ہو اُس کی بات سننے والوں کے دلوں میں گھر کر سکتی ہی نہیں۔ پس ضروری ہے کہ خدا کی طرف سے عہدۂ نبوت پر فائز ہونے والا معصوم ہو۔ دیگر چند عقلی ادلّہ و براہین کتاب کی جلد اوّل میں پیش کی جا چکی ہے۔ اور کتاب لمعۃ الانوار کے مطالعہ سے یہ مسئلہ بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

پس جب قرآن مجید میں انبیاء کی مصطفائی ومجتبائی کا کھلا اعلان موجود ہے جو ثبوتِ عصمت انبیاء کے لئے کافی ہے تو قرآن میں ایسے واقعات یا ایسے الفاظ جن سے انبیاء کی عصمت کے خلاف وہم پڑتا ہو وہ واجب التاویل ہیں۔

بعض لوگ ممکن ہے کہ اس کی تاویل سے عاجز آکر اصل واقعہ کا انکار کرکے اس کو ایک تمثیل قرار دے دیں اور کہیں کہ قرآن کی دوسری مثالوں کی طرح یہ بھی ایک مثال ہے۔ اور دراصل واقعہ کچھ نہیں یا بعض لوگ اس کو عقل ووہم کی تعبیریں قرار دے دیں یعنی آدم سے مراد عقل انسانی اور وہم سے مراد وہم انسانی ہے۔ اور گویا قرآن پاک میں عقل ووہم کی کش مکش کو حسّی مثال سے واضح کیا گیا ہے لیکن یہ صراحت قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے۔ بعض لوگ حضرت آدم کے متعلق قرآنی بیان کی صحیح تاویل تک دسترس نہ پانے کے باعث اصل واقعہ کا انکار اس طرح کرتے ہیں کہ جملہ خطابات قرآنیہ کا رُخ اولادِ آدمؑ کی طرف ہے جیسا کہ عصمتِ آدمؑ کے مصنّف نے کیا ہے میرے خیال میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کوتاہ فہمی ہے کیونکہ جب قرآن مجید کی تصریحات اور آئمہ معصومین کی روایات بحد تواتر واقعہ کو حضرت آدم کی ذات سے مخصوص کرتی ہیں تو کسی مسلمان کو اس کا انکار کس طرح زیبا ہے؟ بے شک عصمت انبیاء کے منافی الفاظ کی تاویل کرنا ضروری ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصل واقعہ جو قرآن وحدیث کی رُو سے مسلّم طور پر ثابت ہو اس کا سرے سے انکار کر دیا جائے۔

پس ہمارا عقیدہ ہے کہ واقعہ کا تعلق حضرت آدم علیہ السّلام کی ذات سے ہے اور منافی عصمت بھی نہیں۔ اس بیان میں طول ہو گیا ہے لیکن امید ہے کہ افادیت کے پیش باعث ملول نہ ہو گا۔

يٰبَنِىٓ اِسۡرَاۤءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡٓ

اے اولاد یعقوب یاد کرو میری اس نعمت کو جو انعام کیا میں نے تمہارے اُوپر اور تم پورا کرو میرے عہد کو میں

اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۚ وَاِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا

پورا کروں گا تمہارے عہد کو اور صرف مجھ سے ڈرو اور ایمان لاؤ ساتھ اس کے جو میں نے نازل کی درحالیکہ وہ تصدیق کرنے

لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُوۡنُوۡٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا وَّاِيَّاىَ

والی ہے اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے اور نہ بنو پہلے کفر کرنے والے اس کے اور نہ وصول کرو میری آیات کے بدلے قیمت تھوڑی اور

فَاتَّقُوۡنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَـقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوا الۡحَـقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۲﴾

صرف مجھ سے خوف کرو اور نہ ملاؤ حق کو ساتھ باطل کے اور نہ چھپاؤ حق کو حالانکہ تم جانتے ہو

یٰبَنِیٓ اِسْرَاۤئِیْلَ ۔ اللہ نے اس سے پہلے عام انسانوں پر اپنی عمومی نعمت خلق کو ذکر کیا اور زمین کی تمام چیزوں کا انسان کے فائدہ کے لئے خلق کرنے کا ذکر کر کے اپنی عبادت و معرفت کی طرف متوجہ فرمایا ۔ اور پھر حضرت آدمؑ کی تخلیق و خلافت اور ملائکہ کا اُس کے سامنے سجدہ کرانے کا بنی آدم پر خصوصی احسان بیان فرما کر انسان کو خطا کے بعد توبہ کی طرف متوجہ ہونا سکھایا جس کی تفصیل قدرے بیان ہو چکی ہے ۔ اب بنی اسرائیل پر اپنے خاص احسانات کا ذکر فرماتا ہے ۔ اس مقام پر صرف توجہ دلانے کے لئے اجمالی طور پر یاد دہانی کے بعد ان کو حق پوشی سے بچنے کی اور قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دے کر اپنی گرفت سے ڈرایا ہے اگلے رکوع میں ان نعمات و احسانات کی تفصیل آئے گی جن کا یہاں اجمال ہے ۔

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السّلام کا نام ہے ۔ عبرانی زبان میں اِسر کا معنی عبد اور ایل کا معنی اللہ ہوتا ہے پس اسرائیل کا معنی عربی میں عبداللہ ہوتا ہے ۔ یعقوب ان کو اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کا بھائی عیص اور یہ دونوں جوڑوین پیدا ہوئے پہلے عیص کا تولد ہوا اور ان کے بعد یہ پیدا ہوئے تو چونکہ یہ بعد میں پیدا ہوئے اس لئے ان کو یعقوب کہا گیا ۔ یعنی بعد میں پیدا ہونے والا ۔ لفظ یعقوب عقب سے مشتق ہے ۔ اسی طرح امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے ۔

تورات میں خداوند کریم نے بنی اسرائیل سے عہد فرمایا تھا کہ میں ایک نبی یعنی حضرت محمد مصطفےٰ کو مبعوث کروں گا جو اُس کی اطاعت کرے گا اُس کو دوگنا اجر عطا کروں گا ۔ ایک اجر موسیٰ اور تورات پر ایمان لانے کا ۔ اور دوسرا اجر جناب محمد مصطفےٰؐ اور قرآن پر ایمان لانے کا اور جو شخص اُن پر ایمان نہ لائے گا اُس کو سزا کے طور پر جہنم میں داخل کروں گا ۔ پس یہاں اسی عہد کو یاد دلا رہا ہے ۔ یہ بنی اسرائیل جو اس وقت جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ میں تھے گو اس وقت موجود نہ تھے لیکن چونکہ تورات پر ایمان

کا دعویٰ رکھتے تھے لہذا وہ عہد ان کو شامل تھا اور اس کی وفا ان پر لازم و واجب تھی (مجمع البیان)

تفسیر برہان میں اسی آیت کے ذیل میں ابن بابویہ سے بسند متصل ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے جب یہ آیت اُتری تو فرمایا کہ جب حضرت آدم دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے فرزند حضرت شیث کے ساتھ وفا کرنے کا اپنی اُمّت یعنی باقی اولاد سے عہد لیا لیکن اس عہد کی وفا نہ کی گئی اور جب حضرت نوح دنیا سے گئے تو انہوں نے اپنے فرزند سام کے لئے اپنی اُمّت سے وفا کا عہد لیا لیکن ان کی اُمّت نے وفا نہ کی۔ اور حضرت ابراہیم نے دنیا سے جاتے ہوئے اپنے فرزند اسمٰعیل کے لئے اپنی قوم سے وفا کا عہد لیا لیکن اُمّت نے پُورا نہ کیا۔ اور حضرت مُوسٰی نے جب دنیا سے رحلت فرمائی تو اپنی قوم سے اپنے وصی حضرت یوشعؑ کے ساتھ وفاداری کا عہد لیا لیکن اُنھوں نے پورا نہ کیا۔ اور جب حضرت عیسٰی بن مریم علیہما السلام آسمان پر تشریف لے گئے تو انھوں نے اس سے پہلے اپنی قوم سے اپنے وصی حضرت شمعون کے ساتھ وفا کرنے کا عہد لیا لیکن اُمّت نے وفا نہ کی اب میں بھی عنقریب تم سے جدا ہونے والا ہوں اور تمہارے درمیان سے رخصت ہونے والا ہوں اور میں نے بھی اپنی اُمت سے علی بن ابی طالب کے لئے عہد لیا ہے لیکن یہ بھی گذشتہ اُمّتوں کے نقش قدم پر چل کر میرے وصی کی مخالفت و نافرمانی کریں گے۔ آگاہ رہو! علی کے بارے میں مَیں اپنے عہد کو تازہ کرتا ہوں پس جو شخص اس عہد کو توڑے گا اُس کا وبال اس کے سر پر ہوگا اور جو وفا کرے گا خدا اس کو اجرِ عظیم عطا کرے گا۔ ایّہا النّاس، علی میرے بعد تمہارا امام ہے۔ اور تمہارے اُوپر میرا خلیفہ ہے۔ اور یہی میرا وصی ہے۔ اور وزیر بھی ہے۔ میرا بھائی بھی ہے اور ناصر بھی ہے۔ میری شہزادی کا شوہر بھی ہے اور میری اولاد کا باپ بھی ہے میری شفاعت حوض اور لواء کا مالک بھی ہے۔ جس نے اس کا انکار کیا اُس نے میری نبوت کا انکار کیا اور جس نے میرا انکار کیا اُس نے اللہ کا انکار کیا۔ اور جس نے اس کی امامت کا اقرار کیا اُس نے میری نبوت کا اقرار کیا۔ اور جس نے میری نبوت کا اقرار کیا اُس نے اللہ کی توحید کا اقرار کیا۔ اے لوگو! جس نے علی کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے علی کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی ایّہا النّاس جس نے علیؑ کے قول و فعل کی تردید کی اُس نے میری تردید کی۔ اور جس نے میری تردید کی اُس نے عرش کے اُوپر اللہ کی تردید کی۔ لوگو جس نے علی کے اُوپر کسی اور امام کو ترجیح دی گویا اُس نے میرے اُوپر کسی اور نبی کو ترجیح دی گویا اُس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کو ربّ ہونے میں ترجیح دی۔ ایّہا النّاس۔ علی سیّد الوصیین ہے نوریوں کا سردار ہے اور مومنوں کا مولا ہے۔ اس کا ولی میرا ولی اور میرا ولی اللہ کا ولی ہے۔ اس کا دشمن میرا دشمن اور میرا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔ پس علیؑ کے بارے میں اللہ کے عہد کی وفا کرو وہ قیامت کے دن تمہارے ساتھ جنّت کے عہد کی وفا کرے گا۔

مجمع البیان میں امام محمدؑ باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حُییؔ بن اخطب اور کعب بن اشرف اور دیگر عُلمائے یہود کے لئے

وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارۡكَعُوۡا مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ

اور قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنیوالوں کے کیا امر کرتے ہو لوگوں کو نیکی

بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ‌ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَاسۡتَعِيۡنُوۡا

کا اور بھلاتے ہو اپنے نفسوں کو حالانکہ تم تلاوت کرتے ہو کتاب (تورات) کی کیا پس تم نہیں سمجھتے اور اللہ سے مدد چاہو ساتھ

بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ‌ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيۡرَةٌ اِلَّا عَلَى الۡخٰشِعِيۡنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ

صبر اور نماز کے اور تحقیق یہ بات بڑی گراں ہے مگر اوپر خشوع کرنے والوں کے جن کو یقین ہے (ظن کا معنی بیان

اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ وَاَنَّهُمۡ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۴۶﴾

تعیین ہے) کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور اسی کی طرف پلٹنے والے ہیں

عوام یہودیوں کی طرف سے سالانہ وظائف مقرر تھے اور جب رسالت مآبؐ کے دین کی ترویج و اشاعت میں انہیں اپنے مقررہ وظائف کے بند ہو جانے کا خطرہ پیدا ہوا جس کو وہ نہ چاہتے تھے تو پس انہوں نے جناب رسالت مآبؐ کا ذکر و جملہ اوصاف جن کا تورات میں ذکر تھا سب کو بدل ڈالا پس قرآن مجید ان کی اسی شرارت کی خبر دے رہا ہے اور ان کو نصیحت کر رہا ہے کہ میری آیات کے بدلہ میں دنیاوی فوائد کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ دنیا کا فائدہ خواہ کتنا زیادہ ہی کیوں نہ ہو آخرت کے فوائد کے مقابلہ میں اقل قلیل ہے۔ پس یہ خطابات علمائے یہود کی طرف راجع ہیں کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ جو تورات کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے ساتھ کفر کرنے میں پہل نہ کرو کیونکہ تمہارے پیچھے عوام یہود بھی تم کو دیکھ کر گمراہ ہوں گے اور سب وبال آخرت میں تمہارے اوپر ہوگا۔ اور دنیاوی مال قلیل کے بدلہ میں تورات کی آیات کی تحریف کر کے اپنی عاقبت کو خراب نہ کرو اور مجھ سے ڈرو اور حق کو چھپانے کی خاطر حق و باطل کو خلط ملط نہ کرو حالانکہ تمہیں تورات کی رو سے بھی معلوم ہے کہ ایسا کرنے والے کا انجام آتش جہنم ہے۔

## نماز و زکوٰۃ کا بیان

اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ ۔ تمام عبادات میں سے نماز اور زکوٰۃ افضل ہیں۔ نماز عبادات بدنیہ میں سے افضل ہے۔ اور زکوٰۃ عبادات مالیہ میں سے افضل ہے۔

**نماز** ۔ کافی میں بروایت زرارہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا نماز سے سستی نہ کرو۔ کیونکہ جناب رسالت مآبؐ نے اپنے آخری وقت میں فرمایا کہ نماز کو خفیف جاننے والا مجھ سے یعنی میری اُمّت سے نہیں ہے۔ اور شراب پینے والا بھی میری اُمّت سے نہیں ہے۔ خدا کی قسم ایسا شخص میرے پاس ہرگز حوض کوثر پر وارد نہ ہوگا۔ نیز دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مومن جب تک نماز کا پابند رہے شیطان اس سے خوف زدہ رہتا ہے۔ جب یہ نماز کو ضائع

کردے تو وہ اس پر غلبہ حاصل کرکے اس کو دوسرے گناہان کبیرہ میں مبتلا کردیتا ہے۔ نیز حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جو شخص فرضی نمازوں کو پابندیٔ وقت سے ادا کرے وہ غافلین میں شمار نہ ہوگا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے منقول ہے کہ میرے والد بزرگوار نے آخری وقت میں مجھے فرمایا۔ بیٹا جو شخص نماز کو خفیف سمجھے اس کو ہماری شفاعت نہ پہنچے گی۔ نیز حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ ہر شے کا چہرہ ہوا کرتا ہے۔ اور تمہارے دین کا چہرہ نماز ہے۔ پس تم اپنے دین کے چہرہ کو بدنما نہ کرو (کافی) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معصومینؑ نے اپنے آخری وقت میں سب سے پہلے نماز کی وصیّت فرمائی۔ حتیٰ کہ حضرت امام حسین علیہ السّلام نے خیام سے آخری رخصت کے وقت اپنے بیمار فرزند کو سب سے پہلے نماز کی وصیّت فرمائی۔ اور ابوثمامہ صیداوی نے جب نماز کا وقت یاد دلایا تو آپ نے نہایت خوش ہو کر اُس کو یہی دعا فرمائی کہ خدا تجھے نمازیوں میں محشور کرے۔ مومنین کو واقعہ کربلا سے کہ امام حسینؑ کی فرمائشات اور آخری وصیّت کی قدر کرنی چاہیے۔ نماز کے مسائل کی پوری تفصیل جلد ۹ میں ملاحظہ کیجئے۔

**زکوٰۃ**۔ کافی میں ہے امام جعفر صادق علیہ السّلام نے محمدؒ بن مسلم سے فرمایا کہ جو شخص اپنے مال زکوٰۃ میں سے کوئی چیز روک دے اور ادا نہ کرے خداوند کریم بروز محشر اس مال کو اژدھا کی شکل دے کر اس کی گردن میں ڈال دے گا جو اُسے نوچتا رہے گا۔ یہاں تک کہ مخلوق کا حساب ختم ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ جناب رسُولِ خدا نے نام لے کر پانچ آدمیوں کو اپنی مسجد سے نکال دیا اور فرمایا کہ تم چونکہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے لہذا اس مسجد میں نماز بھی نہ پڑھو۔ ابو بصیر سے مروی ہے کہ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ جو شخص زکوٰۃ کا ایک قیراط ادا نہ کرے نہ وہ مومن ہے اور نہ مسلمان ہے۔ اور روایت میں ہے کہ اس کی نماز بھی مقبول نہیں ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ جب قائم آلِ محمدؐ کا ظہور ہوگا تو زکوٰۃ نہ دینے والوں کی گردنیں اڑا دیں گے۔ نیز جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ ادا نہ ہو اس پر لعنت ہے۔ زکوٰۃ کے مسائل کی تفصیل جلد ۱ میں ملاحظہ ہو۔

**نماز باجماعت**

وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ۔ میں چونکہ نماز جماعت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ لہذا نماز جماعت کی فضیلت کے متعلق چند حدیثیں بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ اگر نماز جماعت میں تعداد دس سے زیادہ ہو جائے تو ایک ایک رکعت کا ثواب لکھنے سے ملائکہ عاجز آجاتے ہیں۔ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ صفوں میں سے پہلی صف افضل ہے۔ اور پھر جس قدر پیش نماز کے قریب ہوگا افضل ہوگا تنہا نماز پڑھنے والے سے باجماعت نماز پڑھنے والا جنّت میں پچیس درجے بلند ہوگا۔ نیز مروی ہے کہ دائیں طرف والوں کا درجہ بائیں طرف والوں سے اتنا زیادہ ہے جتنا جماعت کا درجہ انفرادی نماز سے زیادہ ہے۔ امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ ایک شخص جناب رسُولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں بادیہ نشین ہوں۔ میرے پاس میری بیوی بچے اور غلام ہوا کرتے ہیں۔ کیا میں اذان و اقامت کہہ کر ان کو نماز پڑھاؤں تو جماعت کا درجہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو اُس نے عرض کی

کہ میرے غلام بعض اوقات پانی کی تلاش میں باہر چلے جاتے ہیں تو کیا میں اپنی بیوی بچوں کو اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھاؤں تو جماعت کا درجہ ہوگا؟ فرمایا ہاں! اُس نے عرض کی کہ بعض اوقات میرے بچے مال مویشی لے کر ادھر اودھر چلے جاتے ہیں تو کیا میں اپنی بیوی کو اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھاؤں تو جماعت کا ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اُس نے عرض کی کہ اگر عورت کسی کام کے لئے چلی جائے اور میں تنہا اذان و اقامت سے پڑھوں تو جماعت کا ثواب ہوگا آپ نے فرمایا ہاں! مومن اکیلا بھی جماعت ہے۔ (کافی)

لیکن روایت کے آخری جملہ سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مومن کی تنہا نماز ہر وقت جماعت کا ثواب رکھتی ہے بلکہ یہ اُس وقت ہے جب جماعت ممکن نہ ہو۔ وافی باب المعاصی والمناہی میں حضرت صادق علیہ السّلام سے ایک طویل روایت میں ہے کہ جو شخص ثواب جماعت کی طلب کے لئے مسجد کی طرف چلے اُس کے ہر قدم کے بدلہ میں ستّر ہزار نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی۔ اور ستّر ہزار درجات بلند ہوں گے۔ اور اسی حالت میں اگر مرے تو ستر ہزار فرشتہ اس کے دفن میں شریک ہوگا جو اُسے جنت کی خوش خبری سنائیں گے۔ اور تنہائی میں اُس کے مونس ہوں گے اور قیامت تک اُس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے

**غلط فہمی کا ازالہ۔** ہمارے عام مومنین سمجھتے ہیں کہ پیش نماز میں عدالت کی شرط ایک ایسا ناشدنی امر ہے کہ سوائے معصوم کے اور کوئی نماز جماعت کے اہل ہو ہی نہیں سکتا شیطان چونکہ چاہتا ہے کہ مومن کو افضل ترین عبادت سے محروم رکھے لہذا دلوں میں شبہات ڈالکر مومن کو ایک بہترین عبادت سے محروم کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ جب طلاق کی شہادت کے لئے عادل میسّر ہو سکتے ہیں۔ نکاح کی وکالت کے لئے عادل مل سکتے ہیں۔ ماہ رمضان یا عید کا چاند ثابت کرنے کے لئے عادل دستیاب ہو سکتے ہیں تو کیا صرف نماز خدا کی ادائیگی کے وقت پُورے شہر کے سب مومن فاسق و فاجر ہو جاتے ہیں؟ یہ معاملہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ میرے خیال میں یہ صرف شیطانی وسوسہ ہے جو نمازیوں کو نماز سے تو روک نہیں سکتا لہذا اس بہانہ سے ان کو ایسے طرز عمل سے روک دیتا ہے جس سے نماز کی مقبولیت یقینی ہوتی ہے۔ پس نماز پڑھنے والوں کے لئے احادیث معصومین کے پیش نظر ضروری ہے کہ نماز با جماعت کی کوشش کریں اور ان شیطانی وساوس کا اعتبار نہ کریں۔ جو شخص نماز و طہارت کے ضروری مسائل جانتا ہو قرأت درست رکھتا ہو اور ظاہر میں نیک ہو وہ پیش نماز بن سکتا ہے۔ اور اس کے پیچھے نماز ادا کر کے ہر جگہ مومنین ثواب جماعت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور پیشنماز کے پاس مزید کسی سند کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

علمائے یہود کی مذمت کر کے خداوند کریم نے علمائے اسلام کو بھی متنبہ فرمایا ہے کہ مبادا لوگوں کو ہدایت کر کے اپنے نفسوں کو بھلا دیں۔ اور آیت کا مفہوم صرف ایک زمانہ والوں کے لئے نہیں بلکہ تا قیامت باقی ہے اسی لئے تو روایت میں ہے کہ روز محشر بڑی حسرت ان علما کو ہوگی جن کی نصیحت سے دوسروں نے فائدہ اٹھا کر جنّت میں جگہ پالی اور ان کو اپنی بداعمالیوں کی بدولت جہنم کا جیل خانہ نصیب ہوا۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا وَجَمِیْعَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ

اے اولادِ یعقوب یاد کرو میری اس نعمت کو جو انعام کیا میں نے تم پر اور میں نے تم کو فضیلت دی

عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡـًٔا وَّلَا یُقۡبَلُ

عالمین پر اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کفایت کرے گا کوئی نفس کسی نفس سے کچھ بھی اور قبول نہ ہوگی اس

مِنۡهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ

سے سفارش اور نہ لیا جائے گا اس سے فدیہ اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے اور (یاد کرو) جب ہم نے بچایا تم کو

اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَیَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَکُمۡ

فرعونیوں سے کہ تکلیف دیتے تھے تم کو برے عذاب کی کہ ذبح کر ڈالتے تھے تمہارے لڑکوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری لڑکیوں کو

وَفِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ ﴿۴۹﴾

اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی

## بنی اسرائیل پر نعماتِ خداوندی کا ذکر

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ - اس مقام پر تنزیل کے اعتبار سے بنی اسرائیل سے مراد اولادِ یعقوب ہے - پہلے رکوع میں ان پر انعامات کو اجمالی طور پر ذکر کیا گیا تھا - یہاں سے ان نعمتوں کی تفصیل کو شروع کیا گیا ہے اور اسی بنا پر اس کو دہرایا گیا ہے۔

**شفاعت:** - تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہاں جس دن سے ڈرنے کا حکم خدا نے دیا ہے اُس سے مراد موت کا دن ہے کیونکہ موت سے نہ کوئی دوسرے کی مدد کر سکتا ہے اور نہ سفارش کا مقام ہوتا ہے اور نہ فدیہ سے اس کو روکا جا سکتا ہے - اور اس سے یوم قیامت مراد نہیں کیونکہ اُس دن ہم اپنے شیعوں کی مدد کریں گے۔ اعراف پر حضرت محمد مصطفیٰ - علیؑ - فاطمہؑ - حسنؑ - حسینؑ اور ان کی طاہر اولاد موجود ہوگی - پس عرصہ محشر میں جب مومنین سختی دیکھیں گے تو ہر زمانہ کے نیک اور اخیار شیعوں کو ان کی نجات کے لئے بھیجیں گے مثلاً اپنے زمانہ والوں کے لئے سلمان - مقداد - ابوذر وغیرہ (بحکم امام) باز و شاہین کی طرح جھپٹ کر گنہگار شیعوں کو اٹھا کر جنّت میں داخل کریں گے - پس مومن داخل جنّت ہوں گے اور اہل بیت سے عداوت رکھنے والے داخل جہنّم ہوں گے (ملخصاً)

تفسیر مجمع البیان میں بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم کی وجہ اس طرح بیان کی گئی ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا تھا کہ

بیت المقدس کی جانب سے ایک آگ اٹھی جس نے مصر کے تمام گھروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ان کو جلا کر خاکستر کر دیا اور صرف قبطیوں کو اس نے جلایا اور بنی اسرائیل کو ضرر نہ پہنچایا۔ فرعون اس سے بہت گھبرایا اور جادوگروں، قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلا کر ان سے تعبیر خواب دریافت کی۔ انہوں نے کہا بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تیری ہلاکت ہوگی۔ تیرا ملک زائل ہوگا اور تیرا دین ختم ہوگا۔ پس فرعون نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں ہر پیدا ہونے والا لڑکا قتل کر دیا جائے اور اپنی مملکت کی تمام دایہ عورتوں کو بلا کر حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والا کوئی لڑکا زندہ نہ چھوڑا جائے اور کوئی پیدا ہونے والی لڑکی قتل نہ کی جائے چنانچہ وہ ایسا ہی کرتی تھیں۔ بنی اسرائیل کے سن رسیدہ لوگ اپنی اپنی اجل سے مرتے گئے اور بچے ذبح ہوتے گئے تو قبطیوں کے رؤسا فرعون کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ سن رسیدہ بنی اسرائیل ویسے مر رہے ہیں اور پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کیا جا رہا ہے اگر یہی صورتِ حال رہی تو تھوڑے عرصہ کے اندر ہمارے کاروبار کرنے والا کوئی نہ بچے گا اور تمام نجی کام ہمیں خود کرنا پڑیں گے۔ پس فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال قتل کو جاری رکھا جائے اور ایک سال یہ سلسلہ بند کر دیا جائے۔ پس حضرت ہارون اس سال پیدا ہوئے جس سال قتل نہ تھا اور حضرت موسیٰ قتل کے سال میں پیدا ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا تفصیلی ذکر تفسیر ہذا کی جلد ۹ ص۵۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔ انشاء اللہ۔

بنی اسرائیل کے مرد قبطیوں کے نوکروں کی حیثیت سے تھے۔ ان کی کھیتی باڑی اور دیگر تمام نجی کاروبار ان کے ذمہ تھے جو شخص کام سے عاجز ہوتا تھا قبطیوں کی طرف سے اس پر جزیہ (ٹیکس) رکھا جاتا جس کو وہ ظلم سے وصول کیا کرتے تھے۔ اور بنی اسرائیل کی عورتوں کو اپنی کنیزی میں رکھتے تھے اس لئے فرعون نے ان کے ذبح نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور درحقیقت لڑکیوں کا ان کی کنیزی میں ہونا ان کے لڑکوں کے قتل ہونے سے زیادہ سخت اور ناقابلِ برداشت ظلم تھا۔

بَلَآءٌ عَظِيْمٌ کا معنی سخت آزمائش بھی ہے اور اس کا معنی احسانِ عظیم بھی ہے اور اس مقام پر دونوں مراد لئے جا سکتے ہیں یعنی فرعون کا یہ ظلم تمہارے اُوپر امتحان عظیم تھا جس سے خدا نے تمہیں نجات دی یا فرعونیوں کے اس مبینہ ظلم سے جو خدا نے تمہیں نجات دی ہے اس میں تمہارے اُوپر اس کا احسان عظیم ہے۔

فرعون مصر کے بادشاہ کا نام نہیں تھا بلکہ یہ عمالقہ کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ جس طرح روم کے بادشاہوں کو قیصر اور ایران کے حکمران کو کسریٰ کہا جاتا تھا اسی طرح عمالقہ کے بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ حضرت موسیٰ کے زمانہ کے فرعون کا نام مصعب بن ریّان تھا۔

امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل پر جب فرعون کے مظالم سخت ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ اپنی قوم کو محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجنا سکھائے جب انہوں نے یہ عمل شروع کیا تو درود کی برکت سے ان کے مصائب

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور یاد کرو جب شق کیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پس تمہیں بچالیا اور غرق کر دیا ہم نے فرعونیوں کو حالانکہ تم دیکھ رہے تھے

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَ

اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس راتوں کا پھر پکڑا (پوجا) تم نے گوسالہ اس کے پیچھے اور

اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

تم ظالم تھے پھر ہم نے درگذر کیا تم سے اس کے بعد تاکہ تم شکر گزار ہو

کم ہوگئے جب ان کے ہاں بچہ کی پیدائش ہوتی تھی تو فرعونیوں کے ڈر سے اس کو کسی غار میں چھپا دیتے تھے اور اس پر دس مرتبہ درود پڑھ دیتے تھے۔ خداوند کریم اس کی تربیت کے لئے ایک فرشتہ بھیج دیتا تھا۔ اور بقدرت خدا وہ اپنی انگلی کو چوستا تھا تو اس سے دودھ جاری ہوجاتا تھا جس سے اُس کی نشوونما ہوتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ باوجود فرعون کے تشدد کے بنی اسرائیل کی تعداد میں کمی واقع نہ ہوئی۔ اور عورتوں نے بھی درود کو ورد زبان بنایا جس سے فرعونیوں کو ان کی آبروریزی پر قدرت نہ ہوسکتی تھی۔ اب خدا اسی احسان کو بنی اسرائیل پر ذکر فرما رہا ہے۔ انتہی ملخصاً۔

## فرعون اور اُس کے لشکر کے غرق ہونے کا واقعہ

وَاِذْ فَرَقْنَا۔ تفسیر مجمع البیان میں فرعون اور اُس کے لشکر کی دریائے نیل میں غرقابی کا قصہ ابن عباس سے، اس طرح منقول ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر وحی ہوئی کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت روانہ ہوئے تو فرعون نے دس لاکھ سواروں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور حضرت موسیٰ کے ہمراہیوں کی تعداد چھ لاکھ بیس ہزار تھی۔ پس حضرت موسیٰ ان کو لے کر پانی کے کنارے پہنچے جب پلٹ کر دیکھا تو فرعون کے گھوڑوں کا غبار نظر آیا۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ سے کہنے لگے۔ اے موسیٰ تیرے آنے سے پہلے بھی ہم مبتلائے مصیبت رہے اور تیرے آجانے کے بعد بھی معاملہ وہی ہے۔ سامنے پانی ہے پیچھے فرعون ہے۔ حضرت موسیٰ نے اُن سے کہا کہ مجھے اُمید ہے کہ خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کرے گا اور تم کو زمین کی حکومت عطا کرے گا۔ حضرت یوشع بن نون نے عرض کی کہ اب کیا حکم ہے؟ تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ پانی پر اپنا عصا ماروں اور خدا نے دریا کو وحی کی تھی کہ وہ موسیٰ کے عصا مارنے سے اس کی اطاعت کرے پس حضرت موسیٰ نے جب پانی پر عصا مارا تو وہ شق ہوگیا اور اس میں بارہ راستے پیدا ہوگئے اور بنی اسرائیل کے ہر قبیلہ کے لئے الگ راستہ تھا پس وہ کہنے لگے کہ ابھی رستوں میں تری زیادہ ہے یعنی کیچڑ ہے ہم ایسے راستے سے نہیں چلتے پس خدا نے بادِ صبا کو بھیج کر

راستے خشک کر دیئے۔ جب داخل ہوئے تو کہنے لگے کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے۔ نہ معلوم ان کا حال کیا ہوگا تو حضرت موسیٰ نے اللہ سے ان کے حالات کی شکایت کی۔ پس وحی ہوئی کہ تو اپنے عصا سے دائیں بائیں اشارہ کر چنانچہ حضرت موسیٰ نے ویسا ہی کیا۔ تو پانی کی بلند دیواروں میں ہر دو طرف سے دروازے پیدا ہو گئے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ جب فرعون ساحل آب پر پہنچا تو اس کا مشکی گھوڑا پانی میں داخل ہونے سے گھبرایا پس جبرائیل بصورت بشر ایک مادہ گھوڑی پر سوار ہو کر فرعون کے گھوڑے کے آگے ہو گئے اور پانی میں داخل ہوئے تو فرعون کا گھوڑا بھی پیچھے داخل ہو گیا۔ اس کے بعد فرعون کا لشکر بھی داخل ہونا شروع ہو گیا۔ جب بنی اسرائیل سب کے سب پار ہو گئے اور لشکرِ فرعون سب کا سب داخل آب ہو گیا تو بحکم خدا پانی آپس میں مل گیا۔ اور لشکرِ فرعون غرق ہو گیا۔ (ملخص ترجمہ روایت)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ بمعہ بنی اسرائیل جب ساحل آب پر پہنچے تو وحی ہوئی کہ اے موسیٰ! بنی اسرائیل سے کہو کہ میری توحید کا اقرار تازہ کریں اور جناب محمد مصطفےٰ کا دل سے اقرار کریں اور اس کے بھائی علی اور اس کی آل پاک کی ولایت کو تازہ کریں اور پھر اس پانی کو عبور کرنے کے لئے ان کا واسطہ دے کر مجھ سے دعا مانگیں۔ ہیں اس پانی کی سطح کو مثل زمین کے کر دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے جب اُن کو اللہ کا یہ حکم سنایا تو کہنے لگے ایسی بات ہم نہیں مانتے ہم نے موت کے ڈر سے تو فرعون سے فرار کیا ہے اور تو ان کلمات کے ذریعہ سے ہمیں اس گہرے پانی میں داخل کہتا ہے۔ جس کا نتیجہ معلوم نہیں۔ کالب بن یوحنا گھوڑے پر سوار تھا اور اس جگہ سے پانی کی چوڑائی بارہ میل تھی۔ عرض کرنے لگا یا نبی اللہ! کیا اللہ کا حکم ہے کہ ہم یہ کلمات زبان پر جاری کر کے پانی میں داخل ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں! پھر عرض کی کہ آپ کی اجازت بھی ہے؟ موسیٰ نے فرمایا۔ ہاں! پس اُس نے توحید خدا اور نبوت محمد مصطفےٰ اور ولایت علی مرتضیٰ اور اُن کی آلِ اطہار کا عہد تازہ کر کے دعا مانگی کہ میرے اللہ ان کے وسیلہ سے مجھے اس پانی کے عبور کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔ یہ کہہ کر گھوڑے کو پانی میں داخل کیا اور ایڑ لگائی پس پانی کی سطح زمین کی مانند ہو گئی۔ اُس کنارے تک پہنچ کر پھر واپس آیا اور بنی اسرائیل سے خطاب کر کے کہا اللہ کی اطاعت کرو اور حضرت موسیٰ کی بات مانو کیونکہ یہ دعا ابواب جنت کی کنجیاں ہیں اور درہائے جہنم کے بند کرنے کا ذریعہ ہیں طلب رزق کا وسیلہ اور رضائے خالق کا سبب ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تو زمین پر ہی چلیں گے اور بس۔ پس حضرت موسیٰ کو وحی ہوئی کہ محمدؐ و آل محمدؐ کو وسیلہ قرار دے کر دعا مانگو اور اس پانی پر اپنا عصا مارو پس حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا تو پانی شق ہوا اور زمین ظاہر ہو گئی۔ وہ کہنے لگے کہ کیچڑ سے ہم عبور نہ کریں گے کیونکہ جب تک زمین پوری طرح خشک نہ ہو ہمیں خطرہ ہے کہیں دھنس نہ جائیں پھر بذریعہ وحی حضرت موسیٰ نے محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ سے دعا مانگی تو اللہ نے باد صبا کو بھیج کر زمین کو خشک کر دیا۔ وہ کہنے لگے ہم بارہ قبیلے ہیں ایک راستہ سے کیسے گذریں جب کہ ہر قبیلہ پہلے گذرنے کا خواہش مند ہوگا۔ اور اس میں جھگڑا ہو جائے گا لہٰذا ہمارے لئے جدا جدا رستے ہونے چاہئیں پس بحکم خدا

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَى

اور جب ہم نے دی موسیٰ کو کتاب (تورات) اور فرقان تاکہ تم ہدایت پاؤ　　اور جب کہا موسیٰ نے

حضرت موسیٰ نے بارہ جگہ پر بذریعہ عصا پانی میں رستے پیدا کئے اور ہر بار محمدؐ وآل محمدؐ کو وسیلہ قرار دیتے رہے۔ اور بذریعہ بادِ صبا بطریق سابق سب خشک بھی ہوگئے۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہمیں ایک دوسرے کا علم کیسے ہوگا وہ تو نظر نہ آئیں گے تو حضرت موسیٰ نے محمدؐ وآل محمدؐ کے وسیلہ سے دعا مانگی۔ اور عصا کا دائیں بائیں اشارہ کیا جس سے پانی کی دیواروں میں دروازے پیدا ہوگئے۔ الخبر

بروایت مجمع البیان جب فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوگئے اور بنی اسرائیل واپس مصر میں آباد ہوگئے تو خداوندکریم کا وعدہ ہوا کہ میں تورات و شریعت عطا کروں گا۔ پس حضرت موسیٰ اپنے بھائی ہارون کو اپنا قائم مقام مقرر کرکے کوہِ طور پر گئے اور چالیس دن وہاں رہے۔ ماہ ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے۔ اسی اثنا میں سامری جس کا نام میخا یا موسیٰ بتلایا گیا ہے جو دراصل گاؤ پرست قوم سے تھا اور بنی اسرائیل میں ظاہری صورت میں مسلمان کہلاتا تھا (نے فریب کیا) وہ اس طرح کہ قبطیوں کے جو زیورات بنی اسرائیل کے پاس موجود تھے حضرت ہارون نے ان کو پھینک دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ اُس نے آگ جلوائی اور ان تمام زیورات کو اس میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ سامری نے جبریل کی گھوڑی کے قدم کے نشان سے مٹی اٹھا کر اپنے پاس محفوظ کی ہوئی تھی۔ اپنی مٹھی میں لے کر آگ کے قریب آیا اور اس مٹی کو آگ میں ڈال کر گوسالہ بنا ڈالا۔ اور بنی اسرائیل سے کہا کہ تمہارا خدا یہی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل اس کی بات مان کر اس کی پوجا کرنے لگ گئے۔ خداوندکریم ان آیات میں ان کے دشمن فرعون کی ہلاکت اور ان کی نجات پھر ان کی گوسالہ پرستی کی شرارت اور توبہ کی مقبولیت اور معافی کا ذکر فرما رہا ہے تاکہ ان احسانات کا احساس کرکے اپنے محسن حقیقی کا حق شکر ادا کریں۔

اس پانی میں اختلاف ہے کہ جس پانی سے حضرت موسیٰ اور آپ کی قوم کو گذرنے کا حکم ہوا وہ دریائے نیل تھا یا بحر قلزم۔ اور جغرافیائی قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بحر قلزم کا پاٹ ہی ہوگا کیونکہ اُس پانی کو عبور کرکے ہی حضرت موسیٰ کی قوم صحرائے سینا کی طرف آئی تھی اور کوہِ طور بھی اُسی طرف تھا۔ اور شام و فلسطین کے علاقے ہی اُن کی رہائش گاہ تھے۔ نیز فرعون کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل کا واپس مصر کی طرف پلٹ کر جانا اور وہاں اپنی حکومت قائم کرنا بھی تاریخ کا اختلافی مسئلہ ہے۔

## بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کی سزا اور توبہ

وَإِذْ آتَيْنَا فرقان کے معنی کی کئی توجیہات مفسرین نے بیان کی ہیں چنانچہ ابن عباس سے منقول ہے کہ فرقان کا معنی بھی تورات ہے اور کتاب پر اس کا عطف تفسیری ہے۔ تفسیر اہل بیت میں ہے کہ فرقان سے مُراد حق و باطل کے درمیان فرق ہے۔ اور حق پرستوں اور باطل پرستوں کے درمیان یعنی مومنوں اور کافروں کے درمیان امتیاز ہے (کہ یہ بچ گئے اور وہ غرق ہوگئے) بعضوں نے کہا ہے کہ فرقان کا معنی پانی کا

لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ

اپنی قوم سے اے قوم تحقیق تم نے ظلم کیا اپنے نفسوں پر ساتھ پکڑنے (پوجنے) گوسالہ کے پس توبہ کرو طرف اپنے پیدا کرنیوالے

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

کے پس قتل کرو اپنے نفسوں کو یہ اچھا ہے تمہارے لئے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک پس اس نے توبہ قبول کی تمہاری تحقیق وہ بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے

کا شق ہونا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى۔ حضرت موسیٰ جب کوہ طور سے واپس آئے اور قوم کی گوسالہ پرستی پر مطلع ہوئے تو فرمایا کہ تم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے کہ خدا کے مقابلہ میں ایک بچھڑے کو معبود قرار دے دیا۔ پس اب اللہ سے توبہ کرو۔ اور دین حق پر ثابت قدم رہنے والوں کو حکم دیا کہ گوسالہ پرستوں کو قتل کر دیں۔ روایت اہل بیتؑ میں ہے کہ یہ حکم سنتے ہی اکثر گوسالہ پرستوں نے اپنی گوسالہ پرستی کا انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم نے بالکل اس کی پوجا نہیں کی۔ پس وحی ہوئی کہ اس گوسالہ کو دریا میں ڈال دیا جائے۔ پس جب بنی اسرائیل اس کا پانی پئیں گے تو گوسالہ پرستوں کے ہونٹ اور ناک سیاہ ہو جائیں گے۔ اور مجرم اور غیر مجرم کا فرق معلوم ہو جائے گا۔ بروایت ابن عباس پس بحکم موسیٰ ان لوگوں نے غسل کیا اور کفن پہن لئے اور صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت ہارون کے ہمراہ جن لوگوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی وہ تیز تلواریں ہاتھوں میں لے کر آ گئے اور بروایت اہل بیتؑ حضرت موسیٰ نے منادی کرا دی کہ جو شخص کسی مجرم کو بچائے گا یا اپنے عزیز سے چشم پوشی کر کے غیر کو قتل کرنے کی کوشش کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہو گی۔ پس مقتولین نے سر جھکا لئے اور بیان کیا جاتا ہے کہ خداوند کریم نے فضا کو تاریک کر دیا تاکہ قاتل مقتول کو پہچان کر اس امتحان میں فیل نہ ہو جائے پس قتل شروع ہوا اور حضرت موسیٰ و ہارون نے تضرع و زاری سے دعا مانگنا شروع کی اور جب تاریکی منکشف ہوئی تو ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے تھے۔ روایت اہل بیتؑ میں ہے کہ بارہ ہزار آدمیوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی۔ اور چھ لاکھ نے گوسالہ پرستی کا جرم کیا تھا جن کو قتل کرنے کا حکم ہوا تھا۔ جب قتل شروع ہوا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمدؐ و آل محمدؐ کا وسیلہ جو ہر مصیبت کے وقت ہمیں سکھایا گیا ہے اور اس کے ذریعے کوئی دعا مسترد نہیں ہوتی اور نبی و رسول بھی بارگاہ خداوندی میں یہی وسیلہ قرار دیا کرتے ہیں ہم بھی ان کے وسیلہ ہی سے دعا مانگیں؟ پس انہوں نے رونا شروع کیا اور محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگی اور توبہ کی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اب قتل روک دو۔ ملخص ترجمہ روایات۔

روایت میں ہے کہ زوال سے لے کر غروب آفتاب تک قتل جاری رہا اور ستر ہزار مقتولین کو دیکھ کر حضرت موسیٰ غمگین ہوئے تو خداوند کریم نے سب کی بخشش کا وعدہ فرمایا تب حضرت موسیٰ خوش ہوئے۔

مقتولین قتل کرنے والوں کے رشتہ دار بھی تھے۔ اسی وجہ سے خدا نے فضا کو تاریک کر دیا تھا اور یہ قتل کا عذاب صرف مقتولین پر نہیں تھا بلکہ قتل کرنے والے بھی اس عذاب میں شریک تھے کیوں کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیزوں کو قتل کر رہے تھے کیونکہ وہ گوسالہ پرستوں کو منع نہ کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح گناہ کرنے والے مستحق سزا ہوتے ہیں اسی طرح ان کے گناہ پر راضی ہونے والے یا نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ کرنے والے بھی سزا میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہوا کرتے ہیں۔ اسی لئے تو روایات میں ہے کہ جو شخص کسی قوم کے فعل پر راضی ہو اُس کا شمار اُسی قوم سے ہوگا۔ چنانچہ یہ آیات اگرچہ اُن لوگوں کے حق میں ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تھے لیکن جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ کے بنی اسرائیل چونکہ ان کے افعال پر راضی تھے اس لئے قرآن مجید میں ان کی نعمات و عقوبات کو ان کی طرف منسوب کرکے خطاب کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ستّر ہزار بنی اسرائیل کے قتل کے بعد باقیوں کی توبہ قبول ہوئی اور قتل ہونے والوں کے گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہوا۔ اور خداوند کریم اپنے اسی احسان کا موجودہ بنی اسرائیل کے سامنے تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ ان واقعات سے عبرت حاصل کرکے راہ راست پر چلنے کی کوشش کریں۔

تنزیل کے لحاظ سے اگرچہ یہ آیات بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی ہیں لیکن تاویل اس کی صرف ایک زمانہ کے لوگوں کے لئے مختص نہیں جس طرح کہ اس موضوع پر تفسیر کی جلد اوّل میں کافی بحث کی جا چکی ہے۔ پس اس قسم کی آیات مسلمانوں کے لئے بھی درس عمل ہیں کہ انسان کو اپنے عمل بد کے بعد رحمتِ خدا سے مایوس نہ ہونا چاہیے چنانچہ بنی اسرائیل کی بار بار لغزشوں کے باوجود ان کی توبہ کو خداوند کریم نے نہیں ٹھکرایا۔ پس معلوم ہوا کہ اگر انسان سے لغزش ہو جائے تو اُسے توبہ کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے۔ اگر دوبارہ لغزش ہو جائے تو دوبارہ توبہ کرے کیونکہ خداوند کریم کی رحمت سے بعید ہے کہ معافی طلب کرنے والے کو معافی نہ دے وہ توّاب اور رحیم ہے۔

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ انسان کا ظاہری جسم یا لباس اگر نجس ہو جائے تو اُسے پاک پانی سے دھو ڈالنے کا حکم ہے تاکہ وہ پاک رہے پھر اُس کو حفاظت سے رکھے تاکہ دوبارہ نجس نہ ہونے پائے لیکن اگر اتفاق سے یا اس کی غفلت سے دوبارہ نجس ہو بھی جائے تو پانی کو اُس کے دوبارہ پاک کرنے سے انکار نہیں ہوتا جتنی بار نجس ہوگا جاری پانی میں غوطہ دینے سے پاک ہی ہوتا رہے گا پس اسی طرح روحانی نجاستوں کی تطہیر کے لئے خدا نے دریائے توبہ اور بحرِ رحمت کو جاری فرمایا ہے کہ اگر گناہ سرزد ہو تو اس کو دریائے توبہ میں غوطہ دے پھر اپنی طرف سے بچنے کی کوشش کرے لیکن پھر بوجہ گناہ کے اگر روحانی نجاست سے آلودہ ہو جائے تو یہ نہ سمجھے کہ اب دریائے توبہ میں یا بحرِ رحمت میں تطہیر کا بخل ہے بلکہ وہ جتنی دفعہ توبہ کرے گا خدا منظور فرمائے گا۔ بشرطیکہ زبانی توبہ نہ ہو قلبی توبہ ہو اور اللہ دلوں کے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔

---

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز ایمان نہ لائیں گے تیری بات پر یہاں تک کہ دیکھیں اللہ کو ظاہر پس پکڑا تم کو بجلی

الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ

نے حالانکہ تم دیکھتے تھے پھر ہم نے زندہ کیا تم کو تمہاری موت کے بعد تاکہ

تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى

تم شکر کرو اور سایہ کیا ہم نے تمہارے اوپر بادل کا اور نازل کیا ہم نے تمہارے اُوپر من اور سلویٰ

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو رزق دیا ہم نے تم کو اور انہوں نے ہمیں نقصان نہیں دیا بلکہ وہ اپنے نفسوں کو نقصان دیتے تھے

## بنی اسرائیل کا رؤیتِ خدا کا سوال

وَاِذْ قُلْتُمْ (عقائد صدوق) عصمتِ انبیاء کے متعلق مامون نے جو سوالات امام رضا علیہ السّلام سے کئے منجملہ ان کے ایک سوال یہ بھی تھا کہ جب حضرت موسیٰ کو یقین تھا کہ خدا نظر نہیں آسکتا تو خدا سے رؤیت کا سوال کرنا اُن کے لئے کیسے جائز تھا؟ تو حضرت امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو علم تھا کہ خدا نظر نہیں آسکتا لیکن خدا نے جب اُن کو اپنا کلیم بنایا اور اپنی ہمکلامی سے قرب کا شرف بخشا تو انہوں نے اپنی قوم سے آکر ذکر فرمایا کہ خدا نے مجھے کلام کا شرف بخشا ہے۔ اُنہوں نے کہا یہ بات ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ ہم اس کا کلام خود نہ سنیں گے جس طرح آپ نے سنا ہے اور قوم کی کل تعداد سات لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ موسیٰ نے ان میں سے ستر ہزار کا انتخاب کیا پھر اُن میں سے سات ہزار چُنے پھر اُن میں سے سات سو لئے اور پھر اُن سے ستّر کو منتخب فرمایا پھر ان ستّر کو میقات کے لئے طور سینا پر لے گئے پس اُن کو پہاڑ کے دامن میں کھڑا کر کے خود کوہ طور کے اُوپر تشریف لے گئے اور اللہ سے کلام کرنے کی درخواست کی تاکہ وہ انتخاب کردہ آدمی سُن لیں پس خدا نے کلام کیا اور اُنہوں نے سنا اور وہ آواز اُوپر نیچے۔ دائیں بائیں۔ آگے و پیچھے یعنی ہر طرف سے سنائی دے رہی تھی۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم نہیں مانتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جب تک اپنی آنکھوں سے اُس کو بولتا ہوا نہ دیکھیں جب اُنہوں نے یہ بات کہی اور تکبّر اور سرکشی کی تو خدا نے اُن کے ظلم کے بدلہ میں اُن پر بجلی نازل کی اور وہ سب مر گئے پس حضرت موسیٰ نے عرض کی میرے اللہ میں واپس جاکر قوم کو کیا جواب دوں گا وہ تو کہیں گے تو اپنے کلیم اللہ ہونے کے دعوے کی تصدیق پیش نہیں کر سکا لہذا ان کو اکیلا لے جاکر قتل کر آیا ہے۔ پس خدا نے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا چنانچہ وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ واپس آئے، پھر کہنے لگے اگر تو اللہ سے رؤیت کا سوال کرتا تو وہ ضرور منظور کر لیتا ہم بھی اُس کو دیکھ کر صحیح معرفت حاصل کر لیتے

تو حضرت موسیٰ نے اُن کو جواب دیا کہ خدا آنکھوں ہر گز نہیں دیکھا جاسکتا بلکہ اُس کی نشانیاں دیکھ کر اُس کو پہچانا جاتا ہے اُنوں نے کہا کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تو اللہ سے رؤیت کا سوال نہ کرے گا۔ پس حضرت موسیٰؑ نے اپنی مناجات میں عرض کی، میرے اللہ! تو بنی اسرائیل کی باتوں کو جانتا ہے۔ اور اُن کی مصلحتوں سے بھی واقف ہے۔ پس وحی ہوئی اے موسیٰ وہ جو کچھ کہتے ہیں، تو سوال کر اُن کی جہالت کا مواخذہ میں تجھ سے نہ کروں گا۔ پس اسی وقت حضرت موسیٰ نے عرض کی۔ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ ۔ قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ ۔ اے میرے ربّ مجھے اپنا آپ دکھا تاکہ میں تجھے دیکھوں۔ ارشاد ہوا تو ہرگز مجھے نہیں دیکھے گا۔ وَلٰكِنِ انۡظُرۡ اِلَى الۡجَبَلِ لیکن پہاڑ کی طرف نظر کر فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ تو پس تو مجھے دیکھ لے گا۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلۡجَبَلِ پس جب اُس کے ربّ نے پہاڑ پر اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی کو ظاہر کیا جَعَلَهٗ دَكًّا ۔ اس کو ریزہ ریزہ کر دیا وَخَرَّ مُوۡسٰى صَعِقًا ۔ اور حضرت موسیٰ مدہوش ہو کر گر گئے۔ پس جب ہوش میں آئے تو عرض کی میرے اللہ میں اپنی قوم کی جاہلانہ روش سے تائب ہوں اور میں اس بات پر پہلا ایمان لانے والا ہوں کہ تو دیکھا نہیں جا سکتا۔

## ذکر رجعت

اس آیت سے علمائے امامیہ نے رجعت کا جواز ثابت کیا ہے۔ مذہب شیعہ میں رجعت کا مسئلہ مسلّمہ حیثیت رکھتا ہے یعنی ظہور قائم آلِ محمدؑ کے بعد مخلص مومن اور خالص دشمن خدا و رسول اٹھائے جائیں گے دشمنانِ خدا کو سزائیں ملیں گی اور مومنین کو خوشی و سرور نصیب ہوگا۔ تفسیر برہان میں ہے کہ ابن کوا نے یہی مسئلہ حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کئی قومیں ایسی ہیں جن کو خدا نے اپنی اجل مقرر سے پہلے بوجہ ان کے گناہوں کے موت دے دی۔ اور پھر دوبارہ ان کو زندگی بھی دی تاکہ دنیا سے اپنا رزق پورا حاصل کرلیں پھر بعد میں ان کو دوبارہ موت دی۔ ابن کوا نے جب یہ بات سُنی تو اُس کو گراں معلوم ہوئی اور سمجھ نہ سکا۔ آپ نے فرمایا وائے ہو تیرے اُوپر کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا فرماتا ہے حضرت موسیٰ اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب کرکے وعدہ گاہ پر لے گئے تاکہ کلامِ خدا سُن کر قوم کے سامنے موسیٰ کے کلیم اللہ ہونے کے دعوے کی تصدیق کریں۔ اگر وہ مان جاتے اور تصدیق کرلیتے تو ان کے لئے بہتر تھا لیکن انہوں نے موسیٰ کو کہا کہ جب تک اپنی آنکھوں سے خدا کو نہ دیکھیں گے نہ مانیں گے پس وہ صاعقہ کی زد میں آگئے یعنی مرگئے۔ پھر خدا نے اُن کو زندہ کیا اے ابن کوا کیا یہ لوگ دوبارہ زندہ ہو کر اپنے گھروں کو نہیں گئے تھے؟ اُس نے کہا نہیں جناب ان کو پھر خدا نے اسی جگہ موت دے دی تھی۔ آپ نے فرمایا تیرے اُوپر ویل ہو خدا فرماتا ہے ہم نے ان کے اُوپر سایہ بادل کا کیا اور من سلویٰ نازل کیا اور یہ سب ان کے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد کا قصہ ہے اور رجعت پر اسکے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو دلالت کرتی ہیں اپنے اپنے مقام پر ان کا بیان ہوگا۔

## منّ وسلویٰ

منّ وسلویٰ کا سبب نزول جیسا کہ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں ذکر فرمایا ہے یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی قوم کو بیت المقدس کی طرف روانگی کا حکم دیا اور قوم عمالقہ سے جہاد کا امر کیا تو انہوں

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ

اور جب ہم نے کہا کہ داخل ہو جاؤ اس بستی میں پس کھاؤ اس سے جہاں چاہو کھلم کھلا اور داخل ہو تم دروازہ سے

نے صاف انکار کر دیا اور کہا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ پ۔ ترجمہ۔ تو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ پس خداوند کریم نے ان کو (چٹیل میدان) میں سرگردانی کے عذاب میں مبتلا کر دیا وہ پانچ یا چھ فرسخ کا فاصلہ تھا اس میں سارا دن چلتے رہتے تھے جب شام ہوتی تو اسی مقام پر اپنے آپ کو پاتے تھے جہاں سے روانہ ہوئے تھے اور چالیس سال متواتر اسی سرگردانی میں رہے۔ اور کہتے ہیں یہ وہی چٹیل میدان ہے جو صحرائے سینا کے نام سے مشہور ہے جو حکومت مصر کے قبضہ میں تھا۔ اور ۱۹۶۶ء کی اسرائیل و عرب کی جنگ کے بعد اسرائیل نے اس پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ و ہارون کا انتقال بھی اسی میدان میں ہوا۔ اس مصیبت میں گرفتار ہونے کے بعد وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے پس خدا نے ان پر رحم فرمایا کہ جب انہوں نے سورج کی گرمی کی شکایت کی تو خدا نے سایہ کے لئے بادل کو ان کے سروں پر بھیج دیا اور کھانے کے لئے من و سلویٰ نازل فرمایا اور یہ صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے تک ان پر اترتا تھا پس ہر شخص اپنے اس دن کی خوراک جمع کر لیا کرتا تھا حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جو شخص اس وقت میں سویا رہتا تھا وہ اس دن کی خوراک سے محروم رہتا تھا اسی لئے اس وقت میں نیند کرنا مکروہ ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ دن کو ان کے اوپر بادل کا سایہ رہتا تھا۔ اور رات کو آسمان سے ایک عمودِ نور اترتا تھا جو ان کو چراغ کا کام دیتا تھا اور جو وہاں ان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تھا خدا اس کا لباس اس کے ساتھ بھیج دیتا تھا۔ من و سلویٰ کے معنی میں اختلاف ہے من سے مراد بعض شہد لیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں روٹی ہے۔ بعض کچھ اور کہتے ہیں۔ اور جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ کماۃ (کھمبی) من کی قسم ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے باعث شفا ہے۔ اور سلویٰ ایک قسم کا پرندہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ من سے مراد ترنجبین ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رات کے وقت من اترتا تھا جس کو وہ صبح کے وقت درختوں اور پتھروں وغیرہ سے اتار لیا کرتے تھے اور رات کے وقت ان کے دستر خوان پر بھونا ہوا پرندہ آجاتا تھا جب کھا پی چکتے تو وہ زندہ ہو کر پرواز کر جایا کرتا تھا۔ متعدد روایات کے مضمون سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رات کے وقت شبنم کی طرح کی ایک چیز نازل ہوتی تھی جس کو وہ صبح سویرے جمع کر لیتے تھے۔ اور وہ ایک قسم کا حلوہ ہوتا تھا اور پرندوں کا بھونا ہوا گوشت ان کو فراوانی سے دیا گیا جس کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ خدا نے بٹیر کی قسم کے پرندوں کے غول وہاں بھیج دئے جن کو وہ بآسانی پکڑ لیتے تھے اور بھون کر کھاتے تھے پس میٹھا اور نمکین دونو طرح کا کھانا بلا تکلیف ان کو وہاں میسر تھا من سے مراد میٹھا اور سلویٰ سے مراد پرندوں کا گوشت جو نمکین کھانے کے طور پر تھا تاکہ ان کی طبیعتیں ایک قسم کے کھانے سے اکتا نہ جائیں۔ وَاِذْ قُلْنَا۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ جس بستی میں بنی اسرائیل کو داخل ہونے کا حکم ہوا تھا اس سے

سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ

سجدہ کرتے ہوئے اور کہو حطہ (معافی) بخش دیں گے ہم قصور تمہارے اور زیادہ دیں گے نیکی کرنے والوں کو پس بدل ڈالا ان لوگوں نے جو

ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

ظالم تھے قول غیر اس کا جو ان کو کہا گیا تھا پس نازل کیا ہم نے ان لوگوں پر جو ظالم تھے عذاب

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

آسمان سے بوجہ اس کے کہ فسق کرتے تھے

مراد بیت المقدس ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ بستی اریحا تھی جو بیت المقدس کے قریب تھی۔ کہتے ہیں کہ بیت المقدس کے شہر کی بنا حضرت داؤد علیہ السلام نے رکھی تھی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت یہ شہر نہ تھا اور بستی اریحا حضرت موسیٰ کے زمانہ میں موجود تھی۔ اور امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول روایت میں بھی اریحا اس بستی کا نام بتایا گیا ہے جو علاقہ شام میں تھی اور قوم عمالقہ اسی بستی میں آباد تھی اور عوج بن عنق کا مسکن بھی یہیں تھا اور یہ ان کا سرغنہ تھا لیکن اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ نے ان کو اس بستی میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا یا اُن کے بعد ان کے وصی حضرت یوشع بن نون نے حکم دیا تھا۔ ظاہر آیات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم حضرت یوشع بن نون کی طرف سے تھا کیونکہ اس حکم کے بعد وہ اس بستی میں داخل ہوئے لیکن حطۃ کی بجائے حنطۃ یا کوئی دوسرا قول تبدیل کر لیا اور سجدہ کرتے ہوئے جانے کی بجائے الٹا چوتڑوں کے بل گئے۔ اور یقیناً حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں بنی اسرائیل بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ و ہارون کی رحلت کے بعد حضرت یوشع بن نون نے ان کو یہ حکم دیا تھا اور یہ کلمہ حطۃ بھی تعلیم فرما کر ان کو سجدہ کرنے کا حکم بھی دیا تھا لیکن انہوں نے ان کی نافرمانی کی چنانچہ عذاب کے طور پر خداوند کریم نے ان پر طاعون کی بیماری بھیج دی کہ ایک ہی گھنٹہ میں ان کے چوبیس ہزار بزرگ اور سن رسیدہ آدمی مر گئے۔

اور تفسیر برہان میں قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى ۔ الخ۔ کی تفسیر میں مروی ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ طاعون سے بنی اسرائیل کے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور صرف بچے باقی رہ گئے۔ پس وہ لوگ علم و عبادت سے محروم ہو گئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم حضرت موسیٰ نے دیا ہو اور ان کا عمل (خواہ خلاف فرمان ہی تھا)، بعد میں واقع ہوا ہو اور فا جو فبدل پر داخل ہے یہ محض عطف کے لئے ہو۔ اور یہ دخول کا حکم اس وقت معلوم ہوتا ہے جب کہ موسیٰ نے ان کو قوم عمالقہ سے جہاد کرنے کے لئے فرمایا تھا اور انہوں نے صریح لفظوں میں انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ تو اور تیرا

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ

اور جب پانی طلب کیا موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پس ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر (تو انہوں نے مارا) پس پھوٹ نکلے اس سے

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

بارہ چشمے تحقیق جان لیا ہر آدمی نے اپنا گھاٹ کھاؤ اور پیو

خدا دونوں جاکر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں اور اس صورت میں فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا یعنی کھاؤ اس سے جہاں چاہو جی بھر کر اور کھلم کھلا۔ اس سے مراد یہ ہوگی کہ قوم عمالقہ پر فتحیابی حاصل کر کے ان کے اموال پر بطورِ غنیمت قبضہ کر لو اور کشادگی سے زندگی بسر کرو لیکن انہوں نے سرتابی کی جس کے بدلہ میں انہیں چالیس سال کی سرگردانی و پریشانی کا سامنا ہوا۔

کہتے ہیں کہ شہر کے سات یا آٹھ دروازے تھے جس دروازہ سے ان کو گذرنے کا حکم ہوا تھا وہ باب الحطّہ تھا اور نیز لفظ حطّہ ان کے لئے توبہ و استغفار کا کلمہ تھا اور خضوع و خشوع سے جھکتے ہوئے ان کو شہر میں داخل ہونے کا حکم تھا۔ اور مجمع البیان میں ہے کہ دروازہ ان کے لئے چھوٹا رکھا گیا تھا تاکہ خواہ مخواہ وہ جھک کر گذریں لیکن انہوں نے حطّہ کی بجائے حنطۃٌ (گندم) کا ورد شروع کر دیا۔ اور سجدہ کرنے کی بجائے اکڑ کر اور سر اونچا کر کے پیر پہلے داخل کر دیے اور پھر کھسک کر گذر گئے۔ نیز آیات کی روش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی کا داخلہ حضرت موسیٰ کی موجودگی میں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔ میں نے جو کچھ ذکر کیا ہے مفسرین کے اقوال کے نتائج ہیں۔

تفسیر عمدۃ البیان میں بعض کتب اہل سنت سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا علیؑ باب حطّہ ہے جو اس میں داخل ہوگا مومن ہوگا اور جو اس سے خارج ہوگا کافر ہوگا۔ اور مراد اس سے علیؑ کی پیروی کرنا ہے یعنی علیؑ کا پیروکار مومن اور اس کی پیروی نہ کرنے والا کافر ہے۔ نیز مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا نَحْنُ بَابُ حِطَّتِكُمْ۔ یعنی ہم تمہاری بخشش کا دروازہ ہیں اسی طرح تفسیر برہان میں عیاشی سے بھی منقول ہے۔

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس دروازہ سے بنی اسرائیل کو جھک کر داخل ہونے کا حکم تھا اس کے اوپر حضرت محمد مصطفیٰ اور حضرت علیؑ کی مثالیں موجود تھیں اور ان کے سجدہ کرنے سے مراد ان کی تعظیم اور ان کی ولایت کے عہد کو تازہ کرنا تھا۔ اور جب انہوں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو خدا نے ان پر طاعون کا عذاب بھیجا چنانچہ تھوڑے ہی وقت میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی موت کے سیلاب میں بہہ گئے۔ خداوند کریم ان بنی اسرائیل کے واقعات سے جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ کے بنی اسرائیل بلکہ جملہ مسلمانوں کو اطاعت کی دعوت دے رہا ہے تاکہ یہ لوگ ان لوگوں کے واقعات سے نصیحت حاصل کر کے عذاب خدا سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔

مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى

اللہ کے رزق سے اور نہ پھرو زمین میں فسادی بن کر اور جب تم نے کہا اے موسٰی ہم

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ

ہرگز صبر نہ کریں گے اوپر طعام ایک کے پس پکار ہمارے لئے اپنے رب کو کہ پیدا کرے ہمارے لئے ان چیزوں سے جن کو زمین

مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ

اگاتی ہے ساگ ککڑی گندم دال اور پیاز فرمایا کیا تم بدلہ میں لیتے ہو اس چیز کو

هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ

جو لپست ہے بجائے اس کے جو بہتر ہے اترو شہر میں پس تحقیق تمہارے لئے وہ ہوگا جو تم نے مانگا ہے اور ماری

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

گئی ان پر ذلّت اور خواری اور حاصل کرلے گئے ناراضگی اللہ کی یہ اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

اللہ کی آیات کے ساتھ اور قتل کرتے تھے نبیوں کو ناحق یہ بوجہ اللہ کی نافرمانیوں کے تھا اور اس لئے تھا کہ وہ سرکش تھے

عصا کی حقیقت مروی ہے کہ یہ عصا آس جنّت سے تھا جس کو حضرت آدمؑ ساتھ لائے تھے اور یہ حضرت شعیبؑ نے حضرت موسٰے کو دیا تھا اس کی لمبائی دس ذراع تھی اور حضرت موسٰے کا قد بھی اسی قدر تھا۔ اس کے دو شعبے تھے جو رات کو روشن ہو کر تاریکی میں نورانیت کا فائدہ دیتے تھے۔ اسی کو دریا پر مار کر شق کیا تھا اور یہی سانپ بن جایا کرتا تھا۔

**حجر:۔** بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک مخصوص قسم کا پتھر تھا جس کو حضرت موسٰی ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے اور بوقت پیاس اس کو باہر نکال کر اُوپر عصا مارتے تھے اور پانی جاری ہوتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ عام پتھر مراد ہے۔ یعنی جس پتھر پر بھی زمین کے پتھروں میں سے عصا مارتے تھے پانی جاری ہوتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ پتھر مربع شکل کا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ سر کی مانند تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس پتھر پر بارہ گڑھے تھے اور ہر گڑھے سے ایک چشمہ جاری ہوا کرتا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ جس منزل پر پہنچتے تھے وہی پتھر موجود ہوتا تھا۔ اور اس پر عصا مارنے سے پانی کے چشمے اس سے اُبل پڑتے تھے اور ہر روز اس سے چھ لاکھ آدمی سیراب ہوتے تھے۔

بنی اسرائیل جب تیہ (صحرا سینا) میں چالیس برس سرگردان رہے اس دوران میں دھوپ سے بچنے کے لئے بادل کا سایہ ان کے سروں پر ہوتا تھا۔ کھانے کے لئے من وسلویٰ اُترتا تھا۔ پینے کے لئے پتھر سے بارہ چشمے جاری ہوا کرتے تھے اور ہر چشمہ ایک قبیلہ کے لئے ہوتا تھا اور جس مقام پر وہ قبیلہ فروکش ہوا کرتا تھا چشمہ خود اس طرف بہہ کر جاتا تھا اور اسی کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ ہم نے کہا اس اللہ کے دیئے ہوئے بے مشقت رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں دنگا فساد نہ کرو۔ اور روایات اہل بیت میں ہے کہ حضرت موسیٰ پتھر پر عصا مارتے ہوئے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے تب اُس پتھر سے پانی جاری ہوتا تھا۔

**سوال:۔** پتھر سے پانی کیسے جاری ہو سکتا ہے حالانکہ وہ جامد چیز ہے۔ اور پھر اتنا زیادہ پانی کہ چھ لاکھ آدمیوں کو سیراب کرے؟

**جواب:۔** یہ حضرت موسیٰ کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔ اور خداوند کریم انبیاء کو ایسی خارق عادت چیز عطا فرما دیتا ہے جس سے عام لوگ عاجز ہوں تاکہ ایسی چیزیں دیکھ کر اُن کے لئے نبی کی نبوت کے انکار کی جرأت نہ ہو اور خدا کی قدرت سے یہ چیزیں بعید نہیں کیونکہ جو ذات تمام چیزوں کو کتم عدم سے معرضِ وجود میں لانے پر قادر ہے اُس کے لئے پتھر سے پانی نکالنا کوئی بڑی بات نہیں۔

بنی اسرائیل کو جب ایک عرصہ اسی حالت میں گزرا تو حضرت موسیٰ سے سوال کیا کہ اللہ سے دعا مانگو کہ ہمیں وہی خوراک عطا کرے جو زمین سے اُگا کرتی ہے مثلاً ساگ۔ ککڑیاں۔ گندم۔ دال اور پیاز وغیرہ، تو حضرت موسیٰ نے اُن کو سمجھایا کہ نعماتِ خدا کی بے قدری نہ کرو وہ بلا مشقت تمہیں رزق دے رہا ہے۔ اسے کھاؤ پیو اور اُس کی شکر گذاری کرو۔ لیکن اُنہوں نے ایک نہ مانی آخر کار حضرت موسیٰ نے دعا مانگی اور اللہ کا حکم ہوا کہ مصر میں جاؤ۔ یہاں مصر سے بعضوں نے بیت المقدس مراد لیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مصرِ فرعون مراد ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد کوئی سا شہر ہے۔ یعنی کسی شہر میں چلے جاؤ۔ اور جو کچھ مانگتے ہو وہی کماؤ اور کھاؤ۔

اس بے شکری کے نتیجہ میں عزت کے بدلے میں ذلت، دولت مندی کی بجائے فقر و فاقہ اور رضائے خدا کے بدلے میں غضب خدا اُن کو نصیب ہوا۔ اور غضب خدا کے مستحق بعد میں اس لئے بنے رہے کہ اللہ کی آیات کا انکار کرنا ان کا شیوہ بن گیا۔ اور بعد میں جو انبیاء اُن کو کلمۂ حق کہتے تھے ان کے قتل کے درپے ہو جایا کرتے تھے چنانچہ شاہانِ وقت کے مزاج کے خلاف جو احکامِ شریعت انبیاء سے سُنا کرتے تھے۔ وہ بطور چغلخوری کے بادشاہوں کو سُنا کر ان کو انبیاء کے قتل پر آمادہ کر دیتے تھے۔ چنانچہ روایات اہل بیت میں ہے کہ وہ لوگ خود قاتل نہ تھے۔ بلکہ انبیاء کے راز بادشاہوں پر فاش کر کے ان کے قتل کا موجب بنتے تھے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی اور نصرانی اور صابی ہوئے ان میں سے جو بھی ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور یوم آخر

الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

کے اور عمل نیک کرے پس ان کے لئے ان کا اجر ہے نزدیک اپنے رب کے اور ان پر خوف نہ ہوگا اور نہ

يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ

حزن اور (یاد کرو) جب لیا ہم نے تم سے وعدہ اور بلند کیا ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور کو اور کہا پکڑو اس کو جو دیا ہم نے تمہیں

بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ

ساتھ طاقت کے اور یاد کرو اس کو جو اس میں ہے تاکہ تقویٰ اختیار کرو پھر تم پلٹ گئے اس کے بعد پس اگر

فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ

نہ ہوتا فضل خدا تم پر اور اس کی رحمت البتہ تم خسارہ میں رہتے اور البتہ تحقیق تم

عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾

نے جان لیا ان لوگوں کو جنہوں نے سرکشی کی تم میں سے سینچر کے دن پس ہم نے کہا ان کو ہو جاؤ بندر رسوا

فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

پس کیا ہم نے اس کو عبرت واسطے سامنے والوں کے اور پیچھے والوں کے اور نصیحت واسطے ڈرنے والوں کے

إِنَّ الَّذِينَ اس سے پہلے چونکہ بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمات کا ذکر تھا اور ان کی نافرمانیوں کا قصہ تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ ان میں سے اپنے نبی کے احکام پر چلتے تھے ان کا کیا حال ہوگا؟ تو اس آیت میں اس کا حل ہے کہ خداوند کریم کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا خواہ اس زمانہ میں جناب رسالت مآبؐ کی فرمائشات پر چلنے والے ہوں یا گذشتہ انبیاء کی اُمتوں میں سے اپنے زمانہ کے نبی کے پیرو ہیں۔ بہرکیف جو شخص بھی اپنے زمانہ کے نبی کی ہدایت کے مطابق اللہ پر ایمان رکھتا ہو۔ اور روز جزا (قیامت) کو مانتا ہو اور نیک عمل کرتا ہو۔ اُس کا اجر و ثواب اللہ کے نزدیک ثابت ہے اور قیامت کے دن خوف و حُزن سے محفوظ رہے گا۔ اور اگر مَنْ آمَنَ کو وَالَّذِينَ هَادُوا۔ الخ کی خبر بنایا جائے اور فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ کو إِنَّ کی خبر قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ تحقیق جو لوگ مومن ہیں اور یہود و نصاریٰ و صابئین میں سے بھی جو لوگ ایمان لا کر عمل صالح بجا لائیں گے ان سب کے لئے اللہ کے پاس اجر ہے

اُن پر کوئی خوف و حزن نہ ہوگا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے لئے ہے جو قبل بعثت پہلے نبیوں کے دین پر تھے اور جناب رسالتمآبؐ پر غائبانہ ایمان رکھتے تھے پھر کئی ان میں سے حضورؐ کا زمانہ پا سکے اور ایمان بھی لائے جیسے ابوذر و سلمان وغیرہ اور کئی حضرت کی بعثت سے پہلے انتقال کر گئے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت سلمان اور اُن کے ساتھیوں کے حق میں ہے جو پہلے دین نصاریٰ پر تھے اور غائبانہ حضور پر ایمان رکھتے تھے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا ۔ پھر بنی اسرائیل کا ذکر شروع کر دیا حضرت موسیٰؑ کو چونکہ تورات کا وعدہ دیا گیا تھا تو بنی اسرائیل سے اقرار لیا گیا تھا کہ جب حضرت موسیٰؑ تورات کو لے کر آئیں گے تو تمہیں اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اقرار کیا لیکن جب حضرت موسیٰ تورات لے آئے اور اپنی قوم کو یہ خبر سنائی کہ مجھے خدا نے تورات عطا فرمائی ہے جس میں حلال و حرام کے احکام موجود ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہم نہیں مانتے پس خداوند کریم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ کوہ طور کو اٹھا کر ان کے سروں کے اُوپر بلند کریں جب ملائکہ نے کوہِ طور کو بنی اسرائیل کے سروں پر بلند کیا اور پھر حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اگر تم تورات کو قبول کر لو تو ٹھیک ورنہ یہ پہاڑ تمہارے اُوپر گرا دیا جائے گا پس انہوں نے تورات کو تسلیم کر لیا اور اللہ کا سجدہ بھی کیا لیکن پیشانی کو زمین پر ترچھا رکھ کر ایک آنکھ سے پہاڑ کو دیکھتے تھے کہ کہیں اُوپر گر نہ جائے اس لئے کہتے ہیں کہ یہودی اب تک سجدہ کرتے ہوئے پیشانی کو زمین پر ترچھا رکھتے ہیں۔

امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جبریل کو حکم ہوا تھا کہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کو ان کی فرودگاہ پر بلند کرے اور وہ پہاڑ کا ٹکڑا تین تین میل لمبا اور چوڑا تھا پس جبریل نے ان کے اُوپر وہ پہاڑ بلند کیا تو انہوں نے تورات کے احکام پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔ بعضوں نے صرف ڈر اور خوف سے اور بعضوں نے بدل و جان قبول کیا تھا۔ الخبر پس دل و جان سے ایمان لانے والے ثابت قدم رہے اور ڈر سے اقرار کرنے والے اپنے عہد سے پھر گئے۔

مچھلی کا شکار کرنے والے تفسیر برہان میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک قوم جو دریا کے کنارے پر رہتی تھی۔ اُن کے شہر کا نام ایلہ تھا۔ خداوند کریم نے ان کو بذریعہ اُن کے انبیاء کے سنیچر کے دن مچھلی کے شکار سے منع فرمایا تھا پس اُنہوں نے اللہ کے حرام کو حلال بنانے کے لئے ایک حیلہ تلاش کیا۔ اور وہ یہ کہ دریا کے کنارے اُنہوں نے حوض بنا لئے۔ اور دریا سے بذریعہ چھوٹی نالیوں کے ان کو ملا دیا تاکہ مچھلیاں ان نالیوں کے ذریعہ سے ان حوضوں میں داخل ہو سکیں اور وہاں سے نکل کر واپس دریا کی طرف نہ جا سکیں پس مچھلیاں سنیچر کے روز اللہ کی امان سمجھ کر آجاتی تھیں اور ان نالیوں سے پھر پھرا کر حوضوں میں داخل ہو جاتی تھیں لیکن جب بوقت شام واپس دریا کی طرف جانا چاہتی تھیں تاکہ کل کے شکار سے بچ جائیں تو واپس نہ جا سکتی تھیں۔ اور

رات کو وہاں بندرہ جاتی تھیں پس صبح اتوار کو وہ لوگ اُن کو آسانی سے پکڑ لیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے سینچر کو تو یہ شکار نہیں کیا بلکہ اتوار کو یہ شکار کیا ہے (لہٰذا یہ ہم پر حرام نہیں، حالانکہ وہ دشمنانِ خدا جھوٹے تھے کیونکہ درحقیقت وہ مچھلیاں سینچر کے دن ہی پکڑی جا چکی تھیں۔ پس اس حیلہ و بہانہ سے وہ لوگ بڑے مالدار و دولت مند ہو گئے اور عیش و عشرت کی زندگی گذارنے لگے۔ اور اس شہر کی آبادی اسی ہزار سے زیادہ تھی جن میں سے ستر ہزار آدمی اس جرم میں مبتلا تھے۔ اور دس ہزار سے کچھ اُوپر اس فعل حرام سے محفوظ تھے پس یہ لوگ ان کو عذابِ خدا سے ڈراتے تھے اور ان کو اس فعل بد سے باز آنے کی دعوت دیتے تھے۔ لیکن کچھ اثر نہ ہوتا تھا پس وہ کہتے تھے کہ ہم نے اپنا فریضہ ادا کر دیا ہے کیونکہ ہمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم تھا پس اللہ کے سامنے ہمارا عذر معقول ہے کہ ہم نے نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر دیا ہے اور ہم دل سے اس فعل کو بُرا جانتے ہیں شاید کوئی ہماری نصیحت سے عذابِ خدا سے بچنے پر موفق ہو جائے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں پر ہمارا وعظ و نصیحت کچھ اثر نہیں کرتا تو انہوں نے اس شہر سے ہجرت کر کے ایک علیحدہ بستی بسالی۔ اور وہاں آباد ہو گئے تاکہ مبادا خدا کا عذاب نازل ہو کر ہمیں بوجہ مجاورت کے اپنی لپیٹ میں لے لے۔ پس[1] ایک رات کو وہ سوئے جب اُٹھے تو سب بندروں کی شکل میں زن و مرد مسخ ہو چکے تھے۔ شہر کے دروازے ویسے کے ویسے بند رہ گئے نہ کوئی وہاں سے باہر آتا تھا اور نہ کوئی اندر داخل ہو سکتا تھا۔ جب بیرونی بستی والوں نے سنا تو انہوں نے شہر کا قصد کیا اور دیواروں پر چڑھ کر جھانکا تو سب عورتوں مردوں کو بندروں کی شکل میں مسخ دیکھا۔ جب یہ دیکھنے والے ان میں سے اپنے کسی قریبی یا تعلق دار کو کسی علامت سے پہچانتے تو پوچھتے کہ تو فلاں مرد ہے یا تو فلاں عورت ہے؟ تو وہ سر ہلا کر ہاں کا جواب دیتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے تھے پس تین روز تک اسی حالت میں رہے پھر خداوند کریم نے بارش اور آندھی بھیج کر ان کو ختم کر دیا اور دریا میں ڈال دیا اور کوئی مسخ شدہ جانور تین دن سے زیادہ نہیں رہتا۔ ہاں جن کو تم بندر دیکھتے ہو یہ وہ مسخ شدہ نہیں ہیں بلکہ ان کی شکلوں کے مشابہ ہیں اور یہ جانور ان کی نسل سے نہیں۔

مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ ان کو خدا نے مسخ کیا تو تین دن تک زندہ رہے اور ایک دوسرے کو بھونکتے تھے نہ انہوں نے کھایا نہ پیا۔ نہ نر و مادہ آپس میں جمع ہوئے۔ پھر خدا نے ان کو ہلاک کر دیا اور تیز ہوا نے ان کو اٹھا کر دریا میں جا پھینکا پس یہ بندر اور سور ان کی اولاد نہیں ہیں بلکہ شکل میں ان کے مشابہ ہیں۔

پھر امام زین العابدین علیہ السّلام نے فرمایا کہ خداوند کریم نے مچھلی کے شکار کرنے والوں کو مسخ کر دیا تو کیا حال ہو گا ان لوگوں کا جنہوں نے ناحق اولادِ رسول کو قتل کیا اور ان کی حرمت کی ہتک کی؟ خداوند کریم نے دنیا میں گو ان کو سزائے مسخ نہیں دی لیکن عذابِ آخرت

[1] بعض تفاسیر میں ہے کہ حضرت داؤد نے ان پر بددعا کی تب ان پر مسخ کا عذاب آیا (منہ)

جو ان کے لئے تیار ہے وہ اس مسخ ہونے سے بہت زیادہ ہے۔ پس ایک شخص نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کی، یا ابن رسول اللہ بعض ناصبی ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر قتل حسینؑ ناجائز ہوتا اور بنی اسرائیل کے مچھلی کے شکار سے اس کا جرم سنگین ہوتا تو پھر قاتلانِ حسینؑ پر خدا کا غضب کیوں نازل نہیں ہوا۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے مچھلی کے شکاریوں پر نازل ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ ان ناصبیوں سے کہو ابلیس کا گناہ ان لوگوں سے سنگین ہے جو اس کے بہکانے سے گمراہ ہوئے لیکن وہ غرق ہو گئے جن کا گناہ ہلکا تھا اور وہ غرق نہیں ہوا جس کا گناہ سنگین تھا پس خدا نے اپنی مصلحت سے سنگین جرم والے کو مہلت دے دی اور ہلکے جرم والوں کو معذب کر دیا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے شکاری جو ہلکے جرم والے تھے معذب ہو گئے اور حسینؑ کے قاتل ابلیس کی طرح ایک وقت تک مہلت دیئے گئے۔ حالانکہ ان کا جرم سنگین تھا۔ نیز آپ سے سوال کیا گیا کہ یہ فعل گذشتہ زمانہ کے بنی اسرائیل کا تھا پھر زمانہ اسلام کے بنی اسرائیل کو اس فعل سے کیوں مخاطب کیا جا رہا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شخص کی قوم اگر کسی کو قتل کر دے یا کہیں ڈاکہ ڈال دے تو اس شخص کو کہا جا سکتا ہے کہ تم نے فلاں کو قتل کیا یا فلاں مقام پر ڈاکہ ڈالا حالانکہ یہ اس قتل یا ڈاکہ میں شریک نہیں تھا۔ اور نیز اس زمانہ کے بنی اسرائیل چونکہ اپنے اسلاف کے افعال پر راضی تھے لہٰذا ان کو ان کے فعل کا شریک قرار دیا گیا۔ اور ان کو توبیخ و سرزنش کی گئی تاکہ اپنے عقیدۂ فاسدہ سے باز آ کر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔

فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا ضمیر کا مرجع اگر بستی ہو تو معنی ہو گا کہ اس بستی کو ہم نے عبرت قرار دے دیا اور اگر ضمیر کا مرجع عقوبت اور سزا ہو تو معنی ہو گا ہم نے اس سزا کو عبرت بنا دیا اسی طرح لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا میں مَا بَيْنَ يَدَيْهَا اور مَا خَلْفَهَا میں کئی احتمالات ہو سکتے ہیں۔

۱۔ مَا بَيْنَ يَدَيْهَا سے مراد وہ لوگ جنہوں نے آنکھوں سے ان لوگوں کو مبتلائے عذاب دیکھا اور مَا خَلْفَهَا سے مراد بعد میں آنے والی نسلیں ہیں۔

۲۔ مَا بَيْنَ يَدَيْهَا سے مراد قریب کی بستیاں اور مَا خَلْفَهَا سے مراد دور دور کی بستیاں ہیں۔

۳۔ مَا بَيْنَ يَدَيْهَا سے مراد اُن کے سابقہ گناہ اور مَا خَلْفَهَا سے مراد بعد والا گناہ جس میں ماخوذ ہوئے۔

صادقین علیہما السّلام کی روایت سے پہلے احتمال کی تائید ملتی ہے اور تمام احتمالات کی رو سے معنی آیت کا یہ ہو گا کہ ہم نے اسی بستی کو یا اس بستی والوں کے عذاب و مسخ کو باعث عبرت قرار دیا دیکھنے اور سننے والوں کے لئے اور نزدیک و دور والوں کے لئے اور اگر نکال کا معنی عذاب لیا جائے تو پھر آخری احتمال سے معنی درست ہو گا یعنی وہ عذاب ان کے اگلے و پچھلے سب گناہوں کی سزا ہم نے قرار دیا۔ واللہ اعلم

فائدہ۔ یہود نصاریٰ اور صابی کی وجہ تسمیہ مختصراً از تفسیر مجمع البیان۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ

اور جب فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم کو تحقیق اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ذبح کرو ایک گائے انہوں نے کہا کیا تو ہم سے مسخری کرتا ہے

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ

فرمایا میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ جاہلین سے ہو جاؤں انہوں نے کہا پکار ہمارے لئے اپنے رب کو کہ ہمیں بتائے وہ

لَّنَا مَا هِیَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ

کیسی ہو فرمایا کہ وہ فرماتا ہے تحقیق وہ ایسی گائے ہو کہ نہ بوڑھی ہو اور نہ بچی درمیان ہو ان دو حالتوں کے

۱۔ یہود۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ہود سے مشتق ہے۔ اور اس کا معنی توبہ ہے چونکہ گوسالہ کی عبادت سے انہوں نے توبہ کی تھی اس لئے ان کو یہودی کہا گیا ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب کا بڑا فرزند یہودا تھا یہ لوگ اس کی طرف منسوب ہیں۔ جس طرح قومیں اپنے آباؤ واجداد کی طرف منسوب ہوا کرتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہود کا معنی مائل ہونا ہے چونکہ یہ لوگ دین اسلام بلکہ دین موسیٰ سے پھر گئے۔ اس لئے ان کو یہود کہا جاتا ہے۔ اور چوتھا قول اس میں یہ ہے کہ تہوّد کا معنی حرکت کرنا ہے چونکہ یہ لوگ تورات کی تلاوت جھوم جھوم کر کرتے تھے اور اپنے جسم کو حرکت دیتے تھے اس لئے ان کو یہود کہا جاتا ہے۔

۲۔ نصاریٰ۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ جس بستی میں رہتے تھے اس کا نام ناصرہ تھا یہ لوگ اسی کی طرف منسوب ہیں۔ دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ یہ نصرت سے مشتق ہے اور چونکہ یہ لوگ ایک دوسرے کی نصرت کرتے ہیں اس لئے ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی نصرت کا انہوں نے وعدہ کیا تھا اور کہا تھا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اس لئے ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔

۳۔ صابی کا معنی ہے ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کی طرف مائل ہونے والا۔ بعض کہتے ہیں یہ لوگ اہل کتاب ہیں اور زبور کو مانتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نصاریٰ کے مشابہ دین رکھتے ہیں لیکن ان کا قبلہ سمت جنوب ہے اور دین نوحؑ کا دعویٰ رکھتے ہیں اس کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں۔ علمائے امامیہ کے نزدیک یہ لوگ اہل کتاب سے نہیں ہیں۔ علاّمہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۱۴ باب عصمت ملائکہ میں ذکر فرمایا ہے کہ جو آسمانوں اور ستاروں کو واجب الوجود جانتے ہیں اور انہی کو کون و فساد کا مدبّر جانتے ہیں وہی صابی ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ ان پر مبعوث ہوئے تھے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى ۔ سوال۔ بنی اسرائیل کو گائے کے ذبح کا حکم کیوں ہوا ؟

جواب۔ چونکہ وہ اس سے قبل گوسالہ پرستی کر چکے تھے پس اس موقعہ پر خدا نے ان کو گائے کے ذبح کرنے کا حکم دے دیا تاکہ ان

فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ

پس تم بجا لاؤ وہ جو امر کئے جاتے ہو — انہوں نے کہا پکار ہمارے لئے اپنے رب کو کہ ہمیں بتائے اس کا رنگ کیا ہو؟ فرمایا تحقیق

اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا

وہ فرماتا ہے تحقیق وہ گائے ہو زرد پکے رنگ کی — کہ خوش کرے دیکھنے والوں کو — انہوں نے کہا پکار ہمارے لئے

رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اپنے رب کو کہ ہمیں بتائے کہ وہ کیسی ہو تحقیق گائیں ایک دوسری سے متشابہ ہیں ہمارے سامنے اور تحقیق ہم اگر اللہ نے چاہا تو البتہ ہدایت پانے والے ہیں

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ

فرمایا تحقیق وہ فرماتا ہے کہ تحقیق وہ ایسی گائے ہو جو نہ رام شدہ ہو زمین پر ہل چلانے کے لئے اور نہ کھیتی سیراب کرنے کے لئے

کے دلوں سے گائے کی رہی سہی عظمت بھی چلی جائے اور کسی وقت بھی اس کے معبود ہونے کا تصور تک نہ کریں۔

ھُزُوًا حضرت موسیٰ نے مسخری کو جاہلوں کا فعل تبلایا ہے۔ علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ مسخری کی دو صورتیں ہیں یا تو کسی کی جسمانی وضع پر ہوگی یا اس کے فعل پر ہوگی۔ پہلی صورت میں مسخری اس لئے ناجائز ہے کہ وہ تو اللہ کا فعل ہے۔ اللہ نے بنایا ہی ایسا ہے لہٰذا مسخری کا محل ہی نہیں۔ اور دوسری صورت میں اگر اس کا فعل بُرا ہے تو اس کو نصیحت کرنی چاہیے نہ کہ اس سے مسخری کی جائے۔ لہٰذا مسخری کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ نیز مسخری کرنے والے انسان کا لوگوں کے دلوں میں ذرہ بھر بھی وقار نہیں رہتا۔

قَالُوا ادْعُ۔ الآیہ۔ بروایت ابن عباس جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ ان کو کوئی سی گائے ذبح کرنے کا حکم تھا لیکن اُنہوں نے خود اپنے اُوپر سختی کی تو خدا نے بھی سختی کر دی۔ اور اگر آخر میں انشاء اللہ نہ زبان پر جاری کرتے تو یہ سختی ان سے دُور نہ ہوتی۔ مجمع البیان

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص زرد رنگ کا جوتا پہنے گا جب تک وہ جوتا اس کے پاؤں میں رہے گا اس کو خوشی نصیب ہوگی اور نیز اس کو مال اور علم نصیب ہوگا۔ (برہان)

**واقعہ۔** مجمع البیان۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک مالدار شخص کو اس کے بھتیجوں نے قتل کرکے اس کی لاش ایک دوسرے محلہ والوں کے دروازہ پر ڈال کر اُن پر قتل کا دعویٰ کر دیا۔ اور حضرت موسیٰ سے اُس کے فیصلہ کی درخواست کی ایک قول یہ ہے کہ اس کو اپنے سگے چچا زاد نے اس کی وراثت سنبھالنے کے طمع سے قتل کرکے خود دعویٰ دائر کر دیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی لڑکی سے شادی کرنے کے لئے اسے قتل کر دیا کیونکہ اس قاتل کو وہ نہ دینا چاہتا تھا اور کسی دوسرے مالدار کو دینے کا

مُسَلَّمَةٌ لَّاشِيَةَ فِيهَا قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ

سالم ہو اس میں کوئی عیب یا داغ نہ ہو انہوں نے کہا کہ اب تو نے حق بات کہی پس انہوں نے اس کو ذبح کیا حالانکہ ظاہراً امید نہیں تھی کہ وہ کریں گے

ارادہ رکھتا تھا اور حضرت صادقؑ سے بھی ایک روایت اسی مضمون کی وارد ہے۔

تفسیر عیاشی سے مرفوعاً منقول ہے کہ امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا کہ ایک شخص نے کسی اپنے قرابتدار کو قتل کر کے دوسرے قبیلہ کے محلہ میں ڈال کر اس کے قتل کا دعویٰ کیا تھا۔ تفسیر برہان میں امام حسن عسکری علیہ السّلام سے منقول ہے کہ تین شخصوں نے جو آپس میں چچازاد تھے ایک عورت کے نکاح کی خواستگاری کی تو اس عورت نے ان میں سے جو عالم اور شریف تھا اس کے ساتھ نکاح کرنا منظور کیا تو باقی دونوں نے مشورہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور رات کو اس کی لاش اٹھا کر بنی اسرائیل کے بڑے قبیلہ کے محلہ میں ڈال کر اُن پر قتل کا دعویٰ دائر کر دیا تھا تفسیر برہان میں مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن پر دعویٰ تھا۔ حضرت موسیٰ نے ان کو بلایا۔ اور ماجرا پوچھا تو انہوں نے قتل کا انکار کر دیا اور انہوں نے کہا کہ ہم سے قسمیں یا خون بہا لینے کی بجائے خدا سے صحیح قاتل کا علم حاصل کیا جائے۔ خدا کی جانب سے وحی ہوئی کہ ایک گائے کو ذبح کر کے اس کا بعض حصّہ مقتول کے جسم پر مارا جائے تو وہ خدا کے اذن سے زندہ ہو کر اپنا قاتل خود بیان کرے گا۔ انہوں نے کہا آپ ہمارے ساتھ مسخری نہ کریں ہم مقتول کے متعلق پوچھتے ہیں اور آپ گائے کے ذبح کا حکم دیتے ہیں کبھی ایک مردہ کے دوسرے مردہ کے ساتھ ٹکرانے سے بھی مردہ زندہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مسخری جہلا کا کام ہے۔ میں نے تو حکم خدا سنایا ہے جو خدا مرد و عورت کے مردہ نطفوں کے ملنے سے زندہ انسان پیدا کر سکتا ہے۔ اسی طرح تمہاری ہری بھری کھیتیاں مردنی کے بعد باذن خدا وجودِ حیات میں آتی ہیں تو وہ خدا اس مردہ انسان کو بھی اس طریق سے زندہ کر سکتا ہے۔ آخر سوال و جواب کے بعد وہ گائے کے ذبح کرنے پر آمادہ ہوئے۔ روایت میں ہے کہ ان صفات کی گائے بنی اسرائیل میں سے ایک نوجوان کی ملکیت تھی جو اکثر محمدؐ و آل محمدؐ پر درود پڑھا کرتا تھا اور باپ کا اس قدر فرمانبردار تھا کہ ایک مرتبہ اس نے ایک چیز کو فروخت کرنا تھا اور اس میں اس کو بڑا نفع تھا جب خریدار پہنچے تو مال خانہ کی کنجیاں اس کے باپ کے سرہانے کے نیچے تھیں اور وہ محوِ خواب تھا۔ اس نے باپ کو نیند سے بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور خریداروں کو واپس کر دیا جب باپ نے بیدار ہونے کے بعد لڑکے سے مال کے فروخت ہونے کے متعلق پوچھا تو لڑکے نے کہا کہ میں نے آپ کو بے آرام کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ لہذا مال فروخت نہیں ہو سکا تو باپ نے انعام میں اس کو یہ گائے دی تھی۔ پس سابقہ روایت کے مطابق جب بنی اسرائیل گائے خریدنے کے لئے آئے تو قیمت بڑھتے بڑھتے یہ مقرر ہوئی کہ بیل کی کھال دیناروں سے پُر اس گائے کا عوض ہو اور جب اُسے پُر کیا گیا تو پچاس لاکھ دینار اس میں سمائے پس لڑکے نے قیمت وصول کر لی اور گائے دے دی۔ انہوں نے اس کو ذبح کیا اور ایک حصّہ اس کا جب مقتول کو مارا تو وہ باذنِ خدا زندہ ہوا۔ اور اُس نے اپنے دونوں چچا زاد بھائیوں کو اپنا قاتل

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا

اور جب قتل کیا تم نے ایک شخص کو پس جھگڑا کیا تم نے اس میں اور اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس کو تم چھپاتے ہو پس کہا ہم نے

اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾

مارو اس مقتول کو بعض حصہ اس گائے کا اسی طرح خدا زندہ کرتا ہے مردوں کو اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ

پھر سخت ہو گئے تمہارے دل اس کے بعد پس وہ پتھر جیسے (یا اس سے بھی) سخت تر ہو گئے اور تحقیق بعض پتھر ایسے

الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ

ہیں کہ البتہ بہتی ہیں ان سے نہریں اور تحقیق بعض ان میں سے شق ہوتے ہیں پس نکلتا ہے ان سے پانی

بتایا اور وجہ قتل بھی بیان کی پس دونوں قاتلوں کو قصاص میں قتل کر دیا گیا مقتول نے جب درود کی برکت دیکھی تو محمدؐ و آل محمدؐ پر درود پڑھ کر اُن کے وسیلہ سے اپنی طول حیات کی دعا مانگی تو وحی ہوئی کہ اس کی اصل زندگی میں ساٹھ سال باقی تھے اور اس دعا کی بدولت ستر سال ہیں نے اس کو مزید عطا کئے لہذا اس کی باقی زندگی ایک سو تیس برس میں نے کر دی ہے اور باقی بنی اسرائیل نے محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ سے دُعا مانگی تو گائے کی ادا کردہ قیمت سے دگنا خزانہ خدا نے اُن کو عطا فرمایا۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّد واٰل محمّد

وَاِذْ قَتَلْتُمْ الخ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیت معنی کے اعتبار سے پہلے ہے کیونکہ قتل کا واقعہ پہلے تھا اور گائے کے ذبح کرنے کا حکم بعد میں ہوا تھا۔ لہذا اس آیت کو پہلے ذکر ہونا چاہیے تھا۔

جواب۔ یہ ضروری نہیں کہ جامع قرآن نے آیات قرآنیہ کو ترتیب نزول کے ماتحت جمع کیا ہو کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ بہت سی آیات جو نزول میں پہلے تھیں لیکن موجودہ ترتیب میں موخر ہیں، اور جو آیات نزول میں موخر تھیں موجودہ ترتیب میں وہ پہلے ہیں۔

۲۔ یہاں ترتیب وار قصہ بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ بنی اسرائیل پر اتمام حجت کے طور پر نعمات کا ذکر ہے اور ان کی ناقدر شناسی کا بیان ہے تاکہ موجودہ دور کے یہودی درس عبرت حاصل کریں۔

۳۔ اگر قصہ ہی سمجھا جائے تو مقصود اس سے گائے کے ذبح کا حکم اور بنی اسرائیل کے سوال وجواب کے بعد ان کے ذبح پر آمادہ ہونے کا بیان تھا۔ اب یہاں پہنچ کر ایک سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس گائے کو ذبح کرنے کا حکم کیوں ہوا تھا اور اس میں اہمیت کیا تھی تو اس کا جواب دیا گیا کہ چونکہ انہوں نے ایک آدمی کو قتل کیا تھا اور ان کے باہمی نزاع کو ختم کرنے کے لئے خدا نے ان کو گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کا بعض حصہ اس مردہ کو مارا جائے اور وہ خود زندہ ہو کر قاتل کی نشان دہی کرے۔ پس ترتیب آیات میں اس لحاظ سے

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ

اور تحقیق بعض ان میں سے گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور نہیں خدا غافل تمہارے اعمال سے کیا پس تم (اے مسلمانو)

اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ

طمع کرتے ہو کہ وہ ایمان لائیں تمہارے ساتھ حالانکہ تھا ایک فریق ان میں سے سنتے تھے اللہ کا کلام پھر اس کی تحریف کرتے تھے بعد سمجھ لینے

مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَا

کے حالانکہ وہ جانتے تھے اور جب وہ ملتے ہیں مومنوں سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوتا ہے ان

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

کا بعض طرف بعض کے تو کہتے ہیں کہ کیا تم بتاتے ہو ان کو وہ چیز جو جتلائی اللہ نے تم کو تاکہ وہ (مسلمان) حجت

لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾

پکڑیں تم پر اس کی تمہارے ربّ کے سامنے کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

کوئی اشکال نہیں اور گائے کی قربانی سے ان کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ ہر امر مشکل کے لئے خدا کی بارگاہ میں قربانی سے مصیبت دُور ہو جایا کرتی ہے اور نیز یہ بتلانا مقصود تھا کہ خدا جب چاہے اور جس طرح چاہے مردہ کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا۔ الخ۔ گائے کا بعض حصہ جو مقتول کو مارا گیا پچھلی چوڑی تھی یا دم کی ہڈی تھی یا زبان تھی یا کوئی دوسری ہڈی تھی یا گوشت کا ٹکڑا تھا؟ اس میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض روایات اہل بیتؑ میں دم کی ہڈی مذکور ہے قرآن کا یہ واقعہ جناب رسالت مآبؐ کی نبوت کی واضح دلیل ہے کیوں کہ یہ واقعہ ایسا ہے کہ سوائے کتب متقدمہ کے مطالعہ کے کسی کو کیا معلوم تھا؟ اور آنحضورؐ ظاہری طور پر کسی پڑھے لکھے انسان سے شاگردی کے طور پر کچھ پڑھے نہ تھے اور نہ قبل بعثت علمائے یہود سے اٹھ بیٹھ تھی۔ پس ان کا واقعہ بیان فرمانا اور علمائے یہود کا اس واقعہ کی تصدیق کرنا قرآن کی حقانیت اور جناب رسالتمآبؐ کی صداقت اور نبوت کی کھلی اور واضح دلیل ہے

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ۔ پتھروں سے نہروں کے جاری ہونے سے مراد جس طرح عام پہاڑوں سے دریا نکلتے ہیں۔ گویا پتھر سے مراد پہاڑ ہے اور دوسرے پتھر جو شق ہوتے ہیں اور پانی ان سے نکلتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ کے عصا مارنے سے پتھر سے چشمے نکلتے تھے جو بنی اسرائیل کو سیراب کرتے تھے اور پتھروں کا خوف خدا سے گرنا جیسے وہ پہاڑ جس پر حضرت

موسیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے رویت کا سوال کیا تھا اور تجلی سے گر کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا یہ انسانی قلوب کی سختی و نرمی کی مثالیں ہیں۔ اور بنی اسرائیل کے دل گویا ان پتھروں سے بھی سخت تر تھے اور وہ مثل ان پتھروں یا پہاڑوں کے تھے جن سے نہ پانی نکلتا ہے اور نہ وہ خوفِ خدا سے گرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو جب رسالت مآبؐ نے یہ آیت سنائی تو ان کو گراں معلوم ہوئی۔ روایت اہل بیت میں ہے کہ وہ جمع ہو کر حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں عرض گذار ہوئے کہ تیری نبوت کی تصدیق اگر پہاڑ کر دے تو ہم مان جائیں گے۔ پس حضور ان کو ساتھ لے کر ایک پہاڑ کے قریب آئے تو حضورؐ نے اس پہاڑ کو مخاطب کیا۔ اے پہاڑ بحق محمد و آلہ الطیبین جن کے نام کی برکت سے حاملینِ عرش سے عرش کا بوجھ ہلکا ہوا۔ اور بحق محمد و آلہ الطیبین جن کے ذریعہ سے آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔ اور بحق محمد و آلہ الطیبین جن کی بدولت ادریس کو جنت میں اٹھایا گیا تو محمد کی گواہی دے۔ پس پہاڑ کانپا اور اس سے پانی جاری ہوا اور اس سے ندا آئی۔ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ روایت بہت لمبی ہے جس میں آنحضورؐ کے معجزات باہرات کا ذکر ہے اور تفسیر برہان میں تفصیل سے مذکور ہے۔

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ۔ اس سے مراد وہ گروہ ہے جو موسٰے کے ساتھ کوہ طور پر اللہ کا کلام سننے کے لئے گیا تھا لیکن واپس آکر بجائے موسیٰ اور تورات کی تصدیق کے قوم کے سامنے دوسری تاویلیں کر کے انکاری ہو گیا تھا یا یہ کہ تورات میں جو حضرت رسالت مآبؐ کی پیشین گوئیاں موجود ہیں ان کو سنتے تھے اور ان کی تحریف کر دیتے تھے کہ عوام یہود دھوکے میں رہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ خالص مومنوں سے ان علمائے یہود کی جب ملاقات ہوئی تھی جیسے سلمان مقداد تو ان کو کہتے تھے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں لیکن جب آپس میں تنہا بیٹھتے تھے تو ایک دوسرے کو سمجھاتے تھے کہ تورات میں جو جناب محمد مصطفےٰؐ کے متعلق پیشگوئیاں ہیں۔ وہ ان مومنوں کے سامنے بیان نہ کیا کرو تاکہ قیامت کے روز ہم پر حجت نہ پکڑیں اور اگر کوئی یہودی مسلمانوں کے سامنے کچھ بیان کر بیٹھتا تھا تو دوسرے اس پر ناراض ہو کر اس کو تنبیہ کرتے تھے کہ تم ان کو ایسی باتیں کیوں بتلاتے ہو جو صرف تمہاری کتاب میں ہیں اور تمہیں ہی معلوم ہیں؟ ورنہ وہ ہمیں ہماری کتاب سے لاجواب کر دیں گے

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ۔ خداوند کریم ان کے خیالاتِ فاسدہ کی تردید فرما رہا ہے کہ خواہ وہ مسلمانوں سے بیان نہ کریں اور چھپانے میں کتنی ہی احتیاط کریں میں تو ان کی خفیہ و ظاہر سب باتوں کو جانتا ہوں۔

اُمِّيُّوْنَ۔ اُمّی کی جمع ہے (جو لکھ پڑھ نہ سکتا ہو)۔ اُم کی طرف منسوب ہے۔ یعنی جس طرح ماں کے شکم سے پیدا ہوا تھا اور اس وقت کچھ نہ جانتا تھا۔ اب بھی اسی طرح کچھ نہیں جانتا۔ یعنی وہ مادر زاد جاہل ہیں۔ اور اپنے خیالی اندازے سے یہ آرزو رکھتے ہیں کہ ہم جنتی ہوں گے اور ان بے علم یہودیوں کی مذمت ہے جو بے سمجھے سوچے اپنے علماء سوء کی تقلید کرتے تھے۔ لہٰذا اس سے یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا

کیا وہ نہیں جانتے تحقیق اللہ جانتا ہے جس چیز کو چھپائیں اور جس چیز کو ظاہر کریں اور بعض ان میں سے اَن پڑھ ہیں جو نہیں

يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ

جانتے کتاب کو مگر خالی آرزوئیں اور ان کے پاس کچھ نہیں مگر خیالی پلاؤ پس ویل ہے ان لوگوں کے لئے جو لکھتے ہیں

الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ

کتاب کو اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ حاصل کریں ساتھ اس کے مال قلیل پس ویل ہے

لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ

ان پر ان کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے کی وجہ سے اور ویل ہے ان پر ان کے کسب کئے ہوئے کی وجہ سے اور کہا انہوں نے ہرگز ہم کو آتش جہنم نہ چھوئے

اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ

گی مگر چند دن گنے چنے (ان کو) کہو کیا لیا ہے تم نے اللہ سے وعدہ پس ہرگز نہ خلاف کرے گا اپنے وعدہ سے یا تھوپتے ہو

تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ

اوپر اللہ کے ایسی بات جو تم نہیں جانتے بے شک جو بھی کسب کرے برائی کا اور گھیر لیں اس کو گناہ اس کے

۱۔ اصولِ دین میں جہاں علم حاصل کرنا واجب ہے اور ممکن بھی ہو وہاں تقلید نا جائز ہے۔

۲۔ کتاب کی حجت عالم لوگوں پر قائم ہے اور ان پر واجب ہے کہ خود کتاب کے معنی کو سمجھیں۔

۳۔ کتاب کے معانی کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے صرف پڑھ لینا کافی نہیں۔ (عن مجمع البیان)

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ عوام یہود و نصاریٰ جو خود کتاب کا علم نہ رکھتے تھے اور ان کا دین اپنے علما سے سُنی سنائی چیزوں کے تابع تھا اور خدا نے ان عوام کی اس لئے مذمت کی ہے کہ وہ اپنے علماء کی تقلید میں تھے پس جب ان کے لئے علماء کی تقلید حرام تھی تو ہمارے عوام کے لئے علماء کی تقلید کیسے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارے عوام اور علما اور یہود کے عوام و علماء میں فرق بھی ہے اور ایک لحاظ سے مساوات بھی ہے۔

عوام یہود کو معلوم تھا کہ ان کے علما جھوٹ بولتے ہیں حرام کھاتے ہیں۔ رشوت لیتے ہیں اور سفارشوں۔ رشتہ داریوں اور رواداریوں کی بنا پر احکام خدا کو تبدیل کر دیتے ہیں جن لوگوں پر ناراض ہوں ان کو حقوق سے محروم کر دیتے ہیں۔ اور جن پر راضی ہوں

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

پس وہ دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں

الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

نے عمل صالح کئے وہ جنتی ہیں وہ اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

ان کو ناحق اموال دلواتے ہیں وغیرہ لہذا خداوند کریم نے ان کی اس اندھا دھند تقلید کی مذمت فرمائی ہے اسی طرح ہمارے عوام بھی اگر اپنے علماء کو فاسق۔ کنبہ پرور مال دنیا کے طالب اور حرام خور پائیں کہ جس پر راضی ہوں اس کو ناحق مال دلوائیں اور جس پر ناراض ہوں اس کو اپنے جائز حقوق سے بھی محروم کر دیں غرضیکہ بددیانت ہوں تو ایسے علماء کی تقلید کرنے میں ہمارے عوام اور یہود کے عوام میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن فقہا میں سے جو شخص اپنے نفس کو حرام سے بچانے والا دین کا نگہبان خواہش نفس کا مخالف اور اپنے مولا کے فرمان کا مطیع ہو۔ پس عوام کے لئے اس کی تقلید کرنا جائز ہے۔ اور اس صفت سے ہمارے بعض شیعہ فقہا متصف ہیں سب نہیں۔ روایت طویل ہے۔ میں نے حسب ضرورت ایک حصہ کا مختصر سا ترجمہ پیش کیا ہے اور یہ بحث اس تفسیر کی جلد اول یعنی مقدمہ میں تقلید کے باب میں مفصل لکھی جا چکی ہے۔

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ۔ الخ۔ یہ ان علماء کی مذمت ہے جو کتاب خدا میں اپنی طرف سے اپنی خواہشات کے مطابق احکام داخل کر کے یا جناب رسالتمآبؐ کی صفات میں تبدیلی کر کے لکھ دیتے تھے اور عوام یہود کو سناتے تھے تاکہ امراء سے رقمیں وصول کرلیں اور عوام کو دین اسلام سے منحرف کر کے ان پر اپنا وقار قائم رکھیں اور ان سے سالانہ اپنے مقرر شدہ وظائف وصول کر کے شکم پری کرتے رہیں کیونکہ تورات میں جو جناب رسالتمآبؐ کی صفات درج تھیں اگر عوام کے سامنے وہ بیان کرتے تو عوام اسلام کے حلقہ بگوش ہوکر ان سے کنارہ کش ہو جاتے اور اُن کے دلوں سے اُن کا وقار ختم ہو جاتا اور سالانہ آمدنی میں کمی واقع ہو جاتی۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ۔ الخ۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ مدینہ میں وارد ہوئے تو یہودی کہتے تھے کہ مدت دنیا کل سات ہزار سال ہے اور گنہگار کو ہر ہزار سال کے بدلہ میں ایک دن عذاب ہوگا یعنی کلیہ سات دن عذاب ہوگا پھر ختم ہو جائے گا بعض کہتے ہیں کہ ان کا اعتقاد تھا کہ ہم پر عذاب کی کل مدت چالیس دن ہوگی جتنے دن ہم نے گوسالہ پرستی کی تھی پس یہ آیت نازل ہوئی اور ان کے اس خیال کی پُرزور مذمت کی گئی۔

مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً ۔ الخ۔ روایات اہل بیتؑ میں ہے کہ سیئۃ سے مراد انکار ولایت علی بن ابی طالب ہے جناب رسالتمآبؐ سے سوال کیا گیا کہ اصحاب النار سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے فرمایا جو علی سے جنگ کریں اور حضرت علی کو فرمایا۔ یا علی

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي

اور جب لیا ہم نے وعدہ اولاد یعقوب سے کہ نہ عبادت کرنا مگر اللہ کی اور والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور قریبیوں کے

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور کہنا لوگوں کو اچھی بات اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ

پھر تم پھر گئے مگر قلیل تم میں سے اور تم روگردانی کرنے والے تھے اور جب لیا ہم نے وعدہ تم سے کہ آپس میں خونریزی

دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

نہ کرنا اور نہ نکالنا اپنے نفسوں کو اپنے گھروں سے تم نے اقرار کیا اور تم مانتے ہو

حَرْبُكَ حَرْبِيْ وَسِلْمُكَ سِلْمِيْ ۔ یعنی اے علیؑ تیرے ساتھ لڑائی میرے ساتھ لڑائی ہے اور تیرے ساتھ صلح میرے ساتھ صلح کے مترادف ہے ۔ الخبر ۔ اور ان آیات میں یہودیوں کے عقیدہ کی تردید ہے یعنی جو برائی کا کسب کریں گے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے سات روز یا چالیس روز کا خیال دل سے نکال دیں اور جو نیکی کریں گے ایمان کے ساتھ وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں وہ بھی ہمیشہ رہیں گے۔

## والدین کی اطاعت

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔ والدین کی اطاعت فرض ہے ۔ یہاں تک کہ لڑکا مستحبات شرعیہ بھی والدین کی اجازت کے بغیر ادا نہیں کر سکتا البتہ اگر واجبات سے والدین روکیں تو لڑکے پر ان کی یہ اطاعت واجب نہیں بلکہ حرام ہے کیونکہ خدا کا حق والدین کے حق سے مقدم ہے۔

اور منقول ہے کہ بدبخت اولاد ہے کہ جن کو والدین کی خدمت کا موقع ملے اور وہ ان کی خدمت نہ کر سکیں ۔ وافی میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ احسان کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ حُسن صحبت رکھو ۔ اور ان کی ضروریات کو تم پورا کرو قبل اس کے کہ وہ تم سے سوال کریں ۔ ان کی طرف نظر محبت و پیار سے کرو ۔ اپنی آواز کو ان کی آواز سے بلند نہ کرو اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ سے اُونچا نہ کرو اور اُن کے آگے نہ چلو ۔ اور جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ باپ کا فرزند پر یہ حق ہے کہ اس کو نام لے کر نہ بلائے اُس کے سامنے نہ چلے ۔ اس سے پہلے نہ بیٹھے اور اس کو گالی نہ دلوائے ۔ ایک شخص نے جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ مجھے کوئی وصیت فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا خواہ تجھے آگ میں جلانے کا عذاب دیا جائے پس تیرے دل کو ایمان کی دولت سے مالامال ہونا چاہیئے اور ماں باپ کی

اطاعت کرو خواہ وہ زندہ ہوں یا مر چکے ہوں حتی کہ اگر وہ تجھے بیوی بچوں اور مال سے علیحدہ ہونے کا حکم دیں تو تجھ پر اطاعت واجب ہے اور اسی کا نام ایمان ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے تو آپ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا اور ماں باپ کی اطاعت کرنا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

ایک شخص نے حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے جہاد سے بڑی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا پس اللہ کے راستے میں جہاد کیا کر و کیونکہ اگر قتل کیا جائے گا تو اللہ کے نزدیک تو زندہ ہوگا اور رزق دیا جائے گا اور اگر مرے گا تو تیرا اجر اللہ کے نزدیک محفوظ ہوگا اور اگر خیر و سلامتی سے پلٹ آئے گا تو ایسا ہے گویا تو گناہوں سے پاک ہو گیا جس طرح شکم مادر سے پیدا ہوا تھا۔ اس نے عرض کی حضور! میرے ماں باپ بوڑھے ہیں اور ان کو مجھ سے بڑی محبت ہے وہ میرا گھر سے باہر جانا پسند نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا کہ اس صورت میں تو ماں باپ کی خدمت میں رہ۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ان کا ایک شب و روز تیرے ساتھ محبت کرنا ایک سال کے جہاد سے افضل ہے۔

اسی طرح ایک نوجوان نے جہاد سے محبت ظاہر کی اور ماں کی محبت کا تذکرہ کیا کہ وہ مجھ سے جدائی نہیں چاہتی تو آپ نے فرمایا تو واپس ماں کی خدمت میں چلا جا اس ذات کی قسم ہے جس نے مجھے برحق مبعوث برسالت کیا ہے اس کی تجھ سے ایک رات کی محبت ایک سال کے جہاد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کی کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے قضائے حاجت کے لئے بھی ہم اس کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو کر سکتا ہے تو یہ کام خود کیا کر اور اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں لقمہ دیا کر یہ خدمت کل تیرے لئے ڈھال کا کام دے گی۔

ایک شخص دین نصاریٰ چھوڑ کر مسلمان ہوا اور حج پر گیا وہاں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی زیارت کی اور اپنی ماں جو نابینا تھی کی خدمت کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا پس ماں کی خدمت کیا کر۔ وہ کہتا ہے کہ حج سے واپس میں اپنے گھر کوفہ میں آیا اور ماں کی خدمت میں مشغول ہوا اسے کھانا اپنے ہاتھوں سے کھلاتا تھا۔ اس کے کپڑے صاف کرتا تھا اور اس کی ہر ممکن خدمت کرتا تھا۔ تو ماں نے پوچھا بیٹا! جب تک تو میرے دین پر تھا تو اتنی خدمت نہیں کیا کرتا تھا جب سے تو نے اسلام قبول کیا ہے میری زیادہ خدمت کرتا ہے۔ میں نے کہا ہمارے نبی کی اولاد میں سے ایک بزرگ نے مجھے یہی حکم دیا ہے ماں نے پوچھا کیا وہ نبی ہے؟ میں نے کہا نہیں بلکہ وہ نبی کی اولاد سے ہے۔ ماں نے کہا بیٹا! وہ یقیناً نبی ہے۔ کیونکہ یہ چیز انبیاء کی وصیتوں میں سے ہے۔ میں نے کہا مادر گرامی ہمارے نبی کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوگا یہ اس کا فرزند ہے۔ پس وہ کہنے لگی بیٹا! تیرا دین اچھا ہے مجھے بھی سکھا۔ میں نے اس کو سکھایا۔ اور

وہ مسلمان ہوگئی ۔ظہر۔عصر، مغرب، عشا یہ چاروں نمازیں اُس نے پڑھیں اور رات کو عارضہ میں مبتلا ہوگئی۔ اور آخری وقت پھر اُصولِ دین کا اقرار کیا اور مرگئی تمام مسلمان اس کی تجہیز وتکفین میں شامل ہوئے اور میں نے خود اس کا جنازہ پڑھا (ملخصًا ترجمہ)

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بعض اوقات انسان زندگی میں والدین کا فرمانبردار ہوتا ہے اور جب وہ مر جاتے ہیں تو ان کا نافرمان بن جاتا ہے کیونکہ نہ ان کے قرضے ادا کرتا ہے اور نہ ان کے لئے استغفار کرتا ہے پس دفتر عدلِ خداوندی میں وہ عاق لکھا جاتا ہے اور بعض انسان ماں باپ کی زندگی میں ان کے نافرمان ہوا کرتے ہیں اور ان کے مرنے کے بعد فرمانبردار ہو جاتے ہیں کہ اُن کے قرضے ادا کرتے اور ان کے لئے استغفار کرتے ہیں پس دفتر عدلِ خداوندی میں وہ والدین کے اطاعت گزار لکھے جاتے ہیں ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے فرماتے ہیں تمہیں کیا ہے کہ والدین کے ساتھ احسان نہیں کرتے زندہ ہوں یا مرگئے ہوں ان کی طرف سے نماز پڑھو ۔صدقہ دو ۔حج کرو ان کے روزے رکھو کیونکہ یہ اعمال ان کو فائدہ دیں گے اور کرنے والے کو بھی اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ ثواب ملے گا ۔یہ سب روایات وافی سے منقول ہیں ۔

ایک روایت میں ہے ماں باپ کے چہرہ کی طرف مہر ومحبّت کی نگاہ کرنا عبادت ہے (مقدمہ تفسیر)

عنوان الکلام میں ہے کہ ماں باپ کی طرف نظر کرنا ایک حج کے ثواب کے برابر ہے اور بروز جمعہ ان کی قبروں کی زیارت کرنا حج کا ثواب ہے۔

جلد ثالث بحار الانوار میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جنّت کی خوشبو پانچسو سال کی راہ سے آئے گی لیکن اپنے والدین کا نافرمان اُسے نہ سونگھے گا ۔احادیث اس بارہ میں حدِ تواتر سے زیادہ ہیں ۔نیک نیت اور صاف دل انسان کے لئے اسی قدر کافی ہے ۔

یہ برّ والدین کی ظاہری تفسیر تھی اب ذرا اس کی باطنی تفسیر وتاویل ملاحظہ فرمایئے۔

تفسیر برہان میں روضۃ الواعظین سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا کی تفسیر میں فرمایا کہ والدین حضرت محمد مصطفٰےؐ اور حضرت علی مرتضٰیؑ ہیں ۔حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ تمہارے افضل والدین اور زیادہ مستحق شکر محمّدؐ وعلیؑ ہیں ۔حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا میں نے جناب رسالت مآبؐ سے سُنا کہ فرماتے تھے أَنَا وَعَلِيٌّ أَبَوَا هٰذِهِ الْأُمَّةِ میں اور علی اس اُمّت کے باپ ہیں اور ہمارے حقوق ان پر اپنے والدین کے حقوق سے زیادہ ہیں کیونکہ اگر وہ ہماری اطاعت کریں گے تو ہم انہیں جہنّم سے نکال کر جنّت پہنچائیں گے اور غلامی سے نکال کر آزادی دلوائیں گے پس نہ ظاہری والدین کی اطاعت کے بغیر خدا کی خوشنودی حاصل ہوسکتی ہے اور نہ باطنی اور روحانی والدین کی

اطاعت کے سوا رضائے خدا حاصل ہوتی ہے اور جنت والدین کے قدموں میں ہے۔

وَذِی الْقُرْبٰی۔ اپنے قرابت داروں کے ساتھ احسان کرنا صلہ رحمی ہے اور روایات میں ہے کہ صلہ رحمی کرنے والے پر قیامت کا حساب آسان ہوگا اور جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے والدین کی قرابت کے حقوق کی رعایت کرے گا اس کو جنت میں ہزار درجہ عطا ہوگا کہ ہر دو درجہ کے درمیان تیز رو گھوڑے کا ایک لاکھ سال کا راستہ ہوگا اور اس کے بعد پھر امام نے درجات کی تفصیل کسی حد تک بیان فرمائی اور پھر فرمایا کہ جو شخص حضرت محمد مصطفےٰؐ اور علی مرتضےٰؑ کے قرابت داروں کے حقوق کی رعایت کرے گا تو نسبی قرابت داروں کے حقوق کی رعایت کے ثواب سے اس کا ثواب اتنا زیادہ ہوگا جتنا نسبی والدین اور روحانی والدین (جناب محمد مصطفےٰؐ اور علی مرتضےٰؑ) کے مراتب اور درجات میں فرق ہے پس خدا کا غضب نازل ہو ان لوگوں پر جنہوں نے رسولؐ و علیؑ کے قریبیوں کے حقوق کی رعایت کرنا تو بجائے خود ان کو اس قدر ستایا کہ آج تک رُوحِ رسُولؐ اس صدمہ سے گریاں ہے چنانچہ امام زین العابدینؑ سے مروی ہے کہ باوجودیکہ ہمارے نانا مسلمانوں کو ہمارے ساتھ احسان کرنے کی اور ہمارے حقوق کی رعایت کرنے کی بار بار تلقین کر گئے تھے لیکن ان مسلمانوں نے ہمیں وہ مصائب و دکھ پہنچائے ہیں کہ اگر ہمارے نانا مسلمانوں کو ہمارے ستانے کی وصیت فرما جاتے تو مسلمان اس سے زیادہ ہمیں مصائب و دُکھ پہنچا کر نہ ستا سکتے۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔

وَالْیَتٰمٰی۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے یتیم پروری کی بڑی تاکید فرمائی کیونکہ وہ اپنے باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوتے ہیں پس جو ان کی حفاظت کرے گا خدا اس کی حفاظت کرے گا اور جو ان کی عزت کریگا خدا اسکی عزت کریگا اور جو شخص ازراہ کرم یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے خداوند کریم اسے اس کے ہاتھ کے نیچے آنے والے بال بال کے بدلے میں ایک ایک محلِ جنت عطا فرمائے گا جو دنیا و مافیہا سے بزرگ تر ہوگا اور ان میں ہر وہ چیز مہیّا ہوگی جس کو اُس کا جی چاہے گا۔ اور آنکھ ٹھنڈی ہوگی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ خدا آلِ محمدؐ کے یتیموں پر ظلم کرنے والوں پر لعنت کرے۔

## علمائے صالحین کا مقام

البرہان! امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ظاہری باپ کے سایہ سے محروم ہونے والے یتیم سے بھی زیادہ قابلِ رحم وہ یتیم ہے جو روحانی باپ یعنی اپنے امام سے دور ہو جائے اور اس تک پہنچ نہ سکے اور اسے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ احکام دینیہ میں جن سے مجھے واسطہ ہے میرے امام کا کیا حکم ہے آگاہ ہو کہ ہمارے شیعوں میں سے جو شخص ہمارے علوم کا عالم ہو۔ اور ہماری شریعت سے جاہل کو واقف کرے جو ہماری زیارت سے محروم ہے چونکہ وہ جاہل اس عالم کی گود میں (ہمارا) یتیم ہے پس وہ عالم جو اس کو ہدایت کرے اور ہماری شریعت کی اس کو تعلیم دے وہ رفیق اعلیٰ میں ہمارے ساتھ ہوگا (رفیق اعلیٰ سے مراد مقام جنت ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث میرے آباء طاہرین نے جناب رسولِ پاکؐ سے بیان

فرمائی ہے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ہمارے شیعوں میں سے جو شخص ہماری شریعت کا عالم ہو پس وہ ہمارے کمزور شیعوں کو ان کی جہالت کی تاریکی سے نکال کر ان کو علم کی روشنی تک پہنچائے جو ہماری طرف سے اس کو پہنچا ہے تو جب وہ وارد محشر ہوگا اس کے سر پر ایک نورانی تاج ہوگا جس سے تمام عرصۂ محشر منور ہو جائے گا اور اس کو حلۂ بہشتی پہنچایا جائے گا جس کی ایک ادنیٰ تار کی قیمت ساری دنیا نہیں ہو سکتی اور پھر اللہ کی جانب سے منادی ندا کرے گا۔ اے بندگان خدا یہ آلِ محمدؐ کے شاگردوں میں سے ایک عالم ہے پس جس جس انسان کو دنیا میں اُس نے جہالت کی تاریکی سے نکالا تھا وہ اس کے نور کے ساتھ تمسک پکڑ لیں تاکہ یہی عالم اس کو عرصۂ محشر کی تاریکی کی حیرت سے نکال کر باغاتِ جنت میں پہنچا دے پس دنیا میں جن جن لوگوں کو اس نے اپنے فیوض سے بہرہ ور کیا ہو گا یا جہالت کا قفل اس کے دل سے توڑا ہو گا یا اس کے کسی عقدہ کو حل کیا ہو گا وہ تمام اس عالم کے ساتھ تمسک پکڑ کر داخلِ جنت ہوں گے۔

وَالْمَسَاكِيْنِ۔ مسکین کی جمع ہے یعنی جس کو فقر و فاقہ زمین گیر کر دے کہ وہ حرکت نہ کر سکے گویا سکون سے مشتق ہے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص مساکین کی اپنے زائد مال سے خبرگیری کرے گا۔ خداوند کریم جنت میں اس کو وسیع مقام عطا فرمائے گا یعنی اپنی جملہ نعمات کو اس پر وسیع کر دے گا اور اس کو اپنی مغفرت اور رضامندی سے لذت اندوز کرے گا پھر آپ نے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ اور حضرت علیؑ مرتضیٰ کے محب مسکین ہیں ان کی ہمدردی عام فقراء و مساکین کی ہمدردی سے افضل ہے کیونکہ دشمنانِ دین جو اُن کے مذہب پر اعتراض کرتے ہیں اور اُن کو بیوقوف بناتے ہیں ان کے مقابلہ سے اُن کی قوتیں ضعیف اور اعضاء ساکن (کمزور) ہیں پس جو شخص ان کو علمِ فقہ کی قوت دے اور ان کو پڑھائے یہاں تک کہ ان کی وہ مسکینی دُور ہو جائے اور اپنے ظاہری دشمنوں (جیسے ناصبی) اور باطنی دشمنوں (جیسے ابلیس اور اس کا لشکر) پر قابو پالیں تاکہ وہ ان کو دین خدا اور محبت آلِ رسولؐ سے ہٹا نہ سکیں تو خداوند کریم نے اپنے رسولؐ کی زبان پر فیصلۂ حق جاری فرمایا اور حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جو شخص دین کے مسکین اور معرفت کے کمزور کو ناصبیٔ مخالف پر طاقتور کرے کہ یہ مومن اسکو لاجواب کرنے میں کامیاب ہو جائے تو جب وہ قبر میں سوئے گا تو خود خداوند کریم قبر میں اپنی زبان قدرت سے اس کی تلقین پڑھے گا۔ اور فرمائے گا کہ میرا رب اللہ ہے میرا نبی محمدؐ ہے میرا ولی علی ہے۔ میرا قبلہ کعبہ ہے میرے ایمان کی بہار اور سفر آخرت کی زاد قرآن ہے اور سب مومن میرے بھائی ہیں پس خدا فرمائے گا کہ تو نے اب حجت ادا کر دی پس تیرے لئے جنت کے بلند درجات میں نے واجب کئے ہیں۔ اور اسی وقت اس کی قبر بہترین گلزارِ جنت ہو جائے گی۔

## مکارمِ اخلاق کا درس

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں یہاں ناس سے

مراد عام ہے مومن ہوں یا غیر مومن۔ پس مومنوں کے ساتھ کشادہ روئی سے پیش آؤ اور غیر مومن کے ساتھ نرمی کی گفتگو کرو تاکہ وہ تمہاری طرف کھچ آئیں۔

وافی میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السّلام نے ایک حدیث میں فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص جب اپنے دین میں پرہیزگار ہو۔ بات میں سچا ہو۔ امانت کا ادا کرنے والا ہو اور لوگوں سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کرتا ہو تو لوگ کہیں کہ یہ جعفری ہے تو مجھے اس بات سے خوشی ہوگی اور اس کی طرف سے مجھے سرور پہنچے گا اور کہا جائے گا کہ جعفر صادق کی تعلیم یہ ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کی مصیبت اور شرمساری مجھے ہوگی کیونکہ لوگ کہیں گے کہ جعفر صادق نے اس کو ایسی تعلیم دی ہے۔ خدا کی قسم مجھے اپنے والد بزرگوار نے بیان فرمایا کہ حضرت علی علیہ السّلام کا شیعہ وہ ہے کہ جس محلہ میں آباد ہو وہ اس محلہ کی زینت ہو۔ امانت ادا کرنے والا ہو۔ حقوق کی رعایت کرنے والا ہو۔ بات کا سچا ہو کہ لوگوں کی وصیتوں اور امانتوں کا مرجع ہو۔ قبیلہ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے تو کہیں کہ اس کی مثل کون ہوسکتا ہے وہ امین بھی ہے سچا بھی ہے۔

ابوالربیع شامی روایت کرتا ہے کہ میں حضرت صادق علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجمع کثیر تھا۔ خراسانیوں، شامیوں اور گرد و نواح کے لوگوں سے صحن میں قدم رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ امام علیہ السّلام تکیہ لگا کر بیٹھے تھے۔ پس سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ اور ارشاد فرمایا۔ اے آلِ محمدؐ کے شیعو! وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو بوقتِ غصہ اپنے نفس پر قابو نہ پا سکتا ہو۔ اپنے ساتھی سے اچھا برتاؤ نہ کرتا ہو۔ ہم کلام لوگوں سے خلق کی بات نہ کرتا ہو۔ رفقاء سے اچھی رفاقت نہ کرتا ہو۔ ہمسایوں سے حسن سلوک نہ رکھتا ہو۔ کشادہ روئی کرنے والوں سے اچھی طرح پیش نہ آتا ہو۔ اے آلِ محمدؐ کے شیعو! حسب طاقت اللہ سے تقویٰ اختیار کرو وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن بلند مقام اس شخص کا ہوگا جو خلقِ خدا کی خیر خواہی میں زمین پر چلنے والا ہو۔ اور آپ نے فرمایا خدا کا محبوب ترین بندہ وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہو۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ نماز رکنِ دین ہے اور ستون اسلام ہے جو نماز نہیں پڑھتا اس کا اسلام برائے نام ہے کیونکہ معصوم کا فرمان ہے جو عمداً نماز کو ترک کردے وہ کافر ہے چنانچہ باب تفاصیل حقوق میں امام زین العابدین علیہ السّلام نے حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے روایت فرمائی ہے کہ اللہ کا بڑا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو۔ اور اس میں اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور جب ایسا کرو گے خدا تمہاری دنیا و آخرت کی مہموں کو انجام دے گا۔ اے انسان! تیرے اُوپر اللہ کا حق یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کر اور نماز کا حق یہ ہے کہ تجھے یقین ہو کہ میں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوا ہوں اور اس کے دربار میں حاضر ہوں جب تم یہ بات سمجھ لوگے تو اس کی بارگاہ میں اس طرح کھڑے ہوگے جس طرح ایک عبد ذلیل اپنے آقا و مولا کے سامنے نہایت

عجز وانکساری کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے جس کو انعام کا طمع، عذاب کا خطرہ بخشش کی امید اور گناہوں کا ڈر ہو، ایسی صورت میں تمہاری پوری توجہ نماز میں ہوگی اور اس کو اپنے حقوق اور حدود کے ساتھ ادا بھی کروگے (نقلاً از وافی) اور نماز مومن اور مشرک کے درمیان نشانِ امتیاز ہے۔ جیسے خود فرماتا ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ نماز پڑھو اور مشرکین سے نہ ہو، نماز کا مفصل ذکر تفسیر کی جلد ۹ میں ص۴۳ تا ص۵۶ ملاحظہ ہو۔

وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ اس کی تفسیر میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ مال وجاہ وقوتِ بدن سے زکوٰۃ دو۔ مال کی زکوٰۃ تو یہ ہے کہ اپنے غریب ونادار مومن بھائیوں کی مالی امداد کرو (وجوب زکوٰۃ اور اس کے شرائط واحکام تفسیر کی جلد نمبر ۷ میں ص۳۵ تا ص۸۶ ملاحظہ ہوں۔ اور جاہ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اپنی حاجات تک پہنچنے سے جہاں مومن بھائی قاصر ہو تو تم اس کی حاجت براری میں امداد کرو۔ اور اپنے رسوخ سے اس کی مشکل حل کرو اور قوتِ بدن کی زکوٰۃ یہ ہے کہ جہاں ایک کمزور مومن کو تمہاری دستگیری کی ضرورت ہو وہاں اپنی قوت جسمانی سے اس کی مدد کرو مثلاً اندھے کی لاٹھی پکڑو۔ کمزور کو سلادو وغیرہ

وافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن کی حاجت روائی ایک ہزار غلام آزاد کرنے سے اور اللہ کی راہ میں ایک ہزار گھوڑا پیش کرنے سے افضل ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ مومن کی حاجت براری بیس حجوں سے افضل ہے۔

اور نیز آپ نے ایک روایت میں فرمایا کہ جو شخص مومن کی حاجت کو پورا کرنے کے لئے چلے اسے ہر قدم کے بدلہ میں دس نیکیاں ملیں گی۔ اور دس گناہ معاف ہوں گے اور دس درجے اس کے بلند ہوں گے اور یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ اس کا ثواب ایک ماہ مسجد الحرام میں اعتکاف کرنے سے زیادہ ہے۔

ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص مومن کی حاجت کے لئے چلے تو اس کے سر پر پچھتر ہزار فرشتوں کا سایہ ہوتا ہے۔

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ایک مومن کی مصیبت دُور کرے خدا اُس کی قیامت کی مصیبت دور کرے گا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو بھوکے مومن کو کھانا کھلائے خدا اس کو جنت کے پھل عطا فرمائے گا اور جو پیاسے مومن کو پانی پلائے خدا اس کو رحیق مختوم سے سیراب کرے گا۔ احادیث اس ضمن میں حد تواتر سے زیادہ ہیں اور آیت مجیدہ میں ظاہری طور پر زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن صدقاتِ واجبہ ومستحبہ مالیہ وبدنیہ سب کو باطنی طور پر شامل ہے جس طرح گذشتہ فرمان امام اس کا شاہد ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ

پھر تم وہی قتل کرتے ہو ایک دوسرے کو اور نکال دیتے ہو ایک فریق اپنے کو اپنے گھروں سے درحالیکہ تم ایکدوسرے کے

عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ

معاون ہوتے ہو اُن کے خلاف ناجائز طور پر اور ظالمانہ انداز سے اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی ہو کر تو ان کا فدیہ دیتے ہو حالانکہ حرام ہے تم پر نکالنا

اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ

ان کا کیا تم ایمان لاتے ہو بعض کتاب سے اور کفر کرتے ہو ساتھ بعض کے پس نہیں جزا اس کی جو کرے یہ کام تم میں سے مگر

ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ

رسوائی زندگی دنیا میں اور روز قیامت وہ پھیر دیئے جائیں گے طرف سخت ترین

یہ عہد و میثاق جو خداوند کریم بنی اسرائیل کو جتلا رہا ہے گو ان کے اسلاف نے کیا تھا اور پھر توڑا تھا لیکن چونکہ موجودہ یہودی اُن سے بیزار نہیں تھے اس لئے خطاب ان کو کیا گیا ہے اور تاویل و باطن کے اعتبار سے یہ آیت قیامت تک کی آنے والی نسلوں کے لئے باعث عبرت اور پیغام ہدایت ہے اور تمام بنی آدم سے خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنے کا میثاق روز اول سے لیا جا چکا ہے۔ اور اسی عہد کی انبیاء اپنے اپنے زمانہ میں اُمتوں کو یاد دہانی کراتے رہے تاکہ حجت تمام ہو جائے۔ دور اسلام کے یہود پر حجت قائم کرنے کے لئے خداوند کریم نے بذریعۂ قرآن اُس میثاق کی یاد دہانی کرائی اور مسلمانوں کو بھی اس کی نصیحت کی سابق یہودیوں نے چونکہ عہد توڑ دیا تھا لہذا موجودہ یہودیوں کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ خبردار تم ان کے نقش قدم پر نہ چلو بلکہ راہ حق پر آجاؤ۔

نیز تورات میں ان کے اسلاف سے یہ عہد بھی لیا گیا تھا کہ باہمی خونریزی نہ کرنا ایک دوسرے کو جلاوطن نہ کرنا بلکہ صلح و آشتی سے زندگی بسر کرنا لیکن وہ اس عہد سے بھی پھر گئے۔ لہذا خداوند کریم نے ان کا یہ عہد کرنا اور پھر جانا بھی ذکر فرمایا ہے تاکہ موجودہ یہودی عبرت حاصل کریں۔

ثُمَّ اَنْتُمْ ۔ مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ یہود کے دو قبیلے بنی قریظہ اور بنی نضیر آپس میں بھائی بھائی تھے جس طرح عرب کے دو قبیلے اوس اور خزرج تھے پس ان میں پھوٹ پڑ گئی تو قبیلہ نضیر قبیلہ خزرج کے ساتھ ہو گیا۔ اور قبیلہ قریظہ قبیلہ اوس کے ساتھ ہو گیا جب دو قبیلے آپس میں لڑتے تھے تو ہر ایک کا ساتھی اور ہم قسم قبیلہ اپنے ساتھیوں کی امداد کرتا تھا جب لڑائی ختم ہو جاتی تھی تو یہودی مغلوب قبیلے کے یہودیوں کو فدیہ دے کر آزاد کرا لیتے تھے اور اس معاملہ میں تورات کی اتباع کو نہیں چھوڑتے تھے۔ ادھر اوس اور خزرج کے دونوں قبیلے مشرک تھے حالانکہ تورات میں ان سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ آپس میں

الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ

عذاب کے اور خدا غافل نہیں اس سے جو تم عمل کرتے ہو وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا زندگی

الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

دنیا کو بدلہ آخرت کے پس کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے

خونریزی بھی نہ کرنا ایکدوسرے کو جلاوطن بھی نہ کرنا اور اگر کوئی ان میں سے اسیر ہو جائے تو فدیہ ادا کر کے اُسے آزاد بھی کرا لینا۔ پس یہودیوں نے ایک حصہ پر عمل نہ کیا یعنی ایک دوسرے کے قتل اور جلاوطنی سے باز نہ آئے لیکن دوسرے حصہ پر عمل کیا کہ جو یہودی قید ہوتے تھے ان کو فدیہ ادا کر کے چھڑا لیتے تھے۔ پس ان آیات میں ان کی مذمت کی گئی ہے کہ تورات کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ پر ایمان نہیں رکھتے حالانکہ دونوں حکم واجب الاتباع ہیں۔

خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ دنیا کی رسوائی سے مراد ان سے جزیہ لینا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی رسوائی یہ تھی کہ بنی نضیر کو مدینہ سے نکال دیا گیا اور بنی قریظہ کو قتل کر دیا گیا اور ان کے بچوں کو قید کر لیا گیا۔

یہودیوں پر تورات میں ایک دوسرے کا جلاوطن کرنا حرام تھا اور قرآن میں اس حکم کا مذکور ہونا اور یہودیوں کی مذمت کرنا بتلاتا ہے کہ مسلمانوں پر بھی یہی حکم عائد ہوتا ہے۔ اسی بنا پر تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ اس کی تاویل حضرت ابوذر غفاری سے متعلق ہے جن کو مدینہ سے مسلمانوں کے حاکم نے جلاوطن کر کے ربذہ بھیج دیا تھا چنانچہ وہیں ان کا انتقال ہوا اور دفن بھی وہیں ہوئے۔

تفسیر برہان میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے اس آیت کے نزول کے بعد جب یہودیوں کے حالات سے خبر دی تو پھر فرمایا کہ میں اس اُمت میں سے تم کو ان لوگوں کا پتہ دوں جن کے افعال ان یہودیوں کے مشابہ ہوں گے، صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسولؐ اللہ! آپ نے فرمایا کہ میری اُمت سے ایسے لوگ ہوں گے جو میری اُمت کہلائیں گے اور میری ذرّیت کے فاضلوں کو اور میری نسل کے پاکیزہ افراد کو قتل کریں گے اور میری سنت و شریعت کو تبدیل کر دیں گے میرے شہزادوں حسنؑ اور حسینؑ کو شہید کریں گے جس طرح ان یہودیوں کے اسلاف نے حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کو قتل کیا تھا ان پر بھی خدا کی لعنت ہوگی۔ جس طرح ان پر خدا کی لعنت ہے ان کی بقیہ اولادوں پر قیامت سے پہلے خداوندکریم حسینؑ مظلوم کی اولاد سے ہادی مہدیؑ کو بھیجے گا جو اپنے دوستوں کی تلواروں سے انہیں موت کے گھاٹ اتار کر ان کو واصل جہنم کرے گا۔ آگاہ ہو حسینؑ اور اس کے محبوں اور مددگاروں کے قاتلین پر اللہ کی لعنت ہے اور جو بلاتقیہ ان پر لعنت نہ کرے اس پر بھی خدا کی لعنت

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ

اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے درپے بھیجے اس کے بعد رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو

الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤی اَنْفُسُکُمُ

معجزات اور ہم نے اس کی تائید کی ساتھ روح قدس کے کیا جب بھی لائے تمہارے پاس وہ چیز کہ نہ چاہیے جی تمہارا تو تم نے

اسْتَکْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ

تکبر کیا پس ایک فریق کو جھٹلایا اور ایک فریق کو قتل کرتے تھے اور انہوں نے کہا ہمارے دل غلاف میں ہیں بلکہ

ہے اور اللہ کی رحمت ہو گی حسینؑ بن علیؑ کے رونے والوں پر اور ان پر جو ان کے قاتلوں پر لعنت بھیجیں اور ان پر غیظ و غضہ میں رہیں آگاہ ہو جو قاتلین حسینؑ پر راضی ہو گا اس کا شمار قاتلین میں سے ہو گا۔ نیز حسینؑ کے قاتل اور قاتلین کے مددگار اور دوست اور ان کے مقتدی یہ سب اللہ کے دین سے بیزار ہیں۔ خداوند کریم ملائکہ مقربین کو حکم فرمائے گا کہ حسینؑ کی شہادت پر رونے والوں کے آنسو کو اٹھا کر خزانِ جنت کے حوالہ کر دیں پھر وہ ان کو آبِ حیات سے ملا دیں گے جس سے اس کی شیرینی اور پاکیزگی ہزار گنا زیادہ ہو جائے گی (یہ رونے والوں کو انعام میں نصیب ہو گا) اور حسینؑ کے قتل پر خوش ہونے والوں کے آنسو کو ملائکہ اٹھا کر ہاویہ میں اس کے حمیم صدید عناق و غسلین سے ملائیں گے جس سے اس کی گرمی کی شدت ہو گی اور عذاب کی زیادتی ہزار گنا بڑھ جائے گی اور وہی اعداء آل محمدؐ کی بازگشت ہو گی۔

الْبَیِّنٰت ۔ حضرت عیسیٰ کو معجزات عطا کیے گئے تھے مثلاً مردہ کو زندہ کرنا۔ نابینا کو بینا کرنا۔ مبروص و اپاہج کو تندرست کرنا اور مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں رُوح پھونکنا وغیرہ یہ سب بیّنات ہیں یعنی عیسیٰ کی نبوت کی واضح دلیلیں ہیں بعض نے کہا ہے کہ بیّنات سے مراد انجیل اور اس میں درج شدہ جمیع احکام حلال و حرام ہیں۔ از مجمع البیان۔

روح القدس ۔ بعض کہتے ہیں اس سے مُراد جبریل ہے اور بعض انجیل مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں اس سے مراد اسم اعظم ہے اور جبریل مراد لینے کی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبریل کی حضرت عیسیٰ سے کیا خصوصیت ہے حالانکہ وہ ہر نبی پر وحی لایا کرتا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بچپنے سے آخر تک ہر وقت حضرت عیسےٰ کے ہمراہ رہتا تھا اور جب یہود نے حضرت عیسےٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا تو آسمان پر جبریل خود ساتھ لے گیا اور حضرت مریم کو عیسیٰؑ کی بشارت دینے کے لئے بھی انسانی شبیہ بن کر آیا تھا۔ از مجمع البیان

فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ ۔ الخ ۔ ایک گروہ کی تکذیب کی جیسے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت رسالت مآبؐ اور ایک گروہ کو قتل

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ

لعنت کی ہے ان پر اللہ نے بوجہ ان کے انکار کے پس ایمان تھوڑا ہی لاتے ہیں ۔ اور جب آئی ان کے پاس کتاب اللہ کی جانب

عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا

سے جو تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے حالانکہ تھے وہ پہلے فتح طلب کرتے تھے اوپر کافروں کے پس جب

جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۸۹﴾

آئی ان کے پاس وہ جس کو انہوں نے پہچانا تو اس کا انکار کر دیا پس اللہ کی لعنت ہے انکار کرنے والوں پر

کرڈالا جیسے حضرت یحییٰؑ و حضرت زکریاؑ اور تفسیر برہان میں عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ اور اس کے بعد رسولوں کا ذکر اُمت محمدؐ مصطفیٰؐ کے لئے ایک مثال ہے اور آیت کی تاویل اور باطن یہ ہے کہ جب حضرت محمد مصطفےٰؐ تمہارے پاس وہ چیز لائے جس کو تمہارے دل نہ چاہتے تھے یعنی ولایت علیؑ تو تم اکڑ گئے اور آلِ محمدؐ میں سے بعض کو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل کر ڈالا اور اسی معنی میں کلینیؒ سے روایت منقول ہے۔

غُلْفٌ اغلف کی جمع ہے ۔ غلاف کے اندر جو چیز ہو اُسے اغلف کہتے ہیں ۔ اُن کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل غلافوں میں بند ہیں تمہاری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں پس اللہ نے ان کی تردید فرمائی کہ اُن کے دل غلاف میں نہیں بلکہ کفر و عناد کی وجہ سے ان پر خدا کی لعنت ہے لہذا ایمان تھوڑا ہی لاتے ہیں یعنی نہیں لاتے ۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ الخ ۔ یعنی جناب رسالت مآبؐ کی بعثت سے پہلے یہودی لوگ عربوں پر یعنی اوس و خزرج پر جناب رسولؐ خدا کی آمد کی خبر سے فتح طلب کرتے تھے یعنی جب یہ لوگ ان کو تنگ کرتے تھے تو یہودی ان کو کہا کرتے تھے کہ جب رسولؐ آخر الزمان تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ہمرکاب ہو کر تمہارا پتہ کریں گے ۔ خدا ہم کو ان کی بدولت تم پر فتح دے گا اور تم مغلوب ہو جاؤ گے لیکن جب حضورؐ تشریف لائے تو یہودی انکاری ہو گئے ۔ اور اوس و خزرج مسلمان ہو گئے ۔ پس معاذ بن جبل وغیرہ ان کو کہتے تھے کہ اللہ سے ڈرو پہلے جب ہم مشرک تھے تو تم جناب رسولؐ خدا کی آمد کی خبر سنا کر ہم پر فتح طلب کرتے تھے اور خدا سے دعائیں مانگتے تھے اور جب وہ تشریف لائے ہیں تو تم انکار کرتے ہو تو سلام بن مشکم یہودی جو بنی نضیر سے تھا کہتا تھا کہ یہ وہ نہیں جس کا ہم ذکر کرتے تھے [۱]

[۱] ترجمہ قرآن مولوی اشرف علی تھانوی کے حاشیہ صفحہ ۱۶ پر مرقوم ہے کہ محمد مصطفیٰؐ کے نبی ہونے سے پہلے یہود کی قبیلہ اوس و خزرج سے باتی ۔۔۔

تفسیر مجمع البیان میں تفسیر عیاشی سے بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ یہودیوں نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا کہ جناب محمد مصطفیٰ کی ہجرت گاہ عیر اور اُحد کے درمیان ہوگی پس اسی مقام کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ان کا گذر ایک پہاڑ سے ہوا جس کو حداد کہا جاتا ہے تو انہوں نے سوچا کہ احد اور حداد ایک ہی جیسے لفظ ہیں (پس سمجھا کہ وہ یہی مقام ہے) تو اسی پہاڑ کے گرد و نواح میں متفرق ہو کر اتر پڑے کچھ تیما میں کچھ فدک میں اور کچھ خیبر میں آباد ہوگئے۔ پس تیما والے اپنی دوسری برادری کی ملاقات کے لئے گھر سے تیار ہوئے تو بنی قیس کا ایک شخص ان کے پاس سے گذرا۔ انہوں نے اس سے اونٹ کرایہ پر لئے اس اعرابی نے اُن کو بتایا کہ میں تم کو عیر اور احد کے درمیان سے لے کر گزروں گا۔ اُنہوں نے کہا کہ وہاں پہنچنا تو ہمیں خبر دینا پس جب مدینہ کی زمین پر پہنچے تو اعرابی نے کہا کہ یہ اُحد ہے اور وہ عیر ہے (یعنی اب تم ان دو مقاموں کے درمیان میں ہو) پس وہ اونٹوں سے اُتر پڑے اور اعرابی کو کہا کہ ہمیں اپنا مطلوب مل گیا ہے اب ہم کو تیرے اونٹوں کی ضرورت نہیں تو بے شک جا سکتا ہے اور وہاں سے فدک اور خیبر کے یہودیوں کو خط لکھا کہ ہم نے وہ مقام تلاش کر لیا ہے۔ پس تم یہاں چلے آؤ۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ ہم اب آرام سے یہاں آباد ہیں اور یہاں ہم نے مال و متاع جمع کر لیا ہے اور ہم تمہارے قریب بیٹھے ہیں جب وہ وقت آیا تو ہم فوراً پہنچ جائیں گے پس انہوں نے مدینہ بسایا اور اپنے مال جمع کئے جب ان کے پاس مال زیادہ ہوا تو عرب کے بادشاہ تبّع کو خبر پہنچی۔ اُس نے ان پر چڑھائی کر دی اور یہ اپنے قلعوں میں داخل ہوگئے بہت دیر تک اس نے محاصرہ کئے رکھا اور آخر کار ان کو امان دے دی اور کہا کہ مجھے تمہاری آبادیاں پسند ہیں لہذا میں یہاں ٹھہرنا چاہتا ہوں یہودیوں نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مقام نبیؐ کی ہجرت گاہ ہے جب تک وہ نہ تشریف لائیں دوسرے کسی کو ہم یہاں رہنے کی اجازت نہیں دیتے پس اس نے کہا کہ میں تم میں اپنے خاندان سے کچھ آدمی ٹھہراتا ہوں تاکہ ان کی آمد پر یہ بھی ان کی نصرت کریں پس اس نے اوس اور خزرج دونوں قبیلے وہاں چھوڑے اور خود چلا گیا۔ جب اوس و خزرج تعداد میں زیادہ ہوگئے تو انہوں نے یہودیوں کے اموال پر دست درازی شروع کر دی پس یہودی اُن کو کہتے تھے کہ جب محمد مصطفیٰ تشریف لائیں گے تو ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے لیکن نتیجہ اس کے برعکس ہوا کہ جب آپ تشریف لائے تو انصار مسلمان ہوگئے اور یہودی اپنی ضد پر اڑ گئے چنانچہ آیت میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔

بِئْسَ مَا ۔ یعنی یہ سودا ان کا خسارے میں ہے اور بُرا سودا ہے کہ اپنے نفسوں کو انہوں نے عذاب جہنم میں دے دیا۔ اور

---

بقیہ صفحہ ۱۴۰ ۔ جب کبھی لڑائی ہوتی تھی اور ہزیمت نظر آتی تھی تو نبی امی خاتم النبیین کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے اور دشمن پر فتح و غلبہ چاہتے تھے اور یہ پاک وسیلہ لاتے ہی فوراً ان کو فتح ہو جاتی اور جب وہ وجود باجود دنیا میں سایہ فگن ہوا یعنی خود نبی ہو کر دنیا میں تشریف لائے تو یہ یہودی لوگ کافر ہو گئے اور ایمان نہ لائے اس کے بعد محشی نے معاذ بن جبل اور سلام بن مشکم یہودی کا مکالمہ ذکر کیا ہے۔ (منہ)

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ

بری ہے وہ چیز کہ بیچ دیا ہے بدلے اس کے انہوں نے اپنے نفسوں کو انکار کرنا اُس چیز کا جو نازل کی اللہ نے اس حسد سے کہ نازل کرتا ہے

فَضْلِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰي غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ

اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے پس حاصل کیا انہوں نے غضب بالائے غضب اور کافروں کے لئے عذاب

مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ

ہے رسوا کن اور جب ان کو کہا جائے کہ ایمان لاؤ ساتھ اس کے جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے جو ہم پر

عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۤ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ

اتری اور کفر کرتے ہیں ساتھ اس کے جو اس کے علاوہ ہو حالانکہ وہ حق ہے تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے کہئے پھر کیوں قتل

کفر و انکار کی وجہ سے نعماتِ جنّت سے محروم ہونا اختیار کر لیا۔ اور اس حسد کی وجہ سے کہ نبوت حضرت اسماعیل کی اولاد میں کیوں آ گئی کیوں کہ اس سے پہلے سارے نبی حضرت اسحٰق کے فرزند حضرت یعقوبؑ کی اولاد سے تھے جن کو اسرائیل کہا جاتا تھا۔ حالانکہ تورات میں جو اوصاف رسولِ خدا کے ذکر کئے گئے تھے اُن کے لحاظ سے اُن کو دل میں یقین تھا کہ آپ برحق نبی ہیں اور خدا اپنا فضل یعنی نبوت جس کو وہ چاہے عطا کرتا ہے اور اُس کے اختیار میں ہے خواہ بنی اسرائیل سے نبی بنائے یا بنی اسمٰعیل سے نبی بھیجے لیکن اُن کو حسد پیدا ہوا کہ ایسا کیوں ہوا۔ پس غضب در غضب کے مستحق ہو گئے۔

اور غَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ یا تو تاکید کے لئے ہے اور یا دوسرے غضب سے مراد انکار نبوّت خاتم الانبیاء ہے۔ اور پہلے غضب سے مراد یا تورات کی تحریف یا گوسالہ پرستی یا حضرت عیسیٰؑ کا انکار ہے۔ اور آخری معنی اہل بیتؑ سے مروی ہے۔ پس پہلے غضب میں ان کو بندر سُور کی شکل میں مسخ ہونا نصیب ہوا اور دوسرے غضب سے ان کو محمدؐ و آل محمدؐ کی تلواریں یا جزیہ قبول کرنا حاصل ہوا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ۔ یعنی جب ان کو کہا جائے کہ قرآن پر ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس کو مانتے ہیں جو ہم پر اُتری یعنی تورات۔ پس خدا ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ غلط کہتے ہیں کیونکہ اگر ان کا تورات پر ایمان ہوتا تو نبیوں کو کیوں قتل کرتے۔ تورات میں تو انبیاء کی اطاعت کا حکم ہے۔ پس چونکہ اُنہوں نے نبیوں کو قتل کیا تو گویا تورات پر بھی ان کا ایمان نہیں تھا۔ اور نیز کتب سماویہ میں سے جو ایک کتاب کو نہ مانے گویا اُس نے تمام کتابوں کا کفر کیا۔ یہ بھی چونکہ قرآن کو نہیں مانتے پس تورات پر بھی ان کا ایمان کالعدم ہے۔

| اَنۡبِیَآءَ اللّٰہِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدۡ جَآءَکُمۡ مُّوۡسٰی |
|---|
| کرتے تھے اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے اگر تم مومن ہو اور تحقیق آیا تمہارے پاس موسیٰ ساتھ |
| بِالۡبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۹۲﴾ |
| معجزات کے پھر پوجا تم نے گوسالہ اس کے پیچھے درحالیکہ تم ظلم کرنے والے تھے |

## حضرت علیؑ کا قسیم الجنّہ والنّار ہونا

تنزیل کے لحاظ سے یہ آیتیں گو بنی اسرائیل کو خطاب کر رہی ہیں لیکن ان کی تاویل قیامت تک کے لئے ہے۔ کیونکہ قرآن قیامت تک کے لئے ہے۔

تو پس معلوم ہوا کہ جو شخص کتبِ سماویہ میں سے ایک کا انکار کرے گویا اس نے سب کتابوں کا انکار کیا۔ اسی طرح جو ایک نبی کا انکار کرے گویا وہ سب نبیوں کا منکر ہے اور جو ایک امام اور خلیفۂ برحق کا منکر ہو گویا وہ تمام آئمہ و خلفائے برحق اور سب انبیاء و جملہ کتبِ سماویہ کا منکر ہے چنانچہ انہی آیات کی تفسیر میں جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا جس کا ملخص ترجمہ یہ ہے کہ خدا نے خبر دی ہے کہ جو قرآن کو نہیں مانتا۔ اس کا تورات پر بھی ایمان نہیں ہے کیونکہ خدا نے ان سے ہر دو پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا پس ایک کے ساتھ ایمان بغیر دوسرے کے نا قابلِ قبول ہے۔ اسی طرح میری نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ خدا نے علیؑ کے ولایت پر ایمان لانا بھی فرض کیا ہے پس جو شخص میری نبوت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرے اور علیؑ کی ولایت کا کفر کرے تو گویا اس کا میری نبوت پر بھی ایمان نہیں ہے۔ بروز محشر جب تمام مخلوق جمع ہو گی تو منادی اللہ کی جانب سے ندا کرے گا تاکہ مخلوق میں سے مومن و کافر جدا جدا ہو جائیں پس ندا آئے گی۔ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ۔ اور دوسری آواز آئے گی اے خلقِ خدا تم بھی اس کلمے کو دہراؤ تو دہریت کے قائل گونگے ہو جائیں گے۔ ان کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور علیحدہ ہو جائیں گے اور باقی تمام مخلوق یہ کلمہ اپنی زبانوں پر جاری کرے گی، پھر ندا آئے گی اَشۡہَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو مشرکین اور بت پرستوں کے سوا تمام لوگ یہ کلمہ زبان پر جاری کریں گے اور مشرکین اور بت پرستوں کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور وہ گونگے ہوں گے پس یہ بھی علیحدہ ہو جائیں گے پھر ندا آئے گی اَشۡہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ تو سوائے مسلمانوں کے باقی تمام لوگ اس کلمہ کے دہرانے سے گونگے اور زبان بستہ ہو جائیں گے اور جدا ہو جائیں گے پس عرصۂ محشر سے آواز آئے گی کہ اب ان اقرار کرنے والوں کو جنّت میں لے جاؤ۔ اچانک اللہ کی جانب سے ایک اور آواز آئے گی۔ وَقِفُوۡہُمۡ اِنَّہُمۡ مَّسۡئُوۡلُوۡنَ۔ یعنی ان کو ٹھہراؤ کیونکہ ان سے ابھی پوچھنا ہے۔ فرشتے عرض کریں گے اے اللہ یہ رسولِؐ خدا کی نبوت کا اقرار تو کر چکے ہیں اب ان سے مزید سوال کونسا باقی ہے؟ تو آواز آئے گی وَقِفُوۡہُمۡ اِنَّہُمۡ مَّسۡئُوۡلُوۡنَ عَنۡ وِلَایَۃِ عَلِیِّ بۡنِ اَبِیۡ طَالِبٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ یعنی ان کو کھڑا کرو کیونکہ ان سے علیؑ اور آلِ محمدؐ کی ولا کا سوال باقی ہے اگر اقرارِ ولا نہ ہو گا تو میری ربوبیت اور جناب رسولؐ خدا

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا

اور جب ہم نے لیا تمہارا وعدہ اور بلند کیا ہم نے تمہارے اُوپر کوہ طور کو پکڑو اس چیز کو جو دی ہم نے تم کو طاقت سے اور سنو انہوں نے

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ

کہا ہم نے سن لیا اور نافرمانی کی اور داخل ہوگئی ان کے دلوں میں گوسالہ کی محبت بوجہ کفر کے کہہ دو کہ بری ہے وہ چیز جس کا امر کرتا

بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ

ہے تم کو تمہارا ایمان اگر ہو تم مومن کہہ دیجئے اگر ہے تمہارے لئے ہی قیامت کا گھر اللہ کے نزدیک صرف بغیر اور

خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ

لوگوں کے پس خواہش کرو موت کی اگر تم سچے ہو اور ہرگز

کی نبوت کا اقرار ان کو کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ میں نے ان پر یہ شہادت بھی فرض کی ہے پس جو اقرار کرے گا وہی ناجی ہوگا۔ اور جو نہ کرے گا وہ ناری ہوگا۔ پس بعض لوگ کہہ دیں گے کہ ہم علی کی ولا کے قائل تھے اور آلِ محمدؐ کے محب تھے حالانکہ وہ جھوٹ کہتے ہوں گے اور خیال کریں گے کہ ہم اس جھوٹ سے جان چھڑالیں گے۔ پس کہا جائے گا کہ یہ فیصلہ علی کی گواہی پر موقوف ہے۔ پس رسولِ خدا نے فرمایا! یا علیؑ! تو آئے گا اور کہے گا کہ خود جنّت میرے دوستوں کی گواہ ہے۔ اور جہنّم میرے دشمنوں پر شاہد ہے۔ پس جس کا اقرارِ ولایت صحیح ہوگا نسیمِ جنت اس کو اٹھا کر محلاتِ بہشت میں داخل کردے گی جہاں اس کو کوئی تکلیف و رنج نہ پہنچے گا۔ اور جو اس اقرار میں جھوٹے ہوں گے سمومِ جہنم ان کو وہاں سے اٹھا کر نارِ جہنم میں گرادے گی۔ پھر جناب رسولِ خدا نے فرمایا یا علی اسی لئے تو قَسِیمُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ہے۔ تو جہنّم سے خطاب کرکے کہے گا۔ هٰذَا لِيْ وَهٰذَا لَكِ۔ یہ میرا ہے اور وہ تیرا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَنَا مِنَ الْمُتَمَسِّكِيْنَ بِوَلَاءِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ۔

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا۔ یعنی انہوں نے کانوں سے سُنا اور عمل کے اعتبار سے اس کی نافرمانی پر کمربستہ رہے یا یہ کہ منہ سے کہہ دیا کہ ہم نے سُنا ہے اور دلوں میں ٹھان لی کہ اس کی نافرمانی کریں گے۔

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ۔ یہودیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ جنّت میں صرف ہم ہی جائیں گے اور جنّت کا گھر ہمارے ہی لئے ہے تو خداوندکریم نے ان کے قول کی تردید فرمائی کہ اگر اس دعوے میں تم سچے ہو تو پھر بلا تامّل موت کی خواہش کرو تاکہ دنیاوی مصائب سے نجات حاصل کرکے اخروی انعامات ولذّات حاصل کرو۔

حضرت امیر المومنینؑ جنگ صفین میں ایک باریک قمیص میں مصروفِ جہاد تھے تو ان کے شہزادے امام حسن علیہ السّلام

يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۹۵ وَلَتَجِدَنَّهُمْ

نہ خواہش کریں گے اس کی بوجہ ان اعمال فاسدہ کے جو پہلے کر چکے ہیں اور اللہ جاننے والا ہے ظالموں کو اور البتہ پائے گا تو

اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ

ان کو زیادہ حریص لوگوں سے زندگی پر اور بعض مشرکین بھی (حتیٰ کہ) چاہتا ہے ان کا ہر ایک کہ عمر دیا جائے

اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ

ہزار سال حالانکہ نہیں چھڑانے والا عذاب سے عمر کا دیا جانا اور خدا

نے عرض کی مولا! آپ ان باریک کپڑوں میں بغیر زرہ وغیرہ کے جہاد کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا بیٹا! اِنَّ اَبَاكَ لَا يُبَالِيْ وَقَعَ عَلَى الْمَوْتِ اَوْ وَقَعَ الْمَوْتُ عَلَيْهِ - یعنی تیرے باپ کو پرواہ نہیں کہ موت پر جا داخل ہو یا موت اس پر آ جائے اور ایک حدیث میں ہے جناب رسالتمآبؐ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص تکلیف سے گھبرا کر موت کی خواہش نہ کرے بلکہ دعا مانگنی چاہیے کہ میرے اللہ! اگر زندگی میں میری بہتری ہے تو مجھے زندہ رکھ اور اگر موت میرے لئے بھلی ہے تو مجھے موت دے اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ مصائب کے وقت بے صبری اور بے شکری سے کام نہ لے بلکہ ہر حال میں اللہ کی خوشنودی و رضامندی کو پیش پیش رکھے اور اس کی قضا پر راضی رہے - آیت مجیدہ میں یہودیوں کو خطاب ہے کہ اگر جنتی ہونے کے دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی خواہش کرو لیکن اس کے بعد وہ خود فرماتا ہے کہ یہودیوں کو دل ہی دل میں چونکہ اپنے جھوٹے ہونے کا یقین ہے اور وہ آخرت میں اپنا نصیب جہنم سمجھتے ہیں لہذا یہ اور مشرکین چاہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی عمر ہزار ہزار سال ہو تاکہ دنیا کی عیش جی بھر کر حاصل کریں لیکن زندگی دنیاوی کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو موت آنے کے بعد ان کا داخلہ یقیناً جہنم میں ہوگا اور یہ لمبی زندگی ان کو عذاب جہنم سے ہرگز نہ چھڑائے گی - تفسیر برہان میں اہل بیت سے مروی ہے کہ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کا معنی یہ ہے کہ اے گروہ یہود اگر تم اپنے آپ کو جنتی اور ناجی سمجھتے ہو اور مقرب بارگاہ خداوندی صرف تم ہی ہو تو خدا کی بارگاہ میں جھوٹوں کے ہلاک ہونے کی دعا مانگو اور کہو کہ خدا جھوٹے پر موت نازل کرے لیکن وہ ہرگز جھوٹے کے لئے موت کی تمنا نہ کریں گے کیونکہ وہ اپنے کرتوتوں سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ جھوٹے اور ظالم ہم ہیں اور تفسیر مذکور میں امام حسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب یہودیوں پر اتمام حجت ہوئی تو ایک گروہ یہود حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ان کے ایک رئیس کا حسین و جمیل نوجوان فرزند کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہو کر لاعلاج ہو چکا تھا آکر عرض گذار ہوئے اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو اپنے بھائی علی کو حکم دیجئے کہ وہ ہمارے اس

بَصِيرٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ

آگاہ ہے ان کے اعمال سے کہہ دیجئے جو ہو دشمن جبریل کا تو ہوا کرے کیوں کہ اس نے تو اتارا ہے اس کو تیرے دل پر

مریض کے لئے تندرستی کی دعا مانگے۔ حضرت رسولِ خدا حضرت علی کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ نوجوان کی حالت بہت خراب تھی آپ نے علیؑ سے فرمایا کہ اس کے لئے دعا مانگو۔ حضرت علیؑ نے دعا کی تو وہ نوجوان فوراً تندرست اور اپنی اصلی حالت میں پلٹ آیا۔ جناب رسولِ خدا نے اُس کو اسلام کی دعوت دی اور وہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔ اس نوجوان کا باپ کہنے لگا کہ میرے بیٹے کے اسلام سے مجھے اس کی وہی بیماری محبوب تر تھی اور کہنے لگا اے محمد! یہ تیری یا تیرے بھائی کی کوئی فضیلت نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے اس کی مصیبت کٹ چکی تھی لہذا وہ تندرست ہو گیا ہے اگر تمہارا کوئی کمال ہے تو میرے لئے حضرت علیؑ بد دعا کرے کہ میں اس بیماری میں مبتلا ہو جاؤں پس میں مان جاؤں گا کہ واقعی تمہاری دعا مقبول ہے۔ جناب رسولِ خدا نے اس کو ہر چند سمجھایا کہ تندرستی اللہ کی نعمت ہے۔ اس کی بے قدری نہ کرو بلکہ اس کا شکر کرو۔ اُس نے پھر اپنے اُسی قول کو دہرایا تو حضرت نے فرمایا کہ اگر تو میرے بھائی علی کی بد دعا سے بیماری میں مبتلا ہو گیا تو کہے گا کہ اتفاق سے میری مصیبت لکھی تھی لہذا یہ بد دعا کا اثر نہیں ہے جیسا کہ تو نے اپنے فرزند کی تندرستی پر یہی کہا۔ یہودی نے کہا کہ ہرگز یہ نہ کہوں گا بلکہ آپ کی صداقت مان جاؤں گا۔ حضرت رسولِ خدا نے علیؑ کو فرمایا یا علیؑ! یہ کافر اپنی سرکشی اور تمرّد سے باز نہیں آتا لہذا اس کو اپنی بد دعا کا مزہ چکھا پس حضرت علیؑ نے بد دعا کی اور یہودی اسی بیماری میں مبتلا ہو گیا جس میں اس کا نوجوان فرزند پہلے مبتلا تھا۔ اس کے بعد وہ حضور سے معافی مانگنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے حق میں دعا کی جائے اور خدا تجھے معاف کر دے تو پہلے سے بھی زیادہ سرکش ہو جائے گا اور خدا تیرے دل کے حالات جانتا ہے اگر تو اپنے فاسد خیالات سے صحیح معنوں میں تائب ہو جائے گا تو خدا تجھے ضرور معاف کر دے گا وہ جواد کریم ہے۔ (ملخص ترجمہ)

قُلْ مَنْ كَانَ۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر برہان میں تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب جناب رسولِ خدا مدینہ میں وارد ہوئے تو (فدک کے) یہودی عبداللہ بن صوریا کو لائے۔ پس ابن صوریا نے پوچھا یا محمدؐ! تیری نیند کیسی ہے؟ کیونکہ ہمیں آخری نبی کی نیند کے متعلق خبر دی گئی ہے تو آپ نے فرمایا میری آنکھ سوتی ہے اور دل بیدار رہتا ہے اس نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر سوال کیا کہ بچہ ماں سے ہوتا ہے یا باپ سے؟ آپ نے فرمایا۔ ہڈیاں۔ رگیں اور پٹھے باپ سے اور گوشت خون اور بال ماں سے ہوتے ہیں۔ اُس نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر پوچھا بچہ بعض اوقات پدری رشتہ داروں کے مشابہ ہوتا ہے اور بعض اوقات مادری رشتہ داروں سے ملتا جلتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا مرد و عورت میں سے جس کی منی غالب آجائے بچہ اسی کی مشابہت حاصل کرتا ہے۔ اُس نے کہا ٹھیک ہے پھر پوچھا کہ بعض لوگوں کے بچے نہیں ہوتے اور بعض کی اولاد ہوتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا اگر منی خراب ہو تو بچہ نہیں ہوتا اور اگر منی صاف ہو تو بچہ ہوتا ہے اُس نے کہا یہ بھی درست ہے اس نے

بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ

اللہ کے حکم سے درحالیکہ تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو اس سے پہلے ہے اور ہدایت اور خوشخبری ہے مومنین کے لئے جو دشمن ہو

عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرائیل و میکائیل کا تو اللہ بھی دشمن ہے کافروں کا

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا

اور تحقیق اتارا ہم نے تیرے اوپر روشن آیات کو اور نہیں ان کا انکار کرتے مگر فاسق لوگ کیا جب بھی

عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا

وہ عہد کریں کوئی تو توڑ دیتی ہے اس کو ایک جماعت ان کی بلکہ ان کی اکثریت ایمان نہیں لاتی اور جب آئے

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ

ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے جو تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ان لوگوں کے ایک گروہ نے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

جن کو دی گئی کتاب اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا انہیں پتہ نہیں

پھر پوچھا کہ اپنے رب کی تعریف کرو۔ آپ نے سورہ قل ہو اللہ احد سنائی۔ ابن صوریا نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر پوچھا آپ کے پاس کون فرشتہ وحی لاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جبریل تو ابن صوریا کہنے لگا وہ تو ہمارا دشمن ہے کیونکہ جنگ اور سختیوں کی خبریں لاتا ہے اور میکائیل سرور اور خوشی کی خبر لاتا ہے۔ وہ ہمارا دوست ہے اگر تیرے پاس بجائے جبریل کے میکائیل آتا تو ہم ضرور ایمان لاتے حضرت سلمان سن رہے تھے فرمانے لگے جو جبرئیل کا دشمن ہو وہ تو میکائیل کا بھی دشمن ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن کو دشمن سمجھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے دوست کو دوست سمجھتے ہیں پس یہ آیت اتری اور جناب رسالتمآبؐ نے سلمان سے فرمایا اے سلمان! خدا نے تیری بات کو سچا کیا ہے اور تیرے دل کے موافق آیت نازل فرمائی ہے۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ گذشتہ انبیاء نے بنی اسرائیل سے نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا جس کو انہوں نے توڑ لیا اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ وہ عہد ہے جو جناب رسالتمآبؐ نے مدینہ میں نزول اجلال فرماتے ہی یہود بنی قریظہ و بنی نضیر سے لیا تھا جس کو انہوں نے توڑ دیا۔ خداوند کریم اس مقام پر ان کی عہد شکنی کا ذکر کرکے ان کی مذمت

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ

اور اتباع کی انہوں نے اس کی جس کو پڑھتے تھے شیاطین سلیمان کی شاہی میں حالانکہ نہ کفر کیا سلیمان نے اور لیکن شیاطین نے کفر کیا

كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ

کو سکھاتے تھے لوگوں کو جادو اور وہ جو نازل کیا گیا تھا اُوپر دو فرشتوں کے بابل میں (جن کا نام) ہاروت و

مَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ

ماروت تھا اور انہیں سکھاتے تھے کسی کو یہاں تک کہ کہتے تھے سوائے اس کے نہیں ہم تو امتحان ہیں پس کفر نہ کرنا

فرما رہا ہے پھر فرمایا کہ اکثر ان میں سے ایمان نہیں لاتے البتہ تھوڑے تو ایمان لانے والے بھی تھے جیسے عبداللہ بن سلام اور کعب الاحبار وغیرہ۔

اور روایات اہل بیت علیہم السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کا ظاہر اور تنزیل گو یہود سے متعلق ہے لیکن اس کا باطن اور تاویل اطاعت اہل بیتؑ کا عہد ہے جس کو جناب رسالت مآبؐ نے اپنی اُمّت کے سامنے بار بار دہرایا۔ اور اگر بالفرض روایات میں نہ بھی ہوتا تاہم عقلِ سلیم اس امر کی گواہی دیتی ہے کہ گذشتہ انبیاء سے ان کی اُمتوں کی عہد شکنی اگر انسان کو دائرۂ ایمان سے خارج کر سکتی ہے تو سیّد الانبیاء کے عہد غدیر کو اُمّت کا توڑ دینا کیوں نہ عہد توڑنے والوں کو ایمان سے خارج کرے گا؟ اور نیز قرآن و اہل بیت سے تمسک کا فرمانِ نبویؐ جو تواتر سے منقول ہے اس کو نظر انداز کرنے والے کس طرح دعوائے ایمان و اسلام کرنے کے حقدار ہیں؟ پس جس طرح جبرئیل و میکائیل میں فرق کرنا یہودیوں کے لئے باعثِ مذمت ہے اسی طرح قرآن و اہل بیتؑ میں سے ایک کو سینے سے لگانا اور دوسرے کو پیٹھ کے پیچھے ڈالنا بھی منافیٔ اسلام ہے اور جس طرح جبرئیل کی دشمنی کے ساتھ میکائیل کے ساتھ دوستی فائدہ مند نہیں اسی طرح اہل بیتِ رسولؐ کے ساتھ دشمنی ہوتے ہوئے قرآن کی دوستی کا دعویٰ فضول و ناقابلِ قبول ہے۔ قرآن و اہل بیت سے تمسک کی احادیث تفسیر کی جلد اوّل یعنی مقدمہ میں کافی ذکر کی جا چکی ہیں۔

تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ۔ تَتْلُوْا کے دو معنی لئے گئے ہیں (۱) پڑھنا (۲) جھوٹ اور افتراء۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا۔ اُنہوں نے اتباع کی اس کی جس کو پڑھتے تھے شیاطین ملک سلیمان میں۔ اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا۔ انہوں نے اتباع کی اس چیز کی جس کا جھوٹا افترا اور بہتان باندھتے تھے شیاطین ملک سلیمان کے متعلق حالانکہ انہوں نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے۔

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ

پس سیکھتے تھے ان دونوں سے وہ چیز جس کے ذریعہ سے جدائی ڈالتے تھے درمیان مرد و عورت کے حالانکہ وہ نہیں نقصان دے سکتے کسی ایک کو بھی

مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ

سوائے اذن خدا کے اور سیکھتے تھے وہ چیز جو ان کو نقصان دیتی تھی اور نفع نہ پہنچاتی تھی اور تحقیق جان لیا انہوں نے

اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

کہ جو شخص یہ چیز اختیار کرے اس کا قیامت میں کوئی نہیں حصہ اور بُری چیز ہے جس کے بدلہ میں انہوں نے بیچ دیا ہے اپنے آپ کو

وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○

کاش وہ جانتے ہوتے اور اگر وہ ایمان لاتے اور خوفِ خدا کرتے تو اس کی جزا اللہ کے نزدیک بہتر تھی کاش وہ جانتے ہوتے۔

**مجمع البیان** - وَمَا کَفَرَ - خداوند کریم نے حضرت سلیمان سے جادو کے کفر کی نفی فرمائی۔ اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوا کہ جادو کرنا کفر ہے اور اس کی تعلیم کفر کی تعلیم ہے لہذا اس کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے۔

یہودیوں نے چونکہ جادو کو حضرت سلیمان کی طرف منسوب کیا تھا اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنے عہد سلطنت میں جادو کی تمام کتابیں ضبط کر لی تھیں اور ان کو خزانہ میں یا اپنے تخت کے نیچے چھپا دیا تھا۔ تاکہ لوگ یہ علم نہ سیکھیں اور نہ سکھائیں"۔

پس جب حضرت سلیمان کی وفات ہوئی تو جادوگروں نے وہ کتابیں کسی طریقہ سے وہاں سے برآمد کر لیں اور لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ حضرت سلیمان کا ملک جادو کے زور پر تھا۔ اور انہوں نے جنوں انسانوں اور پرندوں کو اسی کے ذریعہ سے مسخر کیا ہوا تھا۔ لوگوں میں اس چیز کا بہت زیادہ پروپیگنڈا کیا اور یہودیوں میں یہ بات پھیل گئی اور انہوں نے اس پروپیگنڈا کو اور زیادہ ہوا دی۔

بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی رحلت کے بعد ابلیس نے جادو ایجاد کیا اور اس کو ایک دفتر میں لکھ کر بند کیا۔ اور کتاب کے سرورق پر اس کی نسبت حضرت آصف بن برخیا کی طرف دے دی۔ اور اس کو تختِ سلیمان کے نیچے دفن کر دیا اور پھر لوگوں کو اس پر مطلع بھی کر دیا تو کافروں نے فوراً کہہ دیا کہ حضرت سلیمانؑ کی حکومت اسی کے زور سے تھی اور ایمان دار کہتے تھے کہ یہ نہیں بلکہ وہ اللہ کا عبد اور اس کا نبی تھا۔ پس اس مقام پر خداوند کریم نے لوگوں کے ان فاسد خیالات کی تردید فرمائی اور قرآن میں اعلان فرمایا کہ حضرت سلیمان اس کفر سے بالکل بری تھے بلکہ کفر شیطانوں نے کیا جو

لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے۔

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ ۔ اس کا ایک معنی تو یہ کیا گیا ہے کہ ما موصولہ اور اس کا عطف سحر پر ہے یعنی وہ شیاطین لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے جو دو فرشتوں پر بابل میں نازل کی گئی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ یہ دونوں فرشتے لوگوں کو جادو کی حقیقت بتاتے تھے اور اس کی برائی سے مطلع کرتے تھے یعنی شیاطین جادو کرنا سکھاتے اور فرشتے جادو کی حقیقت بتا کر اس سے بچنا سکھاتے تھے شیاطین سے مُراد جن بھی ہو سکتے ہیں اور انسان بھی ہو سکتے ہیں یعنی جو بھی یہ کام کرتے تھے ان کو شیاطین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور وہ دونوں فرشتے یعنی ہاروت و ماروت جب بھی کسی کو جادو کی حقیقت سے مطلع کرتے تھے تو ساتھ ساتھ اُن کو یہ بات سمجھا دیتے تھے کہ ہمارا یہ سکھانا تمہارے لئے امتحان ہے پس اس کو استعمال کر کے کافر نہ بننا۔

اور دوسرا معنی اس کا اس طرح ہے کہ ما کو نافیہ قرار دیا جائے اور اس کا عطف مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ پر ہے یعنی نہ کفر کیا سلیمانؑ نے بلکہ ان شیطانوں نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور نہ جادو نازل کیا گیا دو فرشتوں پر یعنی جبریل و میکائیل پر کیونکہ یہودی جادو کی نسبت حضرت سلیمان کی طرف جب دیتے تھے تو کہتے تھے کہ سلیمان کو جبریل و میکائیل کے ذریعہ سے جادو سکھایا گیا تھا تو خداوند کریم نے سلیمان سے بھی اس کفر کی نفی کر دی اور جبریل و میکائیل سے بھی جادو کی تعلیم کی تردید فرما دی۔ پس اس وقت بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ کا تعلق وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا سے ہوگا یعنی شیطانوں نے کفر کیا بابل میں جو کہ ہاروت و ماروت تھے حضرت سلیمان اور جبریل و میکائیل اس سے بری ہیں۔ اور نحوی ترکیب کے لحاظ سے اس صورت میں ہاروت و ماروت بدل ہوں گے شیاطین سے اور تثنیہ پر جمع کا اطلاق قرآن مجید میں عام ہے مثلاً كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِيْنَ ۔ ہم ان دونوں کے حکم پر گواہ تھے یعنی حضرت داؤد اور حضرت سلیمان ہم کی ضمیر جمع ہے اور مرجع اس کا دو ہیں اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا (ترجمہ) اگر دو گروہ مومنوں کے لڑیں فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا پس ان دونوں میں صلح کراؤ۔ پہلے طَآئِفَتٰنِ بھی اور آخر بَيْنَهُمَا دونوں تثنیہ کے صیغے ہیں اور درمیان میں اِقْتَتَلُوْا جمع ہے بہرکیف اس صورت میں ہاروت اور ماروت دو انسانوں کے نام ہیں جنہوں نے جادو کی تعلیم پھیلائی اور اس وجہ سے ان کو کافر کہا گیا اور اس کے بعد یہ کہنا کہ ہم فتنہ ہیں کفر نہ کرنا حالانکہ سکھاتے تو کفر کرنے کے لئے ہی تھے یہ محض مسخری اور مخول کے طور پر کہتے تھے نہ کہ نصیحت کے طور پر۔

بابل ایک شہر کا نام ہے جہاں جادو کا چرچا اور زور شور تھا اس کے محل وقوع میں اختلاف ہے بعض عراق والے بابل کو کہتے ہیں اور بعض کچھ اور کہتے ہیں۔

پہلے معنی کے اعتبار سے یعنی اگر ہاروت و ماروت کو دو فرشتے قرار دیا جائے تو ان کے زمین پر اتارنے اور بشکل بشریت لوگوں کو تعلیم دلوانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں جادو کا چرچا عام تھا تو خداوند کریم نے ان دو فرشتوں کو بھیجا

تاکہ لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کریں اور جادو اور معجزہ میں فرق بتائیں پس یہ لوگوں کو جادو کی کیفیت سکھا کر اس سے بچنے کی ترغیب دلاتے تھے تاکہ اس کے نقصان سے اطلاع پا کر اس سے دوری کی کوشش کریں اور بعضوں نے کہا ہے کہ فرشتے چونکہ بنی آدم کی نافرمانیوں پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے اور ہاروت و ماروت اس معاملہ میں بہت تیز تھے پس خداوند کریم نے ان کو انسانی جذبات عطا کر کے زمین پر بھیجا اور اس کے بعد ایک لمبی حکایت بیان کرتے ہیں کہ آخر ان دونوں نے خدا کی نافرمانی کی اور عذاب میں گرفتار کئے گئے اور قیامت تک وہ مبتلائے عذاب رہیں گے لیکن یہ روایت اصولِ امامیہ کے اعتبار سے ضعیف ہے کیونکہ فرشتے معصوم ہیں اور ان سے گناہ کا ارتکاب قرآنی تصریحات کے خلاف ہے ہم نے اس طویل روایت کو ذکر کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا کیونکہ طول بلاطائل کے سوا اور کچھ نہیں۔

پس معنی یہی ہوا کہ شیاطین لوگوں کو جادو کرنا سکھاتے تھے اور دونوں فرشتے اس کی کیفیت سے مطلع کر کے ان کو اس سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے اور یہ اس طرح ہے کہ مثلاً ایک شخص کو کہا جائے کہ چوری نہ کرنا ۔ زنا نہ کرنا ۔ اور وہ پوچھے کہ چوری کیا ہوتی ہے؟ تو اس کو چوری کی کیفیت سمجھا دی جائے ۔ وہ پوچھے زنا کیا ہوتا ہے؟ تو اس کو زنا کی کیفیت بتادی جائے اور اس طرح کسی گناہ کا مطلب اور اس کی حقیقت سمجھانا اور پھر اس سے منع کرنا کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ جب تک ایک چیز کا معنی معلوم نہ ہو اس سے منع کرنے کا فائدہ ہی نہیں ہے لہذا اس اعتبار سے جادو کا معنی اور حقیقت اگر کوئی سیکھے یا سکھائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں جب کہ مطلب اس سیکھنے اور سکھانے سے جادو کی تردید ہو ورنہ اگر عمل کرنے کے لئے سیکھے یا سکھائے تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کو جائز جاننا کفر ہے۔

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا ۔ اس کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں اگر ہاروت و ماروت دونوں فرشتے قرار دئے جائیں جو جادو سے بچاؤ سکھاتے تھے تو معنی یہ ہوگا کہ پس یہ لوگ جن کے دلوں میں کفر تھا سیکھتے تھے یا حاصل کرتے تھے اور عمل کرتے تھے بدلے اس چیز کے جو فرشتوں نے ان کو بطورِ نصیحت کے کہی تھی ایسا جو اُن کے لئے باعثِ نقصان تھا اور جس کی وجہ سے وہ عورت اور مرد میں تفرقہ ڈال دیتے تھے یعنی ان لوگوں نے فرشتوں کی بات پر عمل نہ کیا اور جادو سے بچنا نہ سیکھا بلکہ جادو میں مبتلا ہونا سیکھا جس طرح ایک شخص دوسرے شخص کو زنا اور چوری کا معنی سمجھا کر اس کو بچنے کی نصیحت کرے لیکن وہ بجائے بچنے کے یہ معنی سمجھ کر چور اور زانی ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں نے فلاں سے چوری اور زنا سیکھا ۔ اور اگر ہاروت و ماروت سے دو شیطان مراد لئے جائیں تو معنی یہی ہوگا کہ حضرت سلیمان نے کفر نہ کیا ۔ اور نہ فرشتوں پر یہ جادو کی تعلیم اُتاری گئی بلکہ ان شیطانوں نے کفر کیا جو بابل میں ہاروت و ماروت کے نام سے موسوم تھے اور وہی لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور لوگ یہی باتیں سیکھتے تھے جس سے مرد و عورت میں تفرقہ ڈال دیتے تھے ۔ اور ضرر و نقصان کی باتیں سیکھتے تھے حالانکہ وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ

اے ایمان والو تم (نبی کو خطاب کرتے ہوئے) راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہا کرو اور نبی کی بات سنو اور کافروں کے لئے عذاب

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ

دردناک ہے نہیں چاہتے وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب سے اور نہ مشرک کہ

بغیر اذن اللہ کے اور انہیں معلوم تھا کہ جو شخص جادو کے عمل کو اختیار کرے اور شریعت کے احکام کو پس پشت ڈال دے اُس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ یعنی اس کا انجام جہنم ہوگا جس سے چھٹکارا نہیں ہوگا۔ آخر میں فرمایا کاش وہ جانتے اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اپنے علم کے مطابق وہ عمل نہ کرتے تھے اس لئے ان کو جاہل کہا گیا یعنی اگر وہ اپنے اس عمل کا انجام بد جانتے ہوتے تو ایسا کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

علمائے شیعہ نے تسخیر جنات یا تسخیر ملائکہ، تسخیر ہمزاد، عمل مسمریزم، عمل کہانت، تسخیر ارواح اور شعبدہ بازی اور ایسے منتر جن کا معنی و مفہوم سمجھ میں نہ آئے ان سب کو جادو کے اقسام سے تعبیر کیا ہے اور ان کا ارتکاب گناہ کبیرہ قرار دیا ہے اور جو ان کو جائز قرار دے کر ایسا کرے اس پر کفر کا فتویٰ عائد کیا ہے اور اس کا واجب القتل ہونا فرمایا ہے۔ چنانچہ ہم نے جلد اوّل میں اس کے متعلق اقوال علماء کا ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وافی میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے اِنَّ السِّحْرَ وَالشِّرْكَ مَقْرُونَانِ۔ یعنی تحقیق جادو اور شرک دونوں ایک جیسے ہیں گویا جادو مثل شرک کے ہے تو جس طرح مشرک واجب القتل ہے اسی طرح یہ بھی واجب القتل ہے چنانچہ اسی حدیث میں اس سے پہلے آپ سے مروی ہے کہ فرمایا سَاحِرُ الْمُسْلِمِينَ يُقْتَلُ۔ یعنی مسلمانوں میں سے جو جادوگر ہو اس کی سزا قتل ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ امام حسن عسکری علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے فرمایا (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ چونکہ مومنوں کو خدا نے حکم دیا کہ اپنی بات نبی کی بات سے اونچی نہ کیا کرو۔ اور نبی کو عام خطاب سے نہ بلایا کرو جس طرح ایک دوسرے کے لئے عام خطابات استعمال کرتے ہو۔ جب آپ مدینہ میں وارد ہوئے تو مہاجر و انصار کثرت سے آپ کی خدمت میں مسائل دینیہ دریافت کرتے تھے اور اپنی طرف سے نہایت مودبانہ الفاظ سے حضورؐ کو خطاب کیا کرتے تھے اور آنحضورؐ بھی اپنی رأفت و رحمت سے ان کی بڑی رعایت فرماتے تھے کہ کہیں یہ لوگ گناہ میں مبتلا نہ ہوجائیں حتیٰ کہ ایک اعرابی نے آپ کو بلند آواز سے بلایا تو آپ نے اس کو اس کے لہجہ سے بلند آواز میں جواب دیا تاکہ اس کی آواز رسولؐ کی آواز سے بلند نہ رہے اور وہ گنہگار نہ ہو۔ پس اعرابی نے پوچھا توبہ کی حد کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اے اعرابی توبہ کا دروازہ کھلا ہے جبتک کہ

اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ

تمہارے اوپر کوئی اچھائی تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ مخصوص کر دیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے وہ چاہے اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۱۰۵ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا

بڑے فضل والا ہے ہم منسوخ کریں کسی آیت کو یا اس کو ترک کرا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۱۰۶ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

کیا تم نہیں جانتے تحقیق اللہ ہر چیز پر قادر ہے کیا تم نہیں جانتے تحقیق اللہ کے لئے ہی ہے ملک

وَالْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۱۰۷

آسمانوں اور زمینوں کا اور تمہارا کوئی نہیں ہے اللہ کے بغیر ولی و مددگار

سورج مغرب کی طرف سے طلوع نہ کرے۔ امام فرماتے ہیں کہ اسی بنا پر مسلمان حضورؐ کو خطاب کرتے ہوئے راعنا کی لفظ استعمال کیا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہماری طرف توجہ فرمائیے۔ ہماری عرض سنئیے پس یہودیوں نے بھی حضورؐ کو اسی کلمہ سے خطاب کرنا شروع کر دیا کیونکہ ان کی زبان میں اس کا معنی یہ تھا سن تجھے سننا نصیب نہ ہو اور انہوں نے آپس میں خوش ہو کر کہا کہ پہلے خفیہ طور پر نبی کو سب و شتم کرتے تھے اب اس لفظ کے ذریعے ہمیں ظاہر بظاہر حضورؐ کی توہین کا موقع ملا ہے تو سعد بن معاذ کو ان کی شیطنت کا علم ہو گیا اور فرمایا اگر میں نے آج کے بعد کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا تو اسے قتل کر دوں گا اسی بنا پر یہ آیت اتری کہ مسلمانو تم رسول کو خطاب کرتے ہوئے راعنا کی لفظ چھوڑ دو بلکہ انظرنا کہا کرو تاکہ یہودیوں کو یہ بہانہ بھی نہ مل سکے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ۔ نسخ کی تین صورتیں ہوتی ہیں (۱) قرأت اور حکم دونوں منسوخ ہو جائیں (۲) قرأت منسوخ نہ ہو اور حکم منسوخ ہو جائے۔ (۳) قرأت منسوخ ہو جائے اور حکم باقی ہو جس طرح آیت رجم کہ اس کی قرأت منسوخ ہو گئی اور رجم کا حکم باقی ہے اور کہتے ہیں کہ بہت سی آیات ایسی ہیں جن کی تلاوت و قرأت منسوخ ہے اور حکم باقی ہے مثلاً ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ یہ آیت پڑھی جاتی تھی لَوْ اَنَّ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیَیْنِ مِنْ مَالٍ لَا بْتَغٰی اِلَیْهِمَا ثَالِثًا وَّلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ تَابَ۔ یعنی اگر اولادِ آدم کو مال کی دو وادیاں مل جائیں تو وہ تیسری کی خواہش بھی کرے گا اور اولادِ آدمؑ کا پیٹ صرف مٹی ہی بھرے گی (قبر) اور توبہ کرنے والے کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے۔

اَوْ نُنْسِهَا۔ اس کا معنی بعض لوگ نسیان کرتے ہیں اور خطاب رسولِ پاکؐ کی طرف قرار دیتے ہیں اور رسولِ پاکؐ کے لئے نسیان کو جائز سمجھتے ہیں لیکن ہمارے علمائے محققین نبی علیہ السّلام پر نسیان کو جائز قرار نہیں دیتے لہٰذا اس کا معنی "ترک کرتے

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ

کیا تم چاہتے ہو کہ سوال کرو اپنے رسول سے جس طرح سوال کیا گیا تھا موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو اختیار کرلے کفر

بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٠٨﴾ وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ

کو بدلے ایمان کے پس تحقیق وہ گمراہ ہے سیدھے راستے سے چاہا بہت سوں نے اہل کتاب میں سے کہ تمہیں پھر کافر کر ڈالیں

ہیں تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جس آیت کو ہم منسوخ کردیں یا تجھے اس کے ترک کا حکم دیں تو مصلحتِ وقت کے مطابق اس جیسی یا اس سے بہتر دوسری آیت بھیج دیتے ہیں۔

ممکن ہے کہ بعض احکام کے منسوخ ہونے پر کفارِ مکہ یا یہودنے اعتراض کیا ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ تحویل قبلہ کے وقت یہودیوں نے زبان درازی کی تھی پس اس آیت میں خداوندِ کریم نے ان کی تردید فرمائی۔

اَمْ تُرِیْدُوْنَ ۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق اختلاف ہے ۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ رافع بن حرملہ اور وہب بن زید نے حضرت رسولِ خدا سے سوال کیا تھا کہ ہم تب ایمان لائیں گے کہ ہمارے سامنے آسمان سے ایک کتاب اُترے اور اس کو ہم پڑھیں اور نیز ہمارے سامنے آپ پانی کی نہریں جاری کرکے دکھائیں تب ہم مانیں گے اور تیری اطاعت بھی کریں گے ۔ بعض کہتے ہیں کہ عربوں نے ملائکہ کے نزول اور خدا کی رویت کا سوال کیا تھا ۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش نے کوہِ صفا کے سونا ہوجانے کا سوال کیا تھا وغیرہ تو خداوندِ کریم نے ان کے سوالات کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم بھی رسولِ پاک سے وہ سوالات کرنے لگے ہو جو حضرت موسیٰ سے ان کی قوم نے کئے تھے ۔ جب رسول کی تصدیق کے لئے دلائل و براہین موجود ہیں جو شخص ان کو نہیں مانتا وہ ان چیزوں پہ کیا ایمان لائے گا بلکہ جادو وغیرہ سے تعبیر کردے گا منصف مزاج کے لئے واضح دلائل موجود ہیں وہ ان میں غور کرے اور حق و باطل میں امتیاز کرے اور جو شخص خواہ مخواہ عناد سے کام لے کر ایمان لانے کی بجائے انکار ہی پر ڈٹ جائے تو وہ راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے اس کا علاج ہی کوئی نہیں ۔ مجمع البیان

وَدَّ کَثِیْرٌ ۔ شانِ نزول اس کا یہ ہے کہ حی ابن اخطب اور اس کا بھائی ابو یاسر جناب رسالت مآبؐ کے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے ۔ جب یہ واپس گئے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ آیا وہ نبی ہیں؟ تو حی ابن اخطب نے جواب دیا کہ ہاں بے شک پھر اس سے پوچھا گیا کہ ان کے متعلق تیرا نظریہ کیا ہے تو جواب دیا کہ مرتے دم تک دشمنی ہی رکھوں گا اور یہی وہ شخص ہے جس نے عہد شکنی کی اور جنگ خندق کا سبب بنا ۔ ابن عباس سے اسی طرح منقول ہے اور بعضے یہ باتیں کعب بن اشرف سے

مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ

بعد تمہارے ایمان کے بوجہ حسد کے جو ان کے دلوں میں ہے بعد واضح ہو جانے حق کے

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾

پس معاف کرو اور درگذر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے تحقیق اللہ ہر چیز پر قادر ہے

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ

اور قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکوٰۃ کو اور جو کچھ بھیجو اپنے نفسوں کے لئے اعمال خیر میں سے پاؤ گے اللہ کے پاس

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا

اسکی جزا تحقیق اللہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے اور کہا (اہل کتاب نے) کہ ہرگز نہ داخل جنت ہوگا مگر جو یہودی ہو یا

اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

نصرانی یہ ان کی (بلا دلیل) آرزوئیں ہیں ان کو کہہ دیجئے کہ تم اپنی دلیل لاؤ اگر سچے ہو

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا ۔ یہودی جس قدر شرارتیں کرتے رہے مسلمانوں کو درگذر کرنے کا حکم رہا پس جب حکم خداوندی ہوا تو بنی قریظہ کے مردوں کو قتل اور بچوں کو قید کیا گیا اور بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۔ تفسیر برہان میں جناب رسالت مآبؐ سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ نماز کی کنجی طہارت ہے ۔ اور وہ بڑی طہارت جس کے بغیر نماز اور دیگر تمام عبادتیں ناقابل قبول ہیں وہ ولایت محمدؐ و آل محمدؐ اور ان کے دوستوں سے دوستی اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا ہے روایت کا مرادی ترجمہ عرض کیا گیا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ ۔ یعنی یہودی لوگ اپنے مقام پر یہ کہتے تھے کہ صرف ہم ہی جنت میں داخل ہوں گے ۔ اور نصرانی کہا کرتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی بھی داخل نہ ہوگا ۔ خداوند کریم نے ان دونو گروہوں کے فاسد خیالات کو یک جا ذکر فرما دیا ہے اور پھر ان کی تردید فرما دی ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سب اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ تمام یہودیوں اور نصرانیوں کے جنتی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھتا ہے اور دوسرے گروہ کو باطل پرست قرار دیتا ہے چنانچہ اس کے بعد والی آیت اس مضمون کو صریح طور پر واضح کر رہی ہے اور اس کے بعد خداوند کریم نے صاف طور پر ان کے دعویٰ کو جھوٹا بنا دیا ہے۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

ہاں جو جھکا دے اپنا منہ اللہ کے لئے اور نیک عمل ہو پس اس کے لئے اس کا اجر ہے اپنے رب کے پاس اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى

غم (بروز قیامت) اور یہودیوں نے کہا نہیں ہیں نصاریٰ اوپر دین حق کے اور کہا نصاریٰ نے کہ نہیں ہیں یہودی

لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ

اوپر دین حق کے حالانکہ تلاوت کتاب بھی کرتے ہیں اسی طرح کہا اُن لوگوں نے جو بالکل بے علم ہیں انہی جیسا

قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ وَمَنْ اَظْلَمُ

قول پس اللہ ان کے درمیان حکم کرے گا بروز قیامت اس کے متعلق جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور کون زیادہ ظالم ہے

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ۔ ان دونوں گروہوں کی تردید کے بعد معیارِ دخولِ جنت بیان فرما دیا کہ جو اللہ کے سامنے سر جھکا دے اور اعمالِ صالحہ کرے پس اُس پر نہ خوفِ محشر ہوگا اور نہ موت کے وقت غم ہوگا کیونکہ مومن کو موت کے وقت ہی جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے جیسا تفسیر اہل بیتؑ میں مرقوم ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ۔ امام حسن عسکری علیہ السّلام سے اس کی تفسیر اس طرح منقول ہے کہ یہودی نصرانیوں کے متعلق کہتے تھے کہ ان کا دین باطل و کفر ہے اور نصرانی یہودیوں کے دین کو باطل و کفر کہتے تھے کتاب خدا کو پڑھتے تھے لیکن دونوں فریق اس میں غور نہیں کرتے تھے ورنہ گمراہی سے بچ جاتے۔ اور جو لوگ بے علم تھے (اہل کتاب کے علاوہ) وہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح ایک دوسرے کو باطل و کفر کہتے تھے۔ ترجمہ ملخص

آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق امام حسن علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہود و نصاریٰ کے گروہ حضرت رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ ہم میں فیصلہ فرمائیں پس یہودیوں نے اپنے تئیں مومن بتایا اور نصاریٰ کے دین کو باطل کیا۔ اور نصاریٰ نے اپنے آپ کو مومن بتایا اور یہودیوں کے دین کو غلط کہا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم ہر دو غلطی پر ہو۔ اور اگر تم کتاب اللہ پر عمل نہ کرو گے تو تم پر بروز محشر باعثِ وبال ہوگی (حدیث طویل ہے)

وَمَنْ اَظْلَمُ۔ علامہ طبرسی نے ذکر فرمایا ہے کہ روایت میں آیا ہے جب جناب رسولِ خدا نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مکہ میں اصحابِ نبیؐ کی بنا کردہ مساجد جن میں نماز پڑھا کرتے تھے مشرکین نے منہدم کر دیں۔ اور حضرت امام حسن علیہ السّلام سے ایک روایت میں ہے کہ حضور جب مدینہ میں تشریف لائے تو مسجد الحرام و بیت اللہ سے جدائی آپ کو بہت گراں معلوم ہوئی۔ اور

مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا

اس شخص سے جو روکے اللہ کی مساجد سے ان میں ذکر کرنے سے اور کوشش کرے ان کی بربادی میں ایسے لوگ ناجائز ہے کہ

كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ

داخل ہوں ان (مساجد) میں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ

بڑا عذاب ہے　اور اللہ کے لئے مشرق و مغرب ہے پس جس طرف منہ کر لو اسی طرف اللہ کی

وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ذات ہے تحقیق اللہ وسیع حکومت والا ہے اور ہر چیز کے جاننے والا ہے

بہت غمزدہ ہوئے۔ پس خداوند کریم کی جانب سے وحی ہوئی کہ آپ غم نہ کریں۔ ہم بچتے فاتحانہ انداز سے اسی شہر کی طرف پلٹا دیں گے تو حضورؐ نے یہ بشارت صحابہ کو سنائی اور رفتہ رفتہ یہ خبر اہل مکہ تک بھی پہنچ گئی۔ پس جناب رسالت مآبؐ کو وحی ہوئی کہ تجھے مکہ پر خدا فتح دے گا اور پھر وہاں تیرا حکم نافذ ہوگا اور پھر مکہ کا داخلہ مشرکین پر ممنوع کیا جائے گا اور وہ مکہ میں خوفزدہ ہو کر داخل ہوں گے کیونکہ انہیں بصورت کفر اسلام کی تلوار کا ڈر ہوگا اور دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہوگی کہ وہ حرم خدا سے نکال دئے جائیں گے اور آخرت کا عذاب عظیم بھی ان کے لئے ہوگا چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو مروی ہے کہ حضورؐ نے حکم دے دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی برہنہ طواف کرنے نہ آئے کیونکہ اس سے پہلے وہ لوگ بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر کیا کرتے تھے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ اس آیت مجیدہ کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ (مجمع البیان)

ا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم ہوا اور بیت المقدس کی بجائے کعبہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا تو یہودیوں نے اعتراضات شروع کئے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ مشرق و مغرب سب اللہ کے لئے ہیں انسان جس طرف منہ کرے اس کی ذات ہر طرف موجود ہے۔

۲۔ آئمہ اہل بیتؑ سے مروی ہے کہ یہ آیت نوافل کے متعلق ہے کیونکہ نوافل سفر کی حالت میں جس طرف انسان جا رہا ہو۔ اُسی طرف منہ کر کے ادا کر سکتا ہے جب کہ سواری پر ہو۔ اور جناب رسالت مآبؐ نے خیبر کو جاتے ہوئے اور مکہ سے واپس مدینہ آتے ہوئے سواری پر نوافل ادا کئے حالانکہ ہر دو سفروں میں جناب رسالت مآبؐ کی پشت قبلہ کی طرف تھی۔

۳۔ جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا نے کسی طرف لشکر بھیجا اور میں بھی اس میں موجود تھا۔ ایک جگہ ہم پر ایسی تاریکی چھائی کہ

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ

اور انہوں نے کہا کہ رکھتا ہے خدا اولاد اس کی ذات اس سے منزہ اور پاک ہے بلکہ اس کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے

قَانِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ

سب اس کے مطیع ہیں ایجاد کرنے والا ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور جب ایجاد کرے کوئی شے تو سوا اس کے نہیں کہ فرماتا ہے ہو جا پس

فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَا اٰيَةٌ كَذٰلِكَ

وہ شے ہو جاتی ہے اور کہا بے علم لوگوں نے کیوں نہیں ہمارے ساتھ بولتا خدا یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی اسی طرح کہی

قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گذر گئے ان جیسی بات ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ان کے دل تحقیق ہم نے واضح کر دی ہیں نشانیاں اس قوم کے

يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

لئے جو صاحب یقین ہیں تحقیق ہم نے بھیجا ہے آپ کو برحق بشیر و نذیر بنا کر اور آپ سے بازپرس نہ ہوگی دوزخ جانے والوں کی

قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو سکتی تھی پس ایک گروہ نے ایک طرف اپنے اندازے سے قبلہ کا یقین کر کے نماز پڑھ لی اور اس جانب کا نشان لگا دیا اور دوسرے گروہ نے دوسری طرف قبلہ کا اندازہ کر کے نماز ادا کی اور اس جانب کا نشان بھی محفوظ کر لیا جب صبح ہوئی اور سورج نکلا تو وہ سب نشان خلافِ قبلہ تھے پس جب سفر سے واپس پلٹے تو جناب رسُولِ خدا سے یہ مسئلہ دریافت کیا پس یہ آیت اُتری۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق علّامہ طبرسی نے ذکر فرمایا ہے کہ چونکہ نصرانی حضرت عیسٰیؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے لہذا خدا نے ان کے قول کی تردید فرمائی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے لہذا یہ آیت ہر دو فریق کے مقولہ کی تردید کرنے کے لئے اُتری۔

پس فرمایا سبحانہٗ یعنی اللہ اس نسبت سے بلند و بالا اور پاک و منزّہ ہے پھر اس کی چند وجوہ بھی ذکر فرما دیں۔

۱۔ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں خواہ ملائکہ ہوں یا حضرت عیسٰی ہوں یا جملہ انبیاء ہوں یہ سب اس کی ملکیت میں ہیں اور بیٹا باپ کا مملوک نہیں ہوا کرتا لہذا ان کو اس کا بیٹا یا بیٹی کہنا ناجائز ہے۔

۲۔ وہ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمانوں اور زمینوں اور ان میں آباد ہونے والی جملہ مخلوق کا موجد ہے۔ یعنی

اسباب ظاہریہ کے بغیر پیدا کرنے والا ہے اور بیٹا باپ سے بغیر سبب ظاہری کے تولد نہیں پاتا۔

۳۔ بیٹا باپ کی جنس سے ہوا کرتا ہے لہذا وہ باپ کی ایجاد نہیں کہا جا سکتا اور یہ سب مخلوق چونکہ اللہ کی ایجاد ہے لہذا ان کو اس کی اولاد کہنا غلط ہے۔

۴۔ تمام مخلوق امرِ کُن سے پیدا ہوئی ہے اور اولاد کی پیدائش اس طرح نہیں ہوتی۔

کُنْ فَیَکُوْنُ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خداوند کریم لفظ کُن کی ایجاد فرماتا ہے اور بعد میں مخلوق پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا پیدا کرنے میں چونکہ آلات و اسباب کا محتاج نہیں لہذا وہ جب کسی چیز کے خلق کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو فوراً وہ چیز پیدا ہو جایا کرتی ہے جس طرح کہ کہا جائے کُن یعنی ہو جا پس وہ چیز ہو جائے یعنی پیدا کرنے میں اس کو دیر نہیں لگتی۔

**اشتباہ۔** اس مقام پر بعض جہلا یہ کہا کرتے ہیں کہ تمام مخلوق سوائے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ان ہی کی پیدا کردہ ہے اور یہ اللہ کے پیدا کردہ ہیں کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ جب میں پیدا کرتا ہوں تو کُن کہتا ہوں اور شی ہو جاتی ہے۔ اور خدا چونکہ جسم و جسمانیت سے پاک ہے لہذا اس کی زبان نہیں پس اس کے لئے کُن کہنا ناجائز ہے تو گویا ثابت ہوا کہ پہلے ایسی ذواتِ مقدسہ موجود تھیں جنہوں نے کُن کہا اور مخلوق پیدا ہوئی۔

نیز حضرت امیر علیہ السلام کے بعض خطبات سے بھی ان کو دھوکا ہوتا ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے نَحْنُ صَنَائِعُ اللّٰہِ وَالنَّاسُ بَعْدُ صَنَائِعُ لَنَا۔ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی مخلوق ہیں اور پھر باقی لوگ ہماری مخلوق ہیں۔

**جواب۔** یہ عقیدہ کفر و شرک ہے خدا جس طرح حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ کا خالق ہے اسی طرح وہ تمام کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا خالق ہے۔ اوّل تو کُن کہنے میں وہ جسم کا محتاج نہیں جس طرح وہ تمام موجوداتِ جواہر و اعراض کو پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح اس آواز کو بغیر کسی محل کے ایجاد کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور وہ کلام کے پیدا کرنے میں زبان کا محتاج نہیں اور حضرت موسیٰؑ سے کلام کرنے میں وہ درخت کا بھی محتاج نہیں تھا اور زبان کو کلام کرنے کی طاقت بھی اس کی عطا کردہ ہے اور درخت سے آواز کا پیدا ہونا بھی اسی کی قدرتِ شاملہ کا کرشمہ تھا۔ اسی طرح معراج پر جناب رسالتمآبؐ سے کلام کرنے کے لئے نہ زبان تھی نہ کوئی درخت تھا البتہ کلام کا لہجہ حضرت امیرؑ کا سا تھا اور وہ بھی صرف حضور رسالتمآبؐ کی محبت و مانوسیّت کی وجہ سے اور حضرت علیؑ کی شان کو بلند کرنے کی خاطر تھا ورنہ لہجہ کا خالق بھی وہی ہے جو آواز کا خالق تھا۔ پس مقصد یہ ہے کہ اس کو پیدا کرنے میں دیر نہیں لگتی بس ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح کُن کہا جائے اور شئے ہو جائے۔

اور جناب امیر علیہ السلام کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کی مخلوق ہیں ہمارے اُوپر سوائے اُس کی ذات کے کسی کا احسان نہیں لیکن لوگ ہماری وجہ سے پیدا ہوئے ہیں کہ اگر ہم نہ ہوتے تو باقی مخلوق پیدا نہ کی جاتی پس تمام لوگوں کا خالق بھی ہے

وہی لیکن ہماری بدولت جس طرح فرمان ہے۔ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

## بنی اسرائیل کی بدعنوانیوں کی فہرست

یہاں تک پورے دس رکوع بنی اسرائیل کے متعلق گزرے ہیں جن میں اسرائیل کی بدعنوانیاں اور ان پر خداوند کریم کے احسانات اور حسن تجاوز اور بعض انکی سرکشیوں کی سزاؤں کا ذکر ہوا ہے تاکہ دورِ حاضر کے بنی اسرائیل نصیحت حاصل کریں اور تاقیامت مسلمانوں کے لئے بھی درس عبرت ہو۔ خلاصہ کے طور پر بنی اسرائیل کی مذکورہ بدعنوانیوں کی ہم فہرست بیان کرتے ہیں تاکہ اچھی طرح وضاحت ہو سکے۔

۱۔ باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے کے اور اُن کے ادلہ توحید پیش کرنے کے اُنہوں نے اصرار کیا کہ ہم خدا کو دیکھیں گے تب مانیں گے۔

۲۔ منّ و سلویٰ کی بے مشقت پاکیزہ خدا کی عطا کردہ نعمت سے بے شکری کرتے ہوئے منہ پھیر لیا اور محنت و مشقت کر کے زمین کی پیداواروں میں سے غذا حاصل کرنے کی خواہش کی۔

۳۔ بیت المقدس میں دروازہ سے داخل ہوتے ہوئے سجدہ کرنے کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

۴۔ لفظ حطّۃٌ جس کا معنی توبہ کرنا تھا کے بجائے حنطۃٌ کہنا شروع کر دیا۔

۵۔ حضرت موسیٰ کے کوہِ طور پر تشریف لے جانے کے بعد سامری کی اطاعت کرتے ہوئے گوسالہ پرست ہو گئے۔

۶۔ آیاتِ خداوندی کا مطالعہ کرنے کے بعد انکار در انکار کرتے رہے۔

۷۔ انبیاء مثلاً حضرت یحییٰؑ و حضرت زکریاؑ کے قتلِ ناحق کا ارتکاب کیا۔

۸۔ تورات سے تمسک پکڑنے کا عہد کر کے حضرت موسیٰؑ کے لانے کے بعد انکار کر دیا۔

۹۔ کوہ طور کے سر پر آجانے کے بعد اقرارِ اطاعت کیا اور پھر مرتد ہو گئے۔

۱۰۔ سینچر کے روز مچھلی کا شکار ممنوع تھا لیکن باز نہ آئے۔

۱۱۔ ناحق قتل کر کے خود مدعی بن گئے اور حضرت موسیٰؑ کے فیصلے کے بعد گائے کی تعیین میں بھی پس و پیش کرتے رہے۔

۱۲۔ تورات کی آیات کے مضامین بدل ڈالتے تھے اور تحریف کر کے عوام کو دھوکا دیتے تھے۔

۱۳۔ جناب رسالت مآبؐ کی اوصاف جو تورات میں صاف طور پر موجود تھیں۔ طاقتور کمزوروں پر زور ڈالتے تھے کہ مسلمانوں سے ان کو پوشیدہ رکھا جائے تاکہ وہ ہمارے اُوپر میدانِ محشر میں حجت نہ پکڑیں۔

۱۴۔ مسلمانوں کے سامنے نبی کی نبوت کا اعتراف کر کے علیحدگی میں اس کی مخالفت پر آمادہ رہتے تھے۔

۱۵۔ تورات کی آیات میں ردّ و بدل کر کے عوام سے سبب پڑی کرتے تھے۔

۱۶۔ وہ کہتے تھے چند دن ہی ہم دوزخ میں جائیں گے اور وہ گوسالہ پرستی کے ایام ہیں۔

۱۷۔ ان سے عبادت، اطاعت والدین، ہمسایہ پروری، غریب پروری، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کا عہد لیا گیا تھا لیکن انہوں نے عمل نہ کیا۔

۱۸۔ ان سے خونریزی نہ کرنے کا عہد لیا گیا تھا لیکن باز نہ آئے۔

۱۹۔ ان سے عہد لیا گیا تھا کہ ایک دوسرے کو جلاوطن نہ کرنا لیکن انہوں نے اس پر بھی عمل نہ کیا۔

۲۰۔ رسول جو چیز ان کی خواہش کے خلاف بیان کرتے تھے وہ اُس کا صاف انکار کر دیتے تھے۔

۲۱۔ کہتے تھے ہمارے دل حجاب میں ہیں۔

۲۲۔ نبی علیہ السلام کی آمد سے پہلے اوس و خزرج پر جناب رسالت مآبؐ کی آمد کا رُعب جماتے تھے یا اُن کے وسیلہ سے دعا مانگ کر فتح حاصل کرتے تھے لیکن جب آپ تشریف لائے تو دشمن ہو گئے۔

۲۳۔ ان کو جناب رسالت مآبؐ کی نبوّت کا صرف یہی حسد تھا کہ اسمٰعیل کی اولاد میں نبی کیوں ہوا؟

۲۴۔ پہلے حضرت عیسیٰؑ کا انکار تھا اور اب حضرت محمد مصطفیٰؐ کی نبوّت سے سرتابی کی جس کی بدولت غضب در غضب میں مبتلا ہوئے۔

۲۵۔ ان کو کتاب اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی تو کہا جو ہم پر اُتری ہے اس کو مانیں گے۔ اس کے علاوہ کسی کتاب کو ہم ماننے کے لئے تیار نہیں۔

۲۶۔ منہ سے کہتے تھے کہ ہم نے نصیحت سُن لی لیکن دل میں اس کا انکارِ محکم رکھتے تھے۔

۲۷۔ وہ کہتے تھے جنّت کا گھر صرف ہمارے لئے ہی ہے۔

۲۸۔ وہ چونکہ دل میں سمجھتے تھے کہ آخرت میں ہمارے لئے جہنّم ہے لہٰذا لمبی عمروں کی خواہش کرتے تھے۔

۲۹۔ وہ کہتے تھے کہ جبرئیل ہمارا دشمن ہے اگر قرآن میکائیل کا لایا ہوا ہوتا تو ہم ضرور مانتے۔

۳۰۔ بنی قریظہ و بنی نضیر نے جناب رسالت مآبؐ سے ابتداء ہجرت میں عہد کیا تھا جس کو بعد میں توڑ دیا۔

۳۱۔ جادو کر کے لوگوں کو ضرر پہنچاتے تھے۔

۳۲۔ حضرت سلیمانؑ کی طرف جادو کی نسبت دیتے تھے جس کی خدا نے تردید فرمائی۔

۳۳۔ رسول اللہؐ کو راعنا کی لفظ سے ندا دیتے تھے جس سے مراد ان کی اپنی اصطلاح میں گالی دینا تھا۔

۳۴۔ آیات و احکام کے نسخ پر اعتراض کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرتے تھے جس کا اللہ نے جواب دیا۔

لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ

ہرگز نہ راضی ہوں گے آپ سے یہود ی و انصاری مگر اس صورت میں کہ آپ پیروی کریں ان کے دین کی فرما دیجئے تحقیق اللہ کی ہدایت ہی

الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ

ہدایت ہے اور اگر آپ پیروی کریں ان کی خواہشات کی بعد اس کے کہ آپ کو علم ہو چکا ہے تو نہ ہوگا آپ کے لئے اللہ سے بچانے والا

٣٨۔ جناب رسالت مآبؐ سے وہی سوال کرتے تھے جو حضرت موسیٰؑ سے اُن کے اکابر نے کئے تھے۔

٣٩۔ مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے ان کے دلوں میں شبہات ڈالتے تھے۔

٤٠۔ اہل کتاب کا ہر فرقہ اپنے آپ کو جنّت کا ٹھیکیدار سمجھتا تھا اور دوسرے کے دین کو باطل کہتا تھا۔

٤٢۔ تحویل قبلہ کے حکم سے مسلمانوں پر اعتراضات کئے جن کا خداوند کریم نے ازالہ فرمایا۔

٤١۔ خدا کے لئے اولاد کے قائل تھے جس کی اللہ نے تردید فرمائی۔

٤٣۔ کہتے تھے ہم نہ مانیں گے جب تک خدا ہمارے ساتھ خود کلام نہ کرے۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا کسی قدر صراحت سے گذشتہ آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔

بعض یہودیوں سے مختص ہیں اور بعض میں نصرانی بھی شریک ہیں بعض حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے بنی اسرائیل سے متعلق اور ان کے بعد سے لے کر جناب رسالت مآبؐ کے دور تک کے بنی اسرائیل سے متعلّق ہیں لیکن موجودہ دور والے چونکہ اپنے اکابر کے افعال پر بھی راضی تھے اس لئے تمام بدعنوانیوں کی سرزنش ان کو کی گئی۔ اور ان کے علاوہ بھی بنی اسرائیل کی غلطیاں ہیں جو گذشتہ آیات میں ضمناً مندرج ہیں۔ اور آئندہ اپنے اپنے مقام پر وضاحت سے ذکر ہوں گی۔ اور خداوند کریم کی طرف سے بنی اسرائیل پر ان سرکشیوں اور بداعتدالیوں کے باوجود احسانات و انعامات بھی اس قدر ہیں کہ شاید کسی دوسری قوم کو یہ صورت نصیب نہ ہوئی مثلاً قبطیوں کی غلامی سے آزادی۔ ان کے دشمن فرعون اور اس کے ساتھیوں کا غرق ہونا۔ پانی کے عبور کے لئے راستوں کا ہونا۔ من وسلویٰ کا نزول۔ بادل کا سایہ اور پانی پینے کے لئے پتھر سے چشموں کا جاری ہونا وغیرہ وغیرہ اور پھر ان کی بار بار غلطیوں اور بدعنوانیوں کی بدولت متعدد مرتبہ ان پر عذاب بھی نازل ہوا مثلاً گوسالہ پرستی کی سزا میں ستّر ہزار کا قتل صاعقہ سے ستر آدمیوں کی موت۔ طاعون سے ہزاروں کی موت۔ مچھلی کے شکار سے ستر ہزار آدمیوں کا بندر کی شکل میں مسخ وغیرہ ان کی کافی غلطیوں سے درگذر بھی کیا گیا جن کا گذشتہ آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى۔ بنی اسرائیل پر خداوند کریم نے اپنے احسانات و انعامات جتلا کر ان کی چالیس یا اس سے بھی زائد صراحتاً

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

کوئی دوست و مددگار وہ لوگ جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح تلاوت کا حق ہے وہ اس پر

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کا انکار کریں پس وہی خسارہ پانے والے ہیں

ضمناً بداعتدالیوں اور سرکشیوں کا ذکر فرمایا اور بعض مقامات پر ان کے معذب ہونے کا ذکر بھی کیا یہ سب تفصیل ایک طرف تو موجودہ بنی اسرائیل کے لئے سرزنش اور نصیحت کا باعث بھی اور دوسری طرف تمام مسلمانوں کے لئے مقام عبرت تھا کہ وہ اپنے نبی کے متعلق ایسے اقدامات سے باز آئیں اور نیز جناب رسالتمآبؐ کے لئے تسلی و حوصلہ افزائی کا موجب بھی ہے کہ جس قوم کی ابتدا سے یہ حالت ہے کہ باوجود اس قدر احسانات و اکرامات کے انہوں نے اپنے قومی نبیوں کے ساتھ وفا نہ کی، ان کو قتل کیا، اُن کی تکذیب کی، اُن کے عہد و پیمان کو توڑا، نعمات خدا کی بے قدری کی حتیٰ کہ عذاب خدا چکھنے کے بعد بھی اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئے۔ آپ ایسی قوم سے ایمان کی ہرگز توقع نہ رکھیں نہ اس کا عہد و پیمان قابلِ وثوق ہے اور نہ اُن کا اقرار و ایمان قابلِ تسلی ہے کیونکہ عہد و پیمان کر کے اس کو توڑنے سے وہ گریز نہیں کرتے اور اقرار و ایمان کے بعد اس سے پلٹ جانے کو وہ عار نہیں سمجھتے جس طرح کہ ابتدا سے ان کا رویّہ یہی رہا ہے پس جب وہ گذشتہ انبیاء سے کسی بات پر راضی نہیں رہے تو آپ پر کیوں کر راضی ہوں گے؟ ہاں البتہ ایک بات پر وہ راضی ہوں گے اور وہ یہ کہ آپ (معاذ اللہ) خوشنودیٔ خدا کو ترک کر کے ان کی ملت کی پیروی کرنے لگ جائیں لیکن اگر آپ ملت یہود کی پیروی کریں گے تو یہودی راضی رہیں گے۔ اور اگر ملت نصاریٰ کی پیروی کریں گے تو نصرانی راضی ہوں گے۔ بہرکیف یہ صورت تو پھر بھی نہ ہو گی کہ ہر دو فریقین اکٹھے راضی ہو جائیں کیونکہ وہ اپنے مقام پر ایک دوسرے کو کافر و باطل پرست کہتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت جعفر طیار اور ان کے چالیس ساتھیوں کے حق میں اُتری ہے جو حبشہ سے واپس آئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہودیوں میں سے جو لوگ ایمان لا کر ثابت قدم رہے مثلاً عبداللہ بن سلام اور ابن صوریا وغیرہ یہ آیت اُن کے حق میں اُتری ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے صحابہ کرام جو ثابت الایمان ہیں اُن کے حق میں اُتری ہے اور تفسیر اہل بیت علیہم السّلام میں ہے کہ اس آیت کے مصداق آئمہ علیہم السّلام ہیں

تفسیر اہل بیت میں ہے کہ حق تلاوت کا معنی یہ ہے کہ تلاوت کے وقت اگر ذکرِ جنّت آ جائے تو ٹھہر کر جنّت کی دعا مانگے اور ذکرِ نار ہو تو اس سے پناہ مانگے جیسا کہ طبرسی نے حضرت صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے اور تفسیر برہان میں آپ سے منقول

ہے کہ حقِ تلاوت کا مقصد یہ ہے کہ آیات کو ترتیل سے پڑھیں، ان کو سمجھیں، اُن کے احکام پر عمل کریں۔ وعدہ کی اُمید رکھیں، وعید سے خوف کریں، اس کے قصّوں سے عبرت حاصل کریں۔ اس کے اوامر پر کاربند ہو جائیں اور اس کے نواہی سے بچیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آیات کو یاد کرلیں اور حروف کو رٹ لیں۔ اور اس کی سورتوں کو پڑھیں۔ اور اس کے بعض حصوں کو دہراتے رہیں اور لوگوں نے تو اس کے حروف یاد کرلئے اور اس کی حدیں بھلا دیں۔

حالانکہ کا حقہٗ تلاوت یہ ہے کہ اس کی آیات میں تدبّر کیا جائے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ کِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوْا اٰيَاتِهٖ۔

## بنی اسرائیل کے واقعات اُمّتِ اسلامیہ کے لئے درسِ عبرت ہیں

اِس میں شک نہیں کہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے۔ چنانچہ کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر صـ۱۱۳ پر ہم نے اس مطلب کو ایک مستقل عنوان کے تحت قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور ابتداء عنوان میں "الاتقان" سے ایک روایت نقل کی ہے جو ابن مسعود سے مروی ہے۔

اِنَّ الْقُرْاٰنَ نَزَلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ مَا مِنْهَا حَرْفٌ اِلَّا وَلَهٗ ظَهْرٌ وَّ بَطْنٌ وَاِنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ عِنْدَهٗ مِنْهُ عِلْمُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ

قرآن سات قرأتوں یا سات قسموں میں اُترا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور تحقیق حضرت علی بن ابی طالب علیہ السّلام کے پاس اُس کے ظاہر و باطن دونوں کا علم ہے۔

اس کی وضاحت بروایت عیاشی جناب امام محمّد باقر علیہ السّلام نے یوں فرمائی ہے کہ آپ نے عمران کو فرمایا ظاہر قرآن سے وہ لوگ مُراد ہیں جن کے حق میں نازل ہوا۔ اور باطن سے مُراد وہ لوگ ہیں جو ان جیسے اعمال کریں۔ پس جو کچھ ظاہراً ان کے متعلق اُترا ہے۔ وہ باطناً ان میں جاری ہے۔

اور اس کی دلیل بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اس طرح مروی ہے آپ نے فرمایا۔

وَلَوْ كَانَتْ اِذَا نَزَلَتْ اٰيَةٌ عَلٰى رَجُلٍ ثُمَّ مَاتَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ مَاتَتِ الْاٰيَةُ لَمَاتَ الْكِتٰبُ وَلٰكِنَّهٗ حَيٌّ يَجْرِيْ فِيْمَا بَقِيَ كَمَا جَرٰى فِيْمَنْ مَضٰى۔

اگر ایسا ہوتا کہ جب ایک آیت ایک شخص کے متعلق اُتری اور وہ شخص بعد میں مرگیا تو اس کے ساتھ اگر وہ آیت بھی مردہ ہو جاتی تو اس طرح تو پھر سب کتاب مردہ ہوگئی ہوتی حالانکہ وہ زندہ ہے اور آنیوالوں کو ایسے شامل ہے جیسے گذشتہ لوگوں پر شامل تھی

پس اس قدر عرض کرنے کے بعد مقامِ غور ہے کہ اگر بنی اسرائیل کے واقعات صرف انہی تک محدود ہوتے تو ان کا تا قیامت

ہدایت اور حجت ہونا ساقط ہو جاتا حالانکہ جس طرح قرآن تاقیامت باعثِ ہدایت ہے اسی طرح اس کی ہر ہر آیت تاقیامت باعثِ ہدایت ہے اور قرآن اگر قیامت تک زندہ ہے تو اس کی ہر ہر آیت تاقیامت زندہ و باقی ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ جن لوگوں کے حق میں یہ آیات اُتری ہیں وہ ان کا محلِ تنزیل اور ظاہر کے لحاظ سے تھا اور تاقیامت ان کے نشانِ راہ پر چلنے والے ان آیات کا محلِ تاویل و باطن کے لحاظ سے ہیں پس قرآن میں جس قدر نیک لوگ ظاہری و تنزیلی مصداقِ آیات ہیں تو قیامت تک آنے والے نیک افراد انہی آیات کے باطنی و تاویلی مصداق ہوں گے۔ اور جتنے خدا کے نافرمان اور انبیاء و مومنین کے دشمن قرآن کی آیات کے ظاہری طور پر محلِ تنزیل ہیں۔ ان سے باطنی طور پر محلِ تاویل تاقیامت وہ لوگ ہیں جو انہی کی طرح خدا اور رسولؐ و مومنین سے عداوت رکھتے ہیں اُمتِ اسلامیہ کے حالات کی تشبیہ بنی اسرائیل کے حالات سے آثارِ منقولہ میں کافی موجود ہے چنانچہ سورۂ مزمل میں خود قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ۬ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا فَكَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبَا ۔ الخ

تحقیق ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا جو تمہارے اُوپر شاہد ہے جس طرح کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا پس نافرمانی کی تھی فرعون نے اس رسول (موسیٰ) کی پس ہم نے اس کی گرفت کی تھی سخت طریقہ سے پس تم کس طرح بچ سکو گے اگر تم نے کفر کیا اس دن سے (جس کی سختی) بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہے۔

ان آیاتِ مبارکہ میں ذاتِ احدیت نے جناب محمد مصطفٰےؐ کو حضرت موسیٰؑ سے تشبیہ دے کر اس کے بعد خود فیصلہ فرمایا کہ جس طرح فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی مخالفت کی اور پھر ہماری سخت گرفت میں آگیا۔ اسی طرح اے اُمّتِ محمدؐ اگر تم بھی کفر و سرکشی کرو گے تو ہماری قیامت کی گرفت سے ہرگز نہ بچ سکو گے۔ گویا اُمتِ محمدیؐ کا اُمتِ موسیٰ سے مشابہ ہونا اگرچہ ان آیات کا مصداقِ صریح نہیں لیکن مفہومِ ضمنی کے طور پر مُراد ہونا بھی بعید از عقل نہیں اور پھر احادیث کی تائید سے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

الترمذی باب اِفْتِرَاقِ الْاُمَّةِ عن عبداللّٰه بن عمر قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَيَاتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ مَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ (الحديث)

صحیح ترمذی باب افتراق الاُمت میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ میری اُمت میں وہی کچھ ہو گا جو بنی اسرائیل میں ہوا۔ میری اُمت کا کردار ان کے کردار سے اسی طرح برابر ہو گا جس طرح جوتے کے دو پیزار ایک دوسرے کے بالکل برابر ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر ان میں سے اپنی سگی ماں کے ساتھ زنا کرنے

والے ہوں گے تو میری اُمت میں بھی بعض افراد ایسے پیدا ہوں گے جو ایسا کریں گے۔

نیز ترمذی میں ایک باب مستقل اس عنوان سے قائم ہے کہ آپ نے فرمایا لَتَرْکَبُنَّ سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ ۔ کہ اے میری اُمت ضرور تم انہیں لوگوں کے طریقہ پر چلو گے جو تم سے پہلے تھے اور اس ضمن میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ غزوہ حنین کی طرف جاتے ہوئے مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے گذرے جس کو وہ ذات انواط کہتے تھے تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط بنائیں جس طرح ان کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا سبحان اللہ تم ویسی باتیں کرتے ہو جس طرح قوم موسیٰ حضرت موسیٰ سے کرتی تھی کہ انہوں نے بھی بُت پرستوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ کو کہا تھا اِجْعَلْ لَنَا اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ ۔ ہمارے لئے آپ ایسے معبود بنائیں جس طرح ان کے معبود ہیں اور پھر فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم گذشتہ لوگوں کے طریقوں پر ضرور چلو گے۔ اور بطریق اہل بیت ہم نے دسویں رکوع کی تفسیر میں ثُمَّ اَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے جب بنی اسرائیل کا نبیوں کی تکذیب کرنا اور اولیاء اللہ کا قتل کرنا ذکر کیا تو بعد میں فرمایا کہ میری اُمت میں بعض لوگ ایسے ہوں گے، جو بنی اسرائیل کے یہودیوں کے مشابہ ہوں گے۔ میری اُمت کہلوائیں گے اور میری شریعت و سنّت کو تبدیل اور میرے شہزادوں حسن و حسین کو قتل کر دیں گے جس طرح اُن یہودیوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کو قتل کیا تھا پس جس طرح اُن پر خدا کی لعنت تھی اِن پر بھی خدا کی لعنت ہو گی اور پھر قیامت سے پہلے حسینؑ کی اولاد سے حضرت مہدیؑ تشریف لا کر ان سے انتقام لیں گے اور ان کو واصل جہنم کریں گے۔ پُوری حدیث اپنے مقام پر گذر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو ص۱۳۸ و ص۱۳۹

اور ترمذی میں افتراق اُمت والی گذشتہ حدیث کے آخری الفاظ جن کا ترجمہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل بہتر گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور میری اُمت کا تہتر فرقہ ہو گا جن میں سے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک کے۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! وہ کونسا فرقہ ہو گا تو آپ نے فرمایا کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہو گا۔

حدیث کے آخری الفاظ عام لوگوں میں اشتباہ کا موجب ہیں لیکن بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ سے تشبیہ پر غور کرنے سے نتیجہ نکالنے میں منصف طبائع قطعاً دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ اوّلاً یہ دیکھنا ہو گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھیوں سے کون لوگ مراد ہیں کیا وہ سب لوگ حضرت موسیٰ کے صحابہ میں داخل ہوں گے جو چھ لاکھ یا اس سے کم و بیش حضرت موسیٰ کے ساتھ چل کر پانی سے پار ہوئے تھے یعنی اگر حضرت موسیٰ وصیت فرمائیں کہ میری اُمت کے بہتر فرقوں میں سے صرف ایک ناجی ہو گا اور اکہتر ناری ہوں گے اور پھر کوئی سوال کرے کہ ناجی فرقہ کون ہو گا؟ تو وہ یہی فرمائیں کہ جو میرے اور میرے ساتھیوں کے طریق پر ہو گا تو کیا اس کا یہی

مطلب ہے کہ حضرت موسیٰ کے چھ لاکھ صحابہ میں سے ہر ایک کی سنت پر عمل جائز ہے اور ان سب کا طریق صحیح ہے ؟ تو قرآن کی رُو سے ماننا پڑے گا کہ بہر صورت میں حضرت موسیٰ کے صحابہ سے مراد صرف وہی لوگ ہوں گے جو حضرت موسیٰ کے صحیح پیرو تھے ورنہ گوسالہ پرست بھی حضرت موسیٰ کے صحابہ سے تھے عمالقہ سے جنگ کا انکار کرنے والے بھی ان کے صحابہ تھے۔ خدا کے دیکھنے کے شیدائی بھی ان کے صحابہ تھے۔ بات بات پر حضرت موسیٰ کو ٹوکنے والے بھی ان کے صحابہ میں سے ہی تھے۔ اگر یہ سب واجب الاتباع ہوتے تو قرآن کریم ان کی اس قدر مذمت نہ فرماتا بلکہ تمام اُمتوں کو متنبہ فرمارہا ہے اور آئندہ کے بنی اسرائیل کو بھی نصیحت فرمارہا ہے کہ خبردار ان کے پیچھے نہ جاؤ۔

پس حضرت موسیٰ اور اُن کے صحیح صحابہ کا راستہ ہی وہی بہتر میں سے ایک ممتاز راستہ ہے جو آئندہ کے تمام بنی اسرائیل کے لئے راہِ نجات ہے۔ آپ جب کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو ہارون کو خلیفہ بنا کر گئے اور اُمت کو اُن کی پیروی کی تاکید فرما گئے لیکن باوجود انتہائی تاکید کے اکثریت گوسالہ پرست ہوئی اور تھوڑے بندے ہارون کے ہمنوا رہے اور حضرت موسیٰ کے چلے جانے کے بعد حضرت یوشع بن نون اُن کے نامزد وصی و خلیفہ تھے لیکن اکثریت منحرف رہی اور اقلیت ہی اُن کے ساتھ رہی یعنی ۱۷ فرقے نافرمان رہا اور صرف ایک فرقہ موسیٰ کی وصیت پر رہا جس طرح کہ حدیث مذکور صریح طور پر بتارہی ہے۔

بنابریں اُمتِ اسلامیہ کے تہتر فرقوں میں سے صرف ناجی ایک فرقہ ہے جو جناب محمد مصطفیٰ اور آپ کے صحابہ کا ہے لیکن بنی اسرائیل کے واقعات وحالات کی تشبیہ کے اعتبار سے صحابہ رسوؐل سے بھی وہی صحابہ مراد ہوں گے جو جناب رسالت مآبؐ کے حینِ حیات ان کے صحیح پیرو تھے اور ان کے بعد ان کے نامزد وصی و خلیفہ کے مطیع فرمان رہے۔

اِس مقام پر چند احادیث جن کو علاّمہ نے "نہج الحق" میں کتب معتبرہ عامہ سے نقل کیا ہے ذکر کرتا ہوں۔

(۱) من المسند عن سلمان قَالَ قَالَ یَارسول اللہ مَن وَصِیُّكَ قَالَ یَا سِلْمَانُ مَنْ کَانَ وَصِیُّ اَخِيْ مُوسٰی؟ قَالَ یُوشَعُ بْنُ نُوْنٍ قَالَ فَاِنَّ وَصِیِّ وَ وَارِثِيْ یَقْضِيْ دَیْنِيْ وَیُنْجِزُ وَعْدِیْ عَلِیُّ بْنُ اَبِی طَالِبٍ۔

مسند احمد بن حنبل میں جناب سلمان سے مروی ہے کہ انہوں نے جناب رسالت مآبؐ سے دریافت کیا۔ آپ کا وصی کون ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا اے سلمان میرے بھائی موسیٰ کا وصی کون تھا؟ جواب دیا کہ حضرت یوشع بن نون ان کا وصی تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرا وصی اور وارث جو میرے قرضے ادا کرے گا اور میرے وعدے وفا کرے گا وہ علی بن ابی طالب ہے۔

(۲) مسند احمد والبخاری والمسلم قَالَ

مسند احمد بن حنبل، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہے

رَسُوْلُ اللّٰہِ لِعَلِیٍّ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

کہ جناب رسالت مآبؐ نے علیؑ کو فرمایا کہ کیا تیرے لئے کافی نہیں کہ تیری مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰ سے تھی فرق صرف یہ ہے کہ ہارون موسیٰؑ کا خلیفہ تھا اور نبی بھی تھا لیکن میرے بعد نبی کوئی نہیں (یعنی تو صرف میرا خلیفہ ہے)

یہ روایت جناب رسالت مآبؐ کے بعد علیؑ کی خلافت پر نص صریح ہے۔

نیز یہی حدیث دلائل الصدق میں کنز العال جلد ۶ صفہ ۱۵۴ و صفہ ۳۹۵ و صفہ ۳۹ اور ج ۵ صفہ ۴ اور خصائص نسائی سے بھی مروی ہے اور صحیح ترمذی میں بھی یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے ۔اور یہی حدیث یعنی حدیث منزلت ، حدیث مواخات کے ضمن میں بھی متعدد کتب معتبرہ سے منقول ہے پس اس حدیث کے متواتر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے ۔اور ایک حدیث میں حضورؐ نے حضرت علیؑ کو حضرت عیسیٰؑ کے مثل قرار دیا۔

(۳) مسند احمد بن حنبل اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ لِعَلِیٍّ اِنَّ فِیْکَ مَثَلًا مِنْ عِیْسٰی اَبْغَضَہُ الْیَھُوْدُ حَتّٰی اتَّھَمُوْا اُمَّہٗ وَاَحَبَّہُ النَّصٰرٰی حَتّٰی اَنْزَلُوْہُ الْمَنْزِلَ الَّذِیْ لَیْسَ لَہٗ بِاَھْلٍ۔

مسند احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ تحقیق جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تحقیق تجھ میں حضرت عیسیٰ کی سی مثال ہے ان سے یہودیوں نے بغض رکھا کہ ان کی مادر گرامی پر تہمت لگائی اور نصاریٰ نے ان سے حد سے زیادہ محبت کی کہ ان کو ایسی منزل پر لے گئے جس کے وہ اہل نہیں تھے ۔ (یعنی ان کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا)

یہ روایت مستدرک حاکم اور خصائص نسائی اور استیعاب سے بھی نقل کی گئی ہے۔

اس مقام پر حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے جملہ فضائل کا ذکر کرنا مطلوب نہیں ورنہ کتاب موضوع سے خارج ہو جائے گی ۔صرف مناسبت مقام کے لئے یہ حدیثیں کتب صحاح اہل سنّت سے نقل کی ہیں جن کو فضل بن روزبہان جیسے متعصّب نے بھی اپنی کتاب ابطال الباطل میں تسلیم کیا ہے ۔ہاں اسی مناسبت کی ایک اور حدیث بھی پیش کرتا ہوں جس کو مسند احمد بن حنبل سے علامہؒ نے نقل کیا ہے۔

(۴) اِنَّ النَّبِیَّ قَالَ مَنْ اٰذٰی عَلِیًّا فَقَدْ اٰذَانِیْ اَیُّھَا النَّاسُ مَنْ اٰذٰی عَلِیًّا بُعِثَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَھُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا۔

حضورؐ نے فرمایا جس نے علیؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی ۔اے لوگو جو علیؑ کو اذیت دے گا وہ بروز محشر یہودی یا نصرانی ہو کر اٹھیگا یہ حدیث دلائل الصدق میں متعدد کتب معتبرہ سے منقول ہے

سابقہ روایات میں حضرت علی علیہ السّلام کو حضرت ہارون و حضرت یوشع و حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے تشبیہ دی گئی ہے اور آخری روایت میں حضرت علیؑ کے رنجیدہ کرنے والوں کو یہودی و نصرانی کہا گیا ہے اور اس سے قبل ایک روایت میں امام حسنؑ و امام حسینؑ کے قاتلین کو اُمتِ محمدیہؐ کے یہودی کہا گیا ہے۔ اور یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السّلام کی اولاد سے حضرت مہدیؑ ظاہر ہو کر اُن سے انتقام لیں گے۔ اور البرہان میں اَمۡ تُرِيدُونَ الخ۔ رکوع نمبر۱۳ کی تفسیر میں جناب رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کو حضرت آدمؑ کے جلال، شیثؑ کی حکمت، ادریسؑ کی ہیبت، نوحؑ کے شکر و عبادت، ابراہیمؑ کی وفاء و خلّت، موسیٰؑ کی دشمنانِ خدا سے عداوت اور عیسیٰؑ کی مومنین سے حُسنِ معاشرت سے تشبیہ دی ہے۔ حدیث اختصار کے پیشِ نظر ترک کر دی ہے۔

پس ان روایات و آثار سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرت رسالت مآبؐ کے بعد حضرت علیؑ سے لے کر حضرت مہدیؑ تک کے بارہ امام جناب رسُولِ خدا کے صحیح جانشین اور قائم مقام ہیں جن کی مخالفت و عداوت کرنے والے اس امت کے یہودی ہیں۔

اور جس طرح بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ حضرت ہارون سے کنارہ کشی کر کے سامری کی اطاعت میں گوسالہ پرست و مشرک ہوگئے تھے۔ اِسی طرح حضرت علیؑ سے روگردانی اور غیر کی اطاعت اِس اُمت کے لئے سامری کی اطاعت اور گوسالہ پرستی ہوگی۔

اور جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کے وصی حضرت یوشع بن نون خلیفہ برحق تھے اور ان کی اطاعت والا گروہ ہی ناجی اور باقی اکثر جہنمی اور قابلِ نفرین تھے اسی طرح حضرت رسُولِ خدا کے بعد حضرت علیؑ مثل یوشع کے واجب الاتباع ہیں۔ اور انہی کی پیروی باعثِ نجات ہوگی اور اس کو چھوڑنے والے مستحقِ عذاب ہوں گے۔

جس طرح حضرت موسیٰؑ کے قائم مقام نبیوں کے قاتل جہنمی اور مستحقِ لعنت تھے۔ اِسی طرح حضرت رسولِ خداؐ کے قائم مقام خلفأ معصومینؑ کے قاتل جہنمی اور مستحقِ لعنت ہیں جس طرح گذشتہ ایک حدیث میں حضورؐ نے حسنین شریفین علیہما السلام کے قاتلوں کو یہودی اور لعنتی کہا ہے۔ تفسیر برہان میں قَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى کے تحت حضرت علی السلام سے منقول ہے۔

فَهٰؤُلَاءِ بَنُوٓا اِسۡرَآئِيلَ نُصِبَ لَهُمۡ بَابُ حِطَّةٍ وَّاَنۡتُمۡ يَا مَعۡشَرَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ نُصِبَ لَكُمۡ بَابُ حِطَّةٍ اَهۡلِ بَيۡتِ مُحَمَّدٍ وَّاُمِرۡتُمۡ بِاتِّبَاعِ هُدَاهُمۡ وَلُزُوۡمِ طَرِيۡقِهِمۡ لِيَغۡفِرَ لَكُمۡ بِذٰلِكَ خَطَايَاكُمۡ وَذُنُوۡبَكُمۡ وَلِيَزۡدَادَ الۡمُحۡسِنُوۡنَ

اُن بنی اسرائیل کے لئے باب حطہ نصب کیا گیا تھا اور اے گروہ اُمتِ محمدؐ تمہارے لئے اہل بیت محمدؐ بطور باب حطہ کے منصوب ہیں اور تمہیں انہی کی رہبری کے تحت اطاعت کرنے کا حکم ہے۔ اور ان کے طریقہ پر چلنے کا حکم ہے تاکہ ان کی بدولت خدا تمہارے قصور اور گناہ بخش دے اور تمہارے نیکوں کی جزائے خیر ہیں

يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۲۲﴾

اے اولادِ یعقوب یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے انعام کیا تمہارے اوپر اور تحقیق میں نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا

اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کفایت کرے گا کوئی نفس کسی نفس سے کچھ بھی اور نہ قبول کیا جائے گا فدیہ اور نہ نفع مند ہو گی سفارش

شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ

اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے ساتھ چند کلمات کے پس اس نے ان کو پورا کیا

مِنْكُمْ وَبَابُ حِطَّتِكُمْ اَفْضَلُ مِنْ بَابِ حِطَّتِهِمْ ۔ الخبر اضافہ فرمائے اور نیز تمہارا باب حطہ ان کے باب حطہ سے افضل ہے ۔ الخبر۔

پس معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کا اس قدر طویل ذکر قرآن مجید میں اُمتِ اسلامیہ کے لئے درس ہے اگرچہ تنزیلی اور ظاہری طور پر مراد وہ ہیں لیکن تاویلی اور باطنی صورت میں مُراد اُمتِ محمدیہ ہے اور بنی اسرائیل کے ذکر میں جہاں انبیاء اور ان کے اوصیاء کی اطاعت کا حکم اور اطاعت کرنے والوں کی مدح قرآن نے کی ہے ۔ ان سب سے باطنی اور تاویلی طور پر محمدؐ و آلِ محمدؐ کی اطاعت کا حکم اور اُن کی اطاعت کرنے والوں کی مدح ہے اور جہاں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کا ذکر اور ان کو غضبِ خدا کا مستحق کہا گیا ہے ان سے باطنی طور پر محمدؐ و آلِ محمدؐ کے دشمنان مراد ہیں ۔ اور وہی تاقیامت غضب کے مستحق و سزاوار ہیں ۔ اور قرآن قیامت تک زندہ ہے ۔ لہذا یہی تاویل قیامت تک جاری رہے گی ۔ اور خدا جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے ۔

## ذکرِ امتحانِ ابراہیم و عہدۂ امامت

يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ ۔ اگرچہ خداوند کریم نے جناب رسالت مآبؐ کو یہ تسلی دے دی کہ یہ لوگ جن کی نافرمانیوں اور احسان فراموشیوں کی اتنی طویل فہرست گذر چکی ہے ہرگز آپ کی نبوت پر راضی نہ ہوں گے جب تک آپ اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ایسا کرنا آپ سے بعید ہے ۔ لہذا اُن کے ایمان لانے کی توقع چھوڑ دیئے ۔ گویا بنی اسرائیل پر یہ واضح کیا گیا کہ تمہارے ایمان کا نہ خدا محتاج ہے اور نہ جناب محمد مصطفےٰ محتاج ہیں لیکن ازراہِ لطف و اتمام حجت پھر بنی اسرائیل کو نعمات کی یاد دلا کر اُن کو راہِ حق پر گامزن ہونے کی دعوت دی گئی ہے ۔

بِكَلِمٰتٍ ۔ تفسیر مجمع البیان اور البرہان میں بروایت ابن بابویہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کلمات سے وہی کلمات مراد ہیں جو حضرت آدم علیہ السّلام نے اپنے رب سے حاصل کئے تھے اور ان کی توبہ قبول ہوئی

قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾

تو فرمایا کہ تحقیق میں تجھے لوگوں کا امام بنانا ہوں ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد سے بھی فرمایا کہ میرا عہد (عہدۂ نبوت و امامت) ظالموں کو نہیں پہنچ سکتا

تھی یعنی یَا رَبِّ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَعَلِیٍّ وَفَاطِمَۃَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ اِلَّا تُبْتَ عَلَیَّ الخ راوی نے پوچھا کہ پھر فَاَتَمَّھُنَّ سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ امام حسینؑ کی اولاد سے جو نو امام ہیں ان کو بھی ملا کر حضرت قائم علیہ السّلام تک کل بارہ امام پورے کئے۔ راوی نے دریافت کیا وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهٖ پ۲۵ ع۹۔ میں کلمہ باقیہ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ امامت امام حسین علیہ السّلام کی اولاد میں تا قیامت باقی رہے گی۔ پھر سائل کے جواب میں آپ نے فرمایا جس طرح موسیٰ و ہارون دونو بھائی تھے لیکن نبوت ہارون کی پشت میں رہی اور موسیٰ کی پشت میں نہ آئی لہٰذا خدا کے فعل پر کیوں کہنا درست نہیں۔

اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے یہ بھی مروی ہے کہ ابتلائے کلمات سے مراد حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرنے کا امتحان ہے جس کو حضرت ابراہیم نے پورا کیا اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرکے ذبح اسمٰعیل کا عزم مصمم کر لیا تو ان کی صدق نیت کی جزا میں اور ان کی اطاعت کے ثواب میں خداوند کریم نے ارشاد فرمایا اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اور پھر خداوند کریم نے ان پر حنیفیت کو نازل فرمایا۔ اور وہ کل دس چیزیں ہیں۔ پانچ کا تعلق سر سے ہے۔ اور باقی پانچ بدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو پانچ سر میں ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) مونچھیں کترانا (۲) ڈاڑھی رکھنا (۳) سر کے بالوں کی مانگ نکالنا (۴) مسواک کرنا (۵) خلال کرنا اور جو پانچ باقی بدن میں ہیں۔ وہ یہ ہیں (۱) تمام بدن کے بال دُور کرنا (۲) ختنہ کرنا (۳) ناخن کٹوانا (۴) غسل جنابت کرنا (۵) پانی سے طہارت کرنا۔ پس یہی حنیفیت طاہرہ ہے جو حضرت ابراہیم لائے یہ نہ منسوخ ہوئی ہے اور نہ قیامت تک منسوخ ہو گی اور اسی کے متعلق خدا فرماتا ہے وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا۔

اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ تفسیر البرہان میں بروایت کتب معتبرہ امامیہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد بنایا اور پھر ان کو نبی بنایا قبل رسول بنانے کے۔ اور پھر رسول بنایا قبل خلیل بنانے کے اور پھر خلیل بنایا قبل درجہ امامت سپرد کرنے کے جب پہلے تمام مراتب پر وہ فائز ہو چکے تب ارشاد فرمایا اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اور اس کے بعد امام علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ عہدۂ امامت کی عظمت یہ ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنے سابق عہدوں کے لئے اپنی اولاد کے لئے دُعا نہ مانگی لیکن جب منصب امامت پر فائز ہوئے تو فوراً اپنی اولاد کے لئے اسی عہدہ کو طلب کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور اسی طرح امام محمد باقر علیہ السّلام سے بھی مروی ہے۔

لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ۔ خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو مستجاب فرمایا کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی تمام اولاد کے لئے امامت نہیں طلب کی تھی چنانچہ اپنی دعا میں یہ نہیں کہا تھا کہ اے پروردگار میری ساری اولاد کو عہدہ امامت عطا فرما دے۔

بلکہ مِنْ ذُرِّيَّتِي - کہا تھا اور من تبعیض کا ہے جس کا معنی بعض ہوتا ہے یعنی اپنی اولاد کے بعض افراد کے لئے خواہش ظاہر کی تھی پس خدا نے قبول فرمائی اور اس فقرہ سے تنبیہ فرما دی کہ عہدۂ امامت ظالم کو نہیں پہنچ سکتا اور اہل سنّت کے علامہ بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں اعتراف کیا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فاسق کو امامت کا عہدہ نہیں مل سکتا - پس یہ آیت نبوت و امامت کی عصمت کی واضح دلیل ہے - اور یہاں ظلم سے مراد ہر قسم کی خدا کی نافرمانی ہے - پس گناہ صغیرہ یا کبیرہ قبل بعثت یا بعد بعثت نبی و رسول سے سرزد ہونا عقلاً باطل ہے - اور یہ آیت اس فیصلہ کی نقلی طور پر برہان قاطع ہے - ظالم کی لفظ عام ہے خواہ عہدہ ملنے کے وقت ظالم ہو یا اس سے پہلے کسی وقت ظالم رہ چکا ہو اور تمام ظلموں سے شرک بڑا ظلم ہے - خدا فرماتا ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ پس جو لوگ اپنی زندگی کے کسی دور میں مشرک و بُت پرست رہ چکے ہوں یا کسی اور گناہ میں مبتلا رہ چکے ہوں - آیہ مجیدہ کی رو سے وہ ظالم ہیں اور عہدۂ امامت کے قطعاً لائق نہیں بلکہ اس عہدہ پر صرف وہی فائز ہو سکتا ہے جو ابتدائے عمر سے آخر تک تمام گناہوں سے بچا ہوا اور معصوم ہو - اور جناب رسالتمآبؐ کے بعد وہ صرف اہل بیت محمدؐ ہی ہیں - چنانچہ صاحب عمدۃ البیان نے مناقب خوارزمی سے روایت نقل کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے دعا کی کہ میری اولاد میں بھی امام بنا اور خداوند کریم نے ان کے جواب میں فرمایا کہ عہد میرا ظالموں کو نہیں پہنچتا تو اس وقت ابراہیمؑ نے دعا کی وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ یعنی یکسو رکھ مجھے اے خدا اور میری اولاد کو اس سے کہ پرستش کریں ہم بتوں کی چنانچہ خدا نے میرے اور علیؑ کے حق میں ان کی دُعا قبول کی اور مجھ کو نبی کیا اور علیؑ کو وصی کیا -

اور برہان میں مناقب ابن مغازلی سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود کہتا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ ہوں - میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کیسے اپنے والد حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ ہو گئے ؟ آپ نے فرمایا کہ جب خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو وحی کی کہ میں تجھے امام بناتا ہوں تو ابراہیمؑ بہت خوش ہوئے - پس عرض کی میرے اللہ میری اولاد سے بھی میری طرح امام بنانا تو جواب ملا کہ میں ایک صورت میں تیری اولاد کو امامت کا عہدہ نہ دوں گا - پس انہوں نے عرض کی وہ کونسی صورت ہے ؟ تو فرمایا وہ یہ کہ تیری اولاد میں سے ظالم کو یہ عہدہ نہ ملے گا - ابراہیم نے پوچھا کہ میری اولاد میں سے ظالم کون ہوگا ؟ تو جواب ملا کہ جو بُت پرستی کرے گا اس کو کسی وقت بھی یہ عہدہ تفویض نہ کروں گا - اور وہ امام نہ ہو سکے گا - پس حضرت ابراہیم نے دُعا مانگی وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ - اے اللہ ! مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی سے محفوظ رکھنا - رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ - اے رب انہوں (بتوں) نے بہت سوں کو گمراہ کر دیا ہے - پس اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا میرے اور علیؑ کے حق میں ثابت ہوئی کیونکہ ہم نے کبھی بت پرستی نہیں کی پس خداوند کریم نے مجھے نبی بنایا اور علیؑ کو وصی بنایا (ولی) بنایا -

**ربطِ بیان** ۔ قرآن مجید میں ابتدائے سورۂ بقرہ کے دو رکوع انسان کی تقسیم کے بارے میں تھے کہ انسان کی فطری طور پر تین قسمیں ہیں۔ ایک منصف مزاج جو حق کو سن سمجھ کر قبول کرتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں جن کو متقین کے مقدس لفظ سے ملقب کیا گیا۔ دوسری قسم ضدی و عنادی لوگوں کی ہے جو کسی صورت میں اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے۔ اور سن سمجھ کر حق سے اندھے، گونگے اور بہرے ہوتے ہیں جن کو قرآن نے کافر کی لفظ سے موسوم کیا ہے۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کی فطرت میں دو رنگی ہوتی ہے وہ حق والوں کے سامنے بھی جی ہاں اور باطل پرستوں کے سامنے بھی جی ہاں کرتے ہیں وہ دونوں کے دشمن بھی اور دوست بھی ہوتے ہیں ان کو اصطلاحِ قرآن میں منافق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد قرآن نے دعوتِ حق کا بیان شروع کیا ہے اور چونکہ بنی آدمؑ دو گروہوں میں منقسم تھے ایک وہ جو کسی کتابِ سماوی کی پیروی کا دعویٰ رکھتے تھے اور دوسرے عامۃ الناس جن کا کسی کتاب سے واسطہ نہیں تھا بلکہ دیکھا دیکھی اُن کا مذہب تھا جس طرح ماں باپ کو کرتے دیکھا اسی کے پیچھے لگ گئے وہ بت پوجتے تھے لہٰذا یہ بھی بت پوجنے لگے وہ ستارہ پرست تھے سورج پرست یا آتش پرست یا گاؤ پرست وغیرہ تھے تو یہ بھی اُنہیں کے نقشِ قدم پر اُن جیسے ہو گئے۔

پس دعوتِ حق میں پہلے پہل خدا نے اُن عامۃ الناس کو خطاب فرما کر یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا سے نصیحت کی ابتدا فرمائی اور نصیحت کے تینوں طریقے استعمال فرمائے۔ پہلے اپنے احسانات کا تذکرہ کہ میں نے تمہیں خلعتِ وجود عطا کی اور زمین وغیرہ تمہارے لئے پیدا کی، پس میں ہی مستحق عبادت ہوں۔ اس کے بعد عذابِ جہنم کا خوف دلایا جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اور پھر اطاعت پر جنت کی بشارت بھی سنائی۔ ان ہر سہ طریق کو استعمال کرنے کے بعد تمام انسانوں پر خصوصی نعمت کا احسان بیان فرمایا کہ دیکھو تمہارے باپ آدمؑ کو پیدا کر کے میں نے اس کے سامنے ملائکہ جیسی نوری مخلوق کو سجدہ کرایا اور اس کی خاطر ابلیس کو نوریوں کی صف سے نکال کر مردود ابدی قرار دیتے ہوئے دربارِ رحمت سے خارج کر دیا لیکن پھر تم اسی آبائی دشمن کے پھندے میں آ کر میری عبادت سے منہ پھیرتے ہو۔ گویا ان واقعات سے انسان کی رگِ حمیت کو حرکت دی تاکہ انسان محسن اور دشمن میں فرق کر سکے۔

ان کی دعوت کے بعد کلام کا رُخ ان لوگوں کی طرف فرمایا جو اپنے تئیں کسی کتابِ سماوی کے قائل و پیرو جانتے تھے۔ اور وہ بنی اسرائیل تھے اُن کی دعوت میں وہی نصیحت کے تینوں طریقے استعمال فرمائے ان پر اپنے خصوصی احسانات کا ذکر فرمایا۔ ان کی چالیس یا زیادہ سرکشیوں کے باوجود اپنی رحمت و درگذر کو یاد دلایا پھر عذاب سے خوف زدہ کیا۔ اور ساتھ ساتھ اطاعت پر انعاماتِ جنت کا وعدہ بھی فرمایا۔ اب ان کو نصیحت کے ہر سہ طریق سے دعوتِ حق دینے کے بعد ان کے جدِّ اعلیٰ پر احسانات کا تذکرہ فرمایا یعنی جس طرح بنی آدم پر عمومی احسانات کے جتلانے کے بعد بنی آدم کے باپ حضرت آدمؑ پر نعمات کا ذکر فرمایا تھا اسی طرح بنی اسرائیل پر عمومی پیغام حق پہنچانے کے بعد ان کے باپ حضرت ابراہیمؑ پر خصوصی نعمات کا ذکر شروع فرمایا۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ

اور جب کہ بنایا ہم نے کعبہ کو جائے ثواب لوگوں کے لئے اور مقام امن اور پکڑو تم مقام ابراہیم کو جائے نماز

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

اور ہم نے عہد کیا طرف ابراہیم اور اسمٰعیل کے کہ پاک رکھو میرے گھر کو طواف کرنے والوں اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنیوالوں کے لئے

دیکھو اس پر ہم نے کیا کیا احسانات کئے اور کیا عہد لیا اور تمہیں انہوں نے ہمارا کیا پیغام سُنایا اور باوجود ان سب باتوں کے تم کیا کر رہے ہو ؟۔

**مقامِ ابراہیمؑ** مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جنت سے تین پتھر آئے۔ ایک مقامِ ابراہیمؑ دوسرے حجر بنی اسرائیل (جس پر حضرت موسیٰ عصا مارتے تھے اور پانی کے چشمے اس سے نکلتے تھے اور تیسرا حجر اسود ہے (منہ)

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ۔ مثابہ کا معنی جائے رجوع اور جائے پناہ بھی کیا گیا ہے۔ روایت میں ہے کہ جو شخص مکہ سے واپسی پر آیندہ سال کی حج کی نیّت بھی کر لے تو اس کی عمر میں زیادتی کی جاتی ہے۔ اور جو حج کر کے دوبارہ آنے کی نیّت نہ کرے تو اُس کی موت نزدیک کی جاتی ہے۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى۔ آئمہ اہل بیت کی طرف سے احادیث بکثرت وارد ہیں کہ حاجی کے لئے ضروری ہے کہ طواف بیت اللہ سے فارغ ہو کر دو رکعت نمازِ طواف اسی مقامِ ابراہیم پر پڑھے۔ تفسیر بیضاوی میں جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقامِ ابراہیمؑ کا رُخ کیا اور اس کے پیچھے کھڑے ہو کر دو رکعت نمازِ طواف ادا فرمائی اور پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى۔ اس مقام پر صیغہ امر کا ہے اور اس کی دلالت وجُوب پر ہوتی ہے تو پس معلوم ہوا کہ نماز طواف کا مقامِ ابراہیم پر پڑھنا واجب ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؑ نے اسی مقامِ ابراہیم کو ہی مصلّٰی قرار دیا۔

حضرت رسولِ اکرمؐ نے مصلّٰی ابراہیمؑ کو ہی اختیار فرمایا بلکہ خود خدا نے مصلّٰی ابراہیمی کو مصلّٰی قرار دینے کا حکم صادر فرمایا تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اس مصلّٰی کو چھوڑ کر الگ ایک دو نہیں بلکہ چار مصلّے قائم کر دیئے جائیں ؟ اور بیضاوی نے اس اعتراض سے بچنے کے لئے امر کو استحباب پر محمول کر لیا حالانکہ اکثر اُصولیوں کے لئے صیغۂ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے ؟ جب تک کہ خلاف کا قرینہ نہ ہو اور پھر جب رسولِ پاکؐ کے عمل سے تائید بھی ہو جائے تو استحباب کا محل ہی باقی نہیں رہتا اور بفرضِ تسلیم استحباب

ہی سہی لیکن سنّتِ رسولؐ پر چلنے کے دعویداروں کے لئے اس استحباب سے کنارہ کشی کیونکر روا ہے؟

بات صرف یہ ہے کہ اہل بیت رسولؐ نے مصلّٰی ابراہیمی کو اختیار فرمایا پس اہل بیت سے مغت کی عداوت رکھنے والوں نے سنتِ رسولؐ کو ترک کرنے میں ہی بھلائی سمجھی کہ کہیں اہل بیت کی اتباعؑ کا الزام عائد نہ ہوجائے۔ گویا حب اہل بیت رسولؐ سے مقابلہ کرنا ہو تو کتاب اللہ کو کافی سمجھنے والے کتاب اللہ کو بھی چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ اور ہاجرہؑ کو مکہ میں چھوڑ کر واپس چلے گئے اور ایک مدّت گذر گئی تو یہاں قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا اور حضرت اسماعیلؑ نے انہی میں شادی کر لی اور ہاجرہ کا انتقال ہوگیا تو حضرت ابراہیمؑ نے سارہ سے کہا کہ میں ہاجرہ کی خبر گیری کے لئے جاتا ہوں۔ سارہ نے اجازت دی اور یہ شرط کرلی کہ وہاں آپ اپنی سواری سے نہ اُتریں گے۔ پس آپ جب مکہ میں وارد ہوئے تو ہاجرہ کا انتقال ہوچکا تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے گھر پہنچے اور ان کی بیوی سے اُن کا حال پوچھا۔ اُس نے کہا وہ بال بچّوں کی خوراک کے لئے شکار کو گئے ہیں (کیونکہ مکہ کی زمین میں زراعت وغیرہ نہ تھی) اور حضرت اسمٰعیل حرم سے باہر جاکر شکار پکڑ لاتے تھے پس حضرت ابراہیمؑ نے کھانا طلب کیا تو اُس نے کہا کہ نہ میرے پاس کھانا ہے اور نہ کوئی دوسرا آدمی ہے (کہ یہ انتظام کرسکے) پس حضرت ابراہیمؑ نے واپس ہوتے ہوئے فرمایا کہ جب تیرا شوہر واپس آئے تو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ گھر کا دروازہ تبدیل کرے یہ کہہ کر آپ چلے گئے جب حضرت اسمٰعیلؑ واپس آئے تو انہوں نے اپنے باپ کی خوشبو معلوم کرکے زوجہ سے دریافت کیا تو اس نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا کہ ہاں فلاں فلاں صفت کا ایک بوڑھا آدمی یہاں آیا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ کچھ کہتا بھی تھا۔ عورت نے جواب دیا کہ ہاں وہ کہتا تھا کہ اپنے شوہر کو میرا سلام دے کر کہنا کہ وہ اپنے گھر کے دروازہ کو تبدیل کرے۔ پس حضرت اسمٰعیلؑ نے فوراً اس کو طلاق دے کر دوسری شادی کر لی۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زوجہ سارہ سے اسمٰعیل کو ملنے کی خواہش ظاہر کی تو اُس نے اجازت دی اور وہی شرط لگائی کہ سواری سے آپ نہ اُتریں گے پس جب حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیل کے گھر پہنچے تو اس موجودہ بیوی سے اُس کے شوہر کا حال پوچھا۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ شکار کو گئے ہیں اور ابھی تشریف لاتے ہیں۔ انشاء اللہ۔ خدا آپ پر رحم فرمائے تشریف رکھیئے۔ آپ نے کھانا طلب فرمایا تو فوراً دودھ اور گوشت سے اُن کی ضیافت کی۔ آپ نے برکت کی دعا فرمائی۔ اس نیک بخت عورت نے آپ سے اُترنے کی خواہش کی تاکہ ان کے سر سے گرد وغبار سفر کو دھوئے لیکن آپ نہ اُترے۔ وہ فوراً ایک پتھر اٹھا لائی اور آپ کے دائیں طرف رکھ دیا۔ آپ نے اُس پر اپنا قدم رکھا جس کا پتھر پر نشان باقی ہے تو اُس نے آپ کے سر کے دائیں حصہ کو غسل دیا پھر پتھر بائیں طرف لاکر رکھ دیا۔ آپ نے اُس پر بایاں قدم رکھا جس کا نشان موجود ہے اُس نے آپ کے سر کا بایاں حصہ دھویا پس فارغ ہوکر جب آپ نے واپس پلٹنے کا ارادہ فرمایا تو فرمایا کہ اپنے شوہر کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اب تیرے گھر کا دروازہ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ

اور جب دعا مانگی ابراہیم نے کہ اے رب کر اس کو شہر پُرامن　اور رزق دے اس کے بسنے والوں کو پھلوں سے　جو ایمان

اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ

لائے ساتھ اللہ کے اور یوم قیامت کے فرمایا کہ جو کافر ہوگا پس اس کو فائدہ دوں گا تھوڑا پھر اُس کو داخل کروں گا　عذاب

اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۱۲۶) وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ

دوزخ میں　اور وہ بری باز گشت　ہے　اور جب بلند کرتا تھا ابراہیم بنیادیں کعبہ کی　اور اسماعیل بھی

ٹھیک ہے۔ جب حضرت اسمٰعیل واپس آئے اور باپ کی خوشبو سونگھی تو عورت سے دریافت فرمایا۔ اُس نے جواب دیا کہ ہاں نہایت خوبصورت و پاکیزہ و پاکیزہ بُو ایک بزرگ تشریف لائے تھے اُنہوں نے ایسا ایسا فرمایا تھا اور میں نے یہ یہ عرض کیا تھا۔ اور اُن کے سر کو غسل بھی دیا تھا چنانچہ اس پتھر پر ان کے قدم کے نشانات باقی ہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا کہ وہ میرے والد حضرت ابراہیمؑ تھے انتہیٰ ملخصاً یہ وہی مقام ابراہیم ہے جس کو مصلّٰی بنانے کا اُمت اسلامیہ کو حکم ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ مقام ابراہیمؑ وہ مقام ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے لوگوں کو حج کی دعوت دی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں کھڑے ہو کر آپ نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی۔ جس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں ان کے متعلق بعض ارباب تحقیق نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ

حضرت ابراہیمؑ کا یہ معجزہ تھا کہ اُن کے پاؤں کے نیچے پتھر مٹی کی طرح نرم ہو جاتا تھا جس سے اُن کے پاؤں کا نشان باقی رہتا تھا۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا۔ جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ ابتدائے خلقت سے مکہ جائے حرمت ہے اور اس قسم کی روایات بہت زیادہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے مکہ مکرمہ حضرت ابراہیم کی دُعا سے پیشتر حرم خدا اور جائے امن قرار دیا گیا تھا جیسا کہ علامہ طبرسی نے ذکر فرمایا ہے اور حضرت ابراہیم کی دعا سے اس کی حرمت زیادہ موکد ہو گئی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے بعد مکہ حرم قرار پایا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں جناب رسالت مآبؐ کا ایک فرمان بھی ہے کہ ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنایا اور ہم نے مدینے کو حرم بنایا ہے۔

بعض لوگ ان دونوں کو اس طرح جمع کرتے ہیں کہ مکہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے پہلے بھی جائے امن تھا لیکن دنیاوی عذاب خسف وغیرہ سے لیکن حضرت ابراہیمؑ کی دُعا کے بعد جائے امن اور حرم بن گیا عظمت و ہیبت کے لحاظ سے اور بعض مفسّرین نے کہا ہے کہ حرم پہلے سے تھا اور حضرت ابراہیمؑ نے اس کے دوام کی دعا مانگی تھی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی

| وَاِسۡمٰعِيۡلُ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ |
|---|
| اے رب ہم سے قبول کر تحقیق تو سننے جاننے والا ہے اے رب ہم (باپ بیٹے) دونو کو اپنے حکم کے |
| لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبۡ عَلَيۡنَا اِنَّكَ اَنۡتَ |
| سامنے جھکنے والا قرار دے اور ہماری اولاد میں بھی ایک گروہ ایسا پیدا کر جو تیرے حکم کے سامنے جھکنے والے ہوں اور ہمیں اپنے مناسک سے آگاہ |
| التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ |
| فرما اور ہم پر رجوع رحمت فرما تحقیق تو بہت رجوع رحمت کرنیوالا مہربان ہے۔ اے رب اور بھیج ان میں ایک رسول ان میں سے جو پڑھے ان کے سامنے |
| الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۲۹﴾ |
| تیری آیات اور تعلیم دے اُن کو کتاب و شریعت کی اور ان کو پاک کرے تحقیق تو غالب حکمت والا ہے |

ہے کہ جو انسان مکہ کی پناہ لے لے وہ خدا کے عذاب سے بچ جاتا ہے اور جو جانور پرندہ وغیرہ اس میں داخل ہو جائے وہ لوگوں کی اذیت و گرفت سے امن میں آجاتا ہے۔ خداوند کریم نے عرب اقوام کے دلوں میں بھی اس کی تعظیم داخل کر دی تھی کہ جو بھی اس میں داخل ہو جاتا تھا اس کا جان و مال محفوظ سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ قبل از اسلام اگر کوئی شخص حرم مکہ کے اندر اپنے باپ کے قاتل کو بھی پالیتا تھا تو حرم کی عظمت کے پیش نظر اس سے انتقام نہ لیتا تھا۔ اور یہ عقیدہ حضرت اسمٰعیلؑ سے ان کو ورثہ میں ملا تھا۔

**مسئلہ** - اگر کسی شخص پر حدِ شرعی واجب ہو اور بھاگ کر حرم میں داخل ہو جائے تو شرعاً اس پر حرم کی حدود کے اندر حد لگانا حرام ہے۔ جب تک کہ وہ حرم سے باہر نہ ہو جائے بشرطیکہ اُس نے ارتکاب جرم حرم کی حدود سے باہر کیا ہو (از مجمع البیان)

وَارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ :- مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ثمرات سے مراد وہ میوہ جات وغیرہ ہیں جو گردو نواح سے ان کی طرف پہنچائے جائیں۔ اور حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس میوہ ہائے دل مراد ہیں یعنی اے اللہ اس کے ساکنین کو لوگوں کا محبوب بنا دے تاکہ آس پاس سے کچھ کر ان کی طرف آئیں اور حضرت ابراہیمؑ نے رزق کی دعا اہلِ مکہ میں سے اُن لوگوں کے لئے مخصوص فرمادی جو ایمان والے ہوں کیونکہ جب انہوں نے امامت کے لئے اپنی اولاد کا بالعموم نام لیا تھا تو ارشادِ قدرت ہوا تھا کہ یہ عہدہ ظالموں کو نہ دیا جائے گا لہذا اب کی مرتبہ دعا میں محتاط رویہ اختیار فرماتے ہوئے صرف مومنین کو مخصوص فرما دیا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دعا کو اہلِ ایمان کے ساتھ اس لئے مخصوص کیا ہے کہ اگر وسعتِ رزق کی دُعا میں مومن و کافر ہر ایک کو شریک کیا گیا تو کفار کی مکہ میں زیادتی فساد کی موجب ہو گی اور وہ مومنوں کو اعمالِ

حج سے منع کرنے لگیں گے۔ لہٰذا دعا ہی صرف مومنوں کے لئے فرمائی۔

وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا۔ یعنی کفار کو وہاں تھوڑا رزق دوں گا مُراد اس سے یعنی صرف زندگی دنیاوی اُن کی ہوگی۔ اس کے بعد عذابِ دائمی میں گرفتار ہوں گے۔ اور زندگی دُنیاوی اُخروی زندگی کے مقابلہ میں متاعِ قلیل ہی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ کفار کو مدّتِ قلیلہ تک وہاں رزق ملے گا اور اس سے مُراد حضرت رسولِ اکرمؐ کی بعثت یا فتح تک کا زمانہ ہے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ۔ روایاتِ آئمہ میں ہے کہ بیت اللہ کی بنا حضرت آدمؑ نے قائم کی تھی جو بعد میں ناپید ہوگئی اور اُسی کو حضرت ابراہیمؑ نے از سرِ نو کھڑا کیا۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ آسمان سے پہلی چیز جو نازل ہوئی وہ یہی بیت اللہ ہے جو مکہ میں رکھا گیا اور یہ یاقوت سُرخ کا تھا۔ جب حضرت نوحؑ کی قوم نے فسق کیا تو اس کو اٹھا لیا گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ سفید موتی کا تھا جسے اٹھا لیا گیا اور اس کی بنیاد پر حضرت ابراہیمؑ نے تعمیرِ نَو کا کام شروع کر دیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ ان کو پتھر اٹھا کر دیتے تھے اور وہ دیوار بناتے تھے اور روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی زبان عبرانی تھی پس وہ اپنی عبرانی زبان میں حضرت اسمٰعیلؑ کو فرماتے تھے جس کا مطلب تھا پتھر لاؤ اور حضرت اسمٰعیلؑ عربی میں جواب دیتے تھے يَا أَبَاهُ هَاكَ الْحَجَرَ ابا جان پتھر لیجئے پس حضرت اسمٰعیلؑ پہلے شخص ہیں۔ اولادِ ابراہیمؑ سے جنہوں نے عربی کو اپنی زبان بنایا۔

وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ۔ حضرت اسمٰعیل و حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہے کہ ہمیں اپنے حکم کے سامنے جھکنے والا قرار دے کہ تیرے ہر حکم کے سامنے ہمارا سرِ تسلیم خم رہے اور اس کی مزید وضاحت تفسیر کی جلد نمبر ۱۲ سورہ صافات کی تفسیر میں آئے گی۔

وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا۔ اس سے مراد حضرت محمد مصطفٰیؐ ہیں کیونکہ دعا مانگنے والے حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے سوائے آں حضورؐ کے اور کوئی نبی ہوا ہی نہیں اور حضورؐ کا ارشاد بھی ہے کہ میں ابراہیمؑ کی دعا اور عیسٰیؑ کی بشارت کا مصداق ہوں۔

## حضرت اسمٰعیلؑ اور اُن کی والدہ حضرت ہاجرہ کی ہجرت

تفاسیرِ معتبرہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام علاقہ شام میں سکونت پذیر تھے جب ہاجرہ کے شکم سے حضرت اسمٰعیلؑ کا تولد ہوا تو حضرت ابراہیم کی زوجہ حضرت سارہ بہت مغموم ہوئیں کیونکہ ان کے ہاں اولاد نہیں تھی پس وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو ہاجرہ کے معاملہ میں تکلیف دیتی تھیں۔ سورہ صافات کی تفسیر میں تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحٰقؑ سے کچھ بڑے تھے۔ ایک دفعہ تین برس کی عمر میں حضرت اسحٰقؑ باپ کی گود میں تھے کہ حضرت اسماعیلؑ آگئے اور انہوں نے اسحٰقؑ

کو باپ کی گود سے دھکیل کر خود ان کی جگہ لے لی۔ اور حضرت سارہ یہ ماجرا دیکھ رہی تھی پس ان سے رہا نہ گیا اور حضرت ابراہیمؑ سے عرض کی کہ میرے لئے چونکہ یہ بات قابل برداشت نہیں ہے لہذا ہاجرہ اور اسمٰعیل کو یہاں سے نکال دیجئے۔ پس آپ ان کو مکہ کی طرف لے گئے۔ تفسیر کی جلد ۱۲ میں مفصل ملاحظہ ہو۔) بہرکیف حضرت سارہ کا رویہ حضرت اسمٰعیل کی ولادت کے بعد حضرت ہاجرہ کے متعلق بہت سخت تھا چنانچہ وہ حضرت ابراہیمؑ کو بھی غم زدہ کرتی تھیں تو حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی بارگاہ میں اس امر کی شکایت کی۔ پس وحی ہوئی کہ عورت ٹیڑھی پسلی کی مانند ہے اگر اس کو اپنی حالت پر رہنے دیا جائے تو انسان کو نفع پہنچاتی ہے۔ اور اگر اس کو سیدھا کرنا چاہیں تو وہ ٹوٹ جائے گی اور حکم ہوا کہ آپ اسمٰعیلؑ اور ہاجرہ کو یہاں سے کسی اور مقام پر لے جائیں۔ ابراہیمؑ نے عرض کی کہ کہاں لے جاؤں؟ تو ارشاد ہوا میرے حرم اور جائے امن اور اس مقام کی طرف لے جائیے جو زمین کے ٹکڑوں میں سے خلقت کے لحاظ سے پہلا بقعہ ہے۔ اور وہ مکہ ہے۔ پس جبرائیل براق لے کر اترے اور حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و ہاجرہ کو سوار کیا۔ اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ پس اثنائے راہ میں جہاں کہیں آباد اور سرسبز و شاداب مقام آتا تھا تو جبرئیل سے دریافت فرماتے تھے کہ کیا یہی جگہ ہے؟ تو جبرئیل جواب دیتا تھا کہ نہیں بلکہ آگے ہے۔ یہاں تک کہ مکہ کی سرزمین پر پہنچ کر مقام کعبہ پر اتارا اور حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی سارہ سے وعدہ کر کے آئے تھے کہ میں وہاں سواری سے اترے بغیر واپس آؤں گا۔ وہاں ایک درخت تھا حضرت ہاجرہ کے پاس ایک چادر تھی اس کو اس درخت پر پھیلا کر سایہ بنایا اور حضرت ابراہیمؑ نے ان کو وہاں بٹھا کر واپس اپنی زوجہ سارہ کی طرف پلٹنے کا ارادہ فرمایا تو ہاجرہ نے عرض کی کہ آپ ہمیں ایسے مقام پر چھوڑے جاتے ہیں جہاں نہ انسانوں کی آبادی ہے اور نہ پانی و زراعت وغیرہ ہے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا مجھے اپنے ربّ کا یہی حکم ہے کہ تمہیں اسی مقام پر چھوڑوں پس یہ کہہ کر آپ واپس ہوئے جب ذی طویٰ کی پہاڑی پر پہنچے تو پیچھے مڑ کر اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے فرزند اسمٰعیلؑ کو دیکھا اور اللہ سے دعا مانگی۔ میرے اللہ! میں اپنی ذرّیت کو ایک غیر آباد وادی میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ الخ۔ اور پھر چلے گئے اور ہاجرہ رہ گئی۔ جب سورج بلند ہوا تو حضرت اسماعیلؑ کو پیاس لگی۔ حضرت ہاجرہ نے پانی کی تلاش میں وادی میں اِدھر اُدھر پھرنا شروع کیا یہاں تک کہ مقام سعی پر پہنچی (جہاں حاجی لوگ طوافِ بیت اللہ کے بعد صفا و مروہ کے درمیان دوڑتے ہیں) اور بی بی نے آواز بلند کی کہ آیا اس وادی میں کوئی انسان ہے؟ (لیکن انسان کا وہاں نام و نشان تک نہ تھا) اتنے میں حضرت اسماعیل نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ پس فوراً کوہ صفا پر چڑھ گئیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو وادی میں سراب کی چمک معلوم ہوئی سمجھا کہ پانی ہے۔ پس فوراً وہاں سے اتر کر وادی میں آئیں اور دوڑیں یہاں تک کہ کوہ مروہ تک پہنچیں پھر حضرت اسماعیلؑ نظر سے غائب ہو گئے تو کوہ مروہ پر چڑھیں اور صفا کی طرف جب نگاہ کی تو سراب کی چمک کو پانی سمجھا۔ پس اتر کر دوڑتی ہوئی صفا تک پہنچیں پس اسی تلاش میں کوہِ صفا سے مروہ تک اور مروہ سے صفا تک۔ بی بی نے سات چکر لگائے۔ ساتویں بار جب کوہ مروہ پر چڑھیں۔ اور اپنے

فرزند اسماعیل کی طرف نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ اسماعیلؑ کے قدموں کے مقام سے پانی جاری ہے۔ پس واپس آئیں اور بیٹھ کر پانی کے گرد مٹی کا بند لگانا شروع کر دیا اور اس کو تالاب کی صورت میں محدود کر لیا۔ زم زم اسی لئے اس کا نام مشہور ہو گیا۔ کیونکہ اس کا معنی روکنا ہوتا ہے۔ اور ہاجرہ نے چونکہ اس کو جاری ہونے سے روکا تھا پس وہ زمزم کے نام سے موسوم ہوا۔ قبیلہ جرہم اس وقت مقام ذوالمجاز اور عرفات میں اُترا ہوا تھا جب پانی یہاں ظاہر ہوا تو جانور اور پرندے اس مقام پر جمع ہوئے۔ قبیلہ والوں نے جب پرندوں کا اس طرف رُخ دیکھا تو سمجھا کہ اس طرف پانی ہوگا پس وہ یہاں آگئے کیا دیکھا کہ ایک عورت ہے اور ایک بچہ ہے جنہوں نے ڈیرہ لگایا ہے۔ درخت پر سایہ کے لئے چادر لٹکائی ہوئی ہے۔ اور پانی انہی کی بدولت یہاں ظاہر ہوا ہے تو انہوں نے کیفیت دریافت کی۔ حضرت ہاجرہ نے فرمایا کہ میں خلیل خدا حضرت ابراہیمؑ کی ام ولد (زوجہ) ہوں۔ اور یہ انہیں کا بچہ ہے اور خدا نے اُن کو ہمارے یہاں ٹھہرانے کا حکم فرمایا ہے۔ اُنہوں نے عرض کی اگر اجازت ہو تو ہم بھی آپ کی ہمسائیگی میں آباد ہو جائیں۔ ہاجرہ نے فرمایا جب تک مجھے حضرت ابراہیمؑ اجازت نہ دیں میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جب تیسرے روز حضرت ابراہیمؑ دیکھنے کے لئے پلٹے تو بی بی نے عرض کی کہ یہاں ایک قبیلہ جرہم قریب میں آباد ہے اگر آپ کی اجازت ہو تو وہ ہمارے ہمسایہ ہو جائیں۔ آپ نے اجازت دی اور چلے گئے۔ پس ہاجرہ نے جرہم کو اپنے قرب وجوار میں بسنے کی اجازت دی۔ اور وہ آکر یہاں آباد ہوئے۔ حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کو ان کی آبادی کی وجہ سے مانوسیت ہوگئی۔ جب حضرت ابراہیم دوسری دفعہ تشریف لائے تو لوگوں کی کثیر آبادی کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ قبیلہ جرہم میں سے ہر ایک آدمی نے حضرت اسماعیل کو کسی نے ایک کسی نے دو بکریاں ہبہ کی تھیں جس سے دونوں ماں بیٹے کا گزارا تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ جب جوان ہوئے تو خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو کعبہ کی تعمیر کا حکم فرمایا حضرت ابراہیم نے عرض کی کہ کس مقام پر کعبہ بناؤں؟ تو ارشاد ہوا کہ اس مقام پر جہاں حضرت آدمؑ پر قبہ نور اترا تھا جس کی وجہ سے تمام حرم منوّر رہتا تھا اور وہ قبہ طوفانِ نوحؑ کے زمانہ تک اسی مقام پر قائم رہا۔ جب طوفان سے دنیا غرق ہوئی تو خدا نے اس قبہ کو اٹھا لیا اور سوائے زمین کعبہ کے باقی تمام زمین پر پانی پھر گیا تھا۔ اسی وجہ سے کعبہ کو بیتِ عتیق بھی کہا جاتا ہے کیونکہ عتیق کا معنی ہے محفوظ۔ پس حضرت جبرئیل نے آکر حضرت ابراہیمؑ کو اس مقام کے نشانات بتلائے اور انہوں نے کعبہ کی تعمیر شروع کی الخ

**اقول** - حضرت ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ اور ہاجرہ کی خبرگیری کے لئے متعدد مرتبہ تشریف لاتے رہے لیکن جب ہاجرؑہ کا انتقال ہوا اور حضرت اسماعیلؑ نے شادی کی اس بار ذرا دیر کے بعد آئے تھے لہذا گذشتہ روایات اور اس روایت میں کوئی منافات نہیں ہے۔

امام جعفر صادقؑ علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ زمین کعبہ نے فخر کرتے ہوئے کہا کہ مجھ جیسا کون ہو سکتا ہے؟ حالانکہ خدا نے میری پشت پر کعبہ بنایا۔ ہر جانب سے لوگ میری زیارت کو آتے ہیں اور میں اللہ کا حرم اور جائے امن ہوں پس خدا

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى

اور نہیں منہ پھیرتا ملت ابراہیمی سے مگر وہ شخص جو اپنے نفس سے بے خبر ہو اور تحقیق ہم نے اس کو چن لیا دنیا میں اور تحقیق وہ

الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ

قیامت میں بھی صالحین کے گروہ میں ہوں گے　　جب کہ کہا اس کو اس کے رب نے کہ اطاعت قبول کر تو عرض

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

کی کہ میں نے اطاعت قبول کر لی ہے عالمین کے رب کی اور وصیت فرمائی اسی ملت کی ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے بھی کہ اے بیٹے تحقیق اللہ نے چن

نے وحی فرمائی کہ خاموش رہ اور ٹھہر جا کیونکہ تیری فضیلت زمین کربلا کی فضیلت کے مقابلہ میں ایسی ہے جس طرح نوکِ سوزن کو سمندر میں ڈبونے کے بعد جو نسبت اس کی تری کو سمندر کے پانی سے ہوتی ہے۔ اور (اے زمین کعبہ) اگر زمین کربلا نہ ہوتی تو تجھے یہ فضیلت حاصل نہ ہوتی اور اگر وہ ہستی نہ ہوتی جو زمین کربلا کی مدفون ہے تو نہ میں تجھے پیدا کرتا اور نہ اس گھر کو پیدا کرتا جس پر تجھے فخر ہے پس آرام کر اور تواضع اختیار کر۔ (سفینۃ البحار)

**وَمَنْ يَّرْغَبُ** - ملّتِ ابراہیمی تکمیلِ نفوسِ انسانیہ کا ایسا مکمل کورس ہے جس سے اعراض کرنا کسی صاحب عقلِ سلیم کے لئے جائز نہیں پس بنی آدم کے لئے ملّتِ ابراہیمی کی پیروی کی اس آیت مجیدہ میں دعوتِ عامہ ہے۔

جس طرح سابقاً آدمؑ کے ذکر سے عموماً اولادِ آدمؑ کو تحریکِ اطاعت و عبادت کی تھی اسی طرح اس مقام پر بنی اسرائیل کو بالخصوص متوجہ کیا گیا ہے کہ اپنے باپ کی ملّت کو چھوڑ کر کس طرف جاتے ہو حالانکہ وہ مصطفیٰ بھی ہے اور صالحین سے بھی ہے اور جناب رسالت مآبؐ کی طرف خطاب کا رُخ کر کے تاقیامت مسلمانوں کو بھی پیغامِ ہدایت ہے کہ خبردار ملّتِ ابراہیمی سے اعراض نہ کرنا اور منجملہ اُن کے مقامِ ابراہیم کو مصلّیٰ قرار دینا بھی ہے۔

**اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ** - سفہ کے معنی ہلاکت بھی ہوا ہے اور بیوقوفی اور بے خبری بھی ہے۔ یعنی ملّتِ ابراہیمی سے وہی روگردان ہو سکتا ہے جو اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا چاہے یعنی عذابِ خداوندی میں مبتلا کرنا چاہے یا اپنے نفس کو بیوقوف بنائے یا اپنے نفس کی قدر سے جاہل ہو۔ اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ - کے ماتحت معنی یہ ہوگا کہ ملّتِ ابراہیمؑ کو جس میں معرفتِ خدا کی دعوت ہے وہی ترک کر سکتا ہے جو اپنے نفس کو نہ پہچانتا ہو۔

**وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ الخ** - تمام لوگوں کے لئے بالعموم اور اولادِ ابراہیمؑ اور اولادِ یعقوب کے لئے بالخصوص۔ پھر تاکیدی پیغام ہے کہ ملّتِ اسلام کی پیروی کرنا تمہارے آباء حضرت ابراہیمؑ و حضرت یعقوبؑ کی تمہیں وصیت ہے اور نہیں

لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ

لیا ہے تمہارے لئے دین (اسلام) پس تمہیں موت نہ آئے مگر اس صورت میں کہ تم مسلمان ہو کیا تم حاضر تھے جب قریب ہوئی یعقوب کی

الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ

موت جب انہوں نے اپنی اولاد سے فرمایا تھا کہ کس کی عبادت کرو گے میرے بعد تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ عبادت کریں گے تیرے معبود کی اور تیرے

اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ

آباء ابراہیمؑ، اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی جو یکا و تنہا ہے اور ہم صرف اسی کے اطاعت گذار ہوں گے یہ گروہ تھا جو

قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

گذر گیا ان کا کیا ان کے لئے اور تمہارا کیا تمہارے لئے ہے اور ان کے کئے کا سوال تم سے نہ ہوگا

اس پر عمل کرنا واجب و لازم ہے۔

ملتِ اسلام ہی ملتِ ابراہیمؑ ہے جس کے قوانین و ضوابط و جملہ احکام مطابق عقل سلیم ہیں۔ ان سے انکار کرنا اور روگردانی کرنا بیوقوفی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ خدا کے برگزیدہ بندے مصطفیٰ اور صالحین سے تھے۔ ان کا طریقہ ہر شخص کے لئے واجب الاتباع ہے خصوصاً ان کی اولاد کے لئے اس کا ترک باعثِ شرم ہے۔ باوجود اس سب کچھ کے اپنی اولاد کو انہوں نے آخری دم تک اس کی وصیت بھی فرمائی تھی اور وصیت پر عمل کرنا واجب ہوا کرتا ہے۔

اِلٰهَ اٰبَآئِكَ۔ جب حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو جمع کر کے دریافت فرمایا تھا کہ کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ تیرے آباء کے معبود کی اطاعت کریں گے۔ اور دین اسلام پر رہیں گے اور انہوں نے حضرت یعقوب کے آباء سے مراد حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحٰق علیہم السّلام لئے تھے۔

یہ واضح رہے کہ آباء جمع ہے اب کی اور اس کا معنی باپ ہوا کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت یعقوب کے دادا تھے۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ ان کے چچا تھے۔ اور حضرت اسحٰقؑ والد تھے۔ پس قرآن کی اس اصطلاح سے معلوم ہوا کہ باپ کی لفظ دادا، چچا اور باپ ہر ایک پر بولی جا سکتی ہے۔

لہٰذا چونکہ مذہب امامیہ کا اعتقاد ہے کہ نبی و امام کے والدین کافر نہیں ہو سکتے پس جس جس مقام پر حضرت ابراہیمؑ کا اب آذر بتلایا گیا ہے جو کہ مشرک اور بُت پرست تھا اُس سے چچا مراد ہے۔ اور آذر حضرت ابراہیمؑ کے نسب میں چچا تھے ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ

اور وہ کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی تب ہدایت پاؤ گے فرما دیجئے بلکہ ہم تو ملت ابراہیمی کی پیروی کریں گے جو راہِ حق پر تھے اور مشرک

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

نہیں تھے ان کو کہو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس چیز پر جو ہماری طرف اُتری ہے اور جو اتری حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ

حضرت اسحاق حضرت یعقوب اور ان کی صالح اولاد پر اور اس چیز پر جو دیئے گئے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ اور اس چیز پر جو عطا کی گئی تمام نبیوں،

رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ

کو اپنے رب سے ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں جانتے اور ہم اسی کے اطاعت گزار ہیں پس اگر یہ لوگ اسی طرح ایمان لائیں جس

اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ

طرح تم ایمان لائے ہو تو تحقیق وہ ہدایت پر ہوں گے اور اگر اس سے روگردانی کریں تو یقیناً وہ باطل پر ہیں پس اللہ تیری ان سے کفایت کرے گا

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

اور وہ سننے جاننے والا ہے

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۔ اس آیت میں ان لوگوں کے عقیدہ کی تردید کی ہے جو اپنے باپ دادا کے کارناموں پر فخر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان کا عمل ہمارے لئے کافی ہے۔ اس آیت میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور تفسیر بیضاوی میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ بروزِ محشر باقی لوگ اپنے اعمال کو ساتھ لائیں اور تم اپنے انساب کا سہارا لے آؤ۔

قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۔ الخ ۔ یعنی یہودی کہتے تھے کہ یہودی ہو جاؤ اور نصاریٰ کہتے تھے کہ نصرانی ہو جاؤ۔ یعنی ان میں سے ہر ایک گروہ اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا تھا۔ پس حکم ہوا کہ ان کو ملتِ ابراہیم کی دعوت دو اور کہو کہ ہم تو اسی کی ملت پر ہی ہیں، اور وہ تمام باطل دینوں سے دُور اور حق پر ثابت تھے۔ اور آیت کے شانِ نزول کے متعلق مجمع البیان میں مروی ہے۔ ابن صوریا نے جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں عرض کی کہ ہدایت کا رستہ یہی ہے جس پر ہم ہیں۔ آپ بھی ہمارے دین پر آ جائیں اور نصرانیوں نے بھی آپ کو ایسے ہی الفاظ کہے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ

دین خدا (کی اطاعت کرو) اور کس کا دین بہتر ہے اللہ کے دین سے اور ہم تو اسی کے عبادت گذار ہیں کہہ دیجئے

اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ

کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے اور ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہیں

لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

اور ہم اسی کے خالص عبادت گذار ہیں کیا تم کہتے ہو کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۔ الخ یعنی جس قدر انبیاء خدا نے بھیجے ہیں ہم ان میں یہ فرق نہیں جانتے کہ کسی کو نبی مانیں اور کسی کی نبوت کا انکار کریں بلکہ ہماری نظروں میں سب برحق نبی تھے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب اس سے پہلی آیت اُتری اور آنحضورؐ نے یہودیوں اور نصرانیوں کے سامنے پڑھی تو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کا ذکر سُن کر انکار اور کفر کیا۔ اور نصرانیوں نے کہا کہ ہم عیسیٰ کو باقی انبیاء کی طرح نہیں جانتے بلکہ وہ تو اللہ کا فرزند تھا تب یہ آیت اُتری۔ پس اُن کے عقائد فاسدہ کی اصلاح کے لئے اور اُن کے مقولہ کی تردید کے لئے ارشاد ہوا کہ اگر ایمان اس طرح رکھیں کہ سب انبیاء کی نبوت برحق ہے اور ایمان لانے میں فرق نہ کریں اور نیز سب کو خدا کا بندہ سمجھیں تب تو درست ہے ورنہ ان کی باتیں سب فضول ہیں اور اُن کے پاس سوائے جھگڑے اور باطل پرستی کے اور کچھ نہیں اور رسولِ اکرمؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ خدا آپ کو ان کی شرارتوں سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ وہ اُن کی باتوں کو بھی سُنتا ہے اور اُن کے ضمائر کو بھی جانتا ہے۔

نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ وافی میں باب الاخلاص کافی سے مروی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ اس شخص کے لئے طوبیٰ ہے جو عبادت اور دُعا میں اخلاص کرے ہر آنکھوں کو لُبھانے والی چیز میں اس کا دل راغب نہ ہو۔ سُنی سنائی باتوں سے اللہ کے ذکر کو بُھلا نہ دے اور غیر کو اگر کوئی نعمت عطا ہو تو غمزدہ نہ ہو۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خالص عمل وہ ہے جس سے تجھے دُوسرے کی تکلیف مطلوب نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضامندی ہی مقصودِ خاطر ہو۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ ۔ یہودیوں کا نظریہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ اور یعقوبؑ و اسحاقؑ اور اُن کی اولاد سب دینِ یہود پر تھے اور نصاریٰ ان بزرگوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ دین نصاریٰ پر تھے پس خداوند کریم نے اس آیت میں ہر دو کے نظریوں کی تردید فرمائی ہے کہ ان بزرگوں پر اتہام کیوں لگاتے ہو کیا تم کو ان کے دین کا زیادہ علم ہے یا اللہ کو زیادہ علم ہے اور گذشتہ کتب میں

وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے کہ دیکھئے کیا تم زیادہ علم رکھتے ہو یا اللہ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو چھپائے اپنی

شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۱۴۰ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ

سچی گواہی کو اللہ سے اور خدا نہیں غافل اس چیز سے جو تم عمل کرتے ہو وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی ان کے

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔــلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۱۴۱

لئے ان کا کمایا اور تمہارے لئے وہ جو تم نے کمایا اور تم سے سوال نہ ہوگا اس چیز کا جو وہ کیا کرتے تھے

صاف طور پر جناب رسالت مآبؐ کے اوصاف مذکور ہیں۔ اور دین اسلام کی حقانیت ان کتابوں میں موجود ہے تو پھر کیسے کہتے ہو کہ یہ بزرگوار یہودیت یا نصرانیت کے پیرو تھے اور کلمۂ حق جو کتبِ سماویہ میں موجود ہے اس کو کیوں چھپاتے ہو۔ اور ظالم ترین ہے وہ شخص جو حق کی گواہی پر پردہ ڈالے۔

پارہ نمبر ۲

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ

عنقریب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان کو ان کے قبلہ سے جس پر پہلے تھے فرما دیجئے کہ اللہ کے لئے مشرق و مغرب ہے

وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً

وہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہتا ہے طرف راہِ راست کے اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو اُمّت بہترین تاکہ ہو جاؤ گواہ

وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي

یا حجت لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہ یا حجت اور نہیں بنایا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر آپ پہلے

## رکوع نمبر ۱ ۔ بحث تحویلِ قبلہ

سَيَقُولُ ۔ جب بنی اسرائیل کو اسلام پر آنے کی دعوت دی گئی تو انہوں نے ایک اعتراض تو یہ کیا کہ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ اور اُن کی نیک اولاد سب یہودیت یا نصرانیت کے دین پر تھے ۔گذشتہ آیات میں ان کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا۔

ان کا دوسرا اعتراض تحویلِ قبلہ سے پہلے تو یہ تھا کہ اگر ہمارا دین باطل ہے تو آپ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز کیوں پڑھتے ہیں ؟ پس جب قبلہ ہمارا درست ہے تو باقی دین ہمارا کیونکر غلط ہے ؟ اور جب تحویلِ قبلہ کا حکم ہوا ۔ اور بیت المقدس کی بجائے کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو اعتراض اس طرح کرنے لگے کہ اگر قبلہ تمہارا پہلا ٹھیک تھا تو دوسرا قبلہ (کعبہ) غلط ہے ۔ آپ ٹھیک کو چھوڑ کر غلط راستہ کیوں لے رہے ہیں ؟ اور اگر اللہ کے نزدیک یہ دوسرا قبلہ (کعبہ) ٹھیک ہے تو اس وقت تک آپ اس غلط قبلہ (بیت المقدس) کی طرف نماز کیوں پڑھتے رہے ہیں ؟

خداوند کریم نے ان کے اس اعتراض کو ان کی بے وقوفی سے تعبیر فرمایا ہے اور بعد میں ان کے اعتراض کا جواب ذکر فرمایا ہے ا۔ قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ ۔ مشرق و مغرب سب اللہ کے لئے ہیں ۔ اور وہ جس طرف منہ کرکے عبادت کرنے کا حکم دے اس میں کوئی قباحت نہیں اور اُس کے حکم کی اطاعت کرنا ہی سیدھا راستہ ہے ۔

۲۔ كَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ ۔ جس طرح ہم نے تم کو اپنا علیحدہ قبلہ (کعبہ) عطا فرما کر صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھا ہے اسی طرح ہم نے تمہیں اُمتوں میں سے بہترین اُمّت بھی بنایا ہے کہ تم لوگوں پر حجتِ خدا ہو۔ اور رسول تمہارے اُوپر حجت ہو یا تم لوگوں پر شاہد ہو اور رسولؐ تمہارے اُوپر شاہد ہے ۔تحویلِ قبلہ کے انعام سے اُمّت وسط بنانے کے انعام کو تشبیہ دی یعنی جس طرح یہ اُمّت تمام اُمتوں سے ممتاز ہے اُن کا قبلہ بھی تمام اُمتوں کے قبلہ ہائے نماز سے افضل و ممتاز ہے گویا یہ بنی اسرائیل کے اعتراض کا دوسرا جواب ہے میں نے اُن کے لئے کعبہ کو قبلہ قرار دے کر ان پر ایک احسان و انعام کیا ہے جس طرح اُمتوں میں سے میں نے ان

كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ

ثابت تھے مگر اس لئے کہ جانیں کہ کون اتباع کرتا ہے رسول کی اور کون پیچھے پلٹتا ہے اپنی ایڑیوں پر تحقیق

لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

یہ بڑا بوجھ ہے مگر ان لوگوں پر جن کو ہدایت اللہ نے فرمائی اور خدا نہیں ضائع فرماتا تمہاری

لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

سابقہ نمازیں تحقیق اللہ لوگوں پر شفیق و مہربان ہے

کو اُمتِ وسط قرار دیا ہے۔

۳۔ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ ۔ الخ۔ یعنی کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرنے کے لئے ہم نے تحویل قبلہ کا حکم دیا تاکہ عام پتہ چل جائے کہ رسول کی اطاعت دل وجان سے کرنے والے کون کون ہیں اور پیچھے ہٹنے والے کون ہیں؟ تفسیر برہان میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ مکہ والے چونکہ کعبہ سے زیادہ محبت رکھتے تھے اس لئے ان کی خواہشات کے خلاف بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کا حکم ہوا تاکہ خواہش کی اطاعت کرنے والے اور رسولؐ کی اطاعت کرنے والے الگ الگ ہو جائیں اور جب آپ مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف فرما ہوئے تو یہاں کے لوگ بیت المقدس سے مانوس تھے (کیونکہ مدینہ کے یہودی بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے) پس ان کی خواہشات کے خلاف کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا تاکہ رسول کے اطاعت گذار اور خواہش نفس کے پیچھے چلنے والے الگ الگ ہو جائیں اگرچہ یہ بات بڑی گراں اور بھاری تھی لیکن جن پر اللہ کی مہربانی ہو اور اس کی ہدایت و توفیق شامل حال ہو تو کوئی بڑی بات نہیں پس معلوم ہوا کہ خدا اپنی عبادت انسان کی مرضی کے خلاف چاہتا ہے تاکہ مخالفتِ خواہش میں اس کا اطاعت گذار ہونا معلوم ہو (مرادی ترجمہ)

۴۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۔ تفسیر عمدۃ البیان میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ورغلانے اور گمراہ کرنے کے لئے یہودیوں نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ شک پیدا کرنے شروع کئے تھے کہ تمہاری گذشتہ نمازیں سب ضائع ہو گئیں کیونکہ وہ قبلہ تمہارا درست نہ تھا اور مولوی اشرف علی تھانوی کے ترجمہ پر محشی نے ذکر کیا ہے کہ حی بن اخطب یہودی مسلمانوں میں اس قسم کے مکروہ پروپیگنڈے کرتا تھا تو خداوند کریم نے ان کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ تمہاری گذشتہ نمازیں خدا ضائع نہیں کرتا بلکہ اپنے وقت میں وہ قبلہ مشیت خداوندی کے ماتحت درست تھا۔ اور اب مصلحتِ ایزدی اس قبلہ میں ہے لہذا اب یہ درست ہے۔ پس وہ نمازیں بھی درست تھیں اور یہ بھی صحیح ہیں۔

تفسیر عیاشی سے مروی ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم ہوا تو مسلمانوں نے جناب رسولِ خدا سے دریافت کیا کہ ہماری گذشتہ نمازیں ضائع تو نہیں یا جو ہمارے مسلمان بھائی اس زمانہ میں انتقال کر گئے ان کو تو کوئی گرفت نہ ہو گی۔ پس یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا تمہارے ایمان (نماز کو) ضائع نہیں کرتا۔

تفسیر برہان میں امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے جس کا مختصر مطلب یہ ہے کہ جب تک جناب رسالتمآبؐ مکہ میں قیام پذیر رہے تو اُن کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز قائم کرنے کا حکم تھا تو آپ نماز کے وقت کعبہ کو بیت المقدس اور اپنے درمیان رکھتے تھے تاکہ دونوں کی طرف منہ ہو جائے۔ اور جب یہ صورت میسّر نہ آسکتی تھی تو بیت المقدس کی طرف منہ کیا کرتے تھے اور تیرہ سال کی مکّہ کی زندگی میں یہی طرزِ عمل رہا پھر جب مدینہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو ۱۶ ماہ یا ۱۷ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی پس یہودیوں نے اعتراضات شروع کر دیئے کہ عجیب بات ہے کہ محمدؐ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ہمارے یعنی یہود کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتا ہے۔ آپ پر یہ بات شاق گذری اور تحویلِ قبلہ کے لئے دعا مانگی اور اللہ نے اس کو شرفِ قبولیت بخشا چنانچہ کعبہ کو قبلہ قرار دینے کا حکم نازل ہوا۔ یہودیوں نے پھر اعتراض کرنا شروع کیا۔ اگر وہ حق تھا تو اُسے ترک کیوں کیا۔ اور اگر یہ حق ہے تو پہلے غلطی کیوں کی؟ جواب میں ارشاد ہوا کہ مشرق و مغرب اللہ کے لئے ہے۔ لہٰذا اس پر اعتراض کرنا بیوقوفی ہے۔ وہ اپنے اوامر کی مصلحتوں کو خود بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا تمہیں اس پر نکتہ چینی کا کوئی حق نہیں۔ جناب رسالتمآبؐ نے یہودیوں کو الزامی جواب بھی دیا۔ وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ تم کو خدا نے مچھلی کے شکار سے سینچر کے دن منع فرمایا تھا۔ اور باقی ایام میں تمہارے لئے جائز قرار دیا تھا اگر مچھلی کا شکار جائز تھا تو سینچر کے دن کو منع کیوں کیا اور ناجائز تھا تو باقی ایام میں روا کیوں رکھا؟ انہوں نے کہا کہ دونوں حکم جائز اور تابع مصلحتِ خداوندی تھے۔ پس آپؐ نے فرمایا۔ تحویل قبلہ کی بھی یہی صورت ہے کہ اپنے وقت میں وہ بھی صحیح تھا۔ اور اب یہ بھی صحیح ہے اور مصلحتِ خدا کے تابع ہے۔ اس کے بعد اُن کے دیگر شکوک کا جواب دینے کے بعد آپؐ نے فرمایا اے اللہ کے بندے تم بیمار کی حیثیت سے ہو۔ اور اللہ طبیب کی حیثیت سے ہے۔ تمہیں شفایابی کی ضرورت ہے خواہ طبیب علاج کا جو طریقہ بھی اختیار کرے اور بیمار کی شفایابی ہمیشہ طبیب کی منشاء کے مطابق علاج کرنے سے ہوتی ہے نہ کہ مریض کی رائے سے پس اللہ کے حکم کو تسلیم کرو۔ اسی میں ہی فائدہ ہے۔

**اُمّتِ وسط**۔ اہل بیتِ عصمت سے روایات بکثرت اس بارہ میں منقول ہیں کہ اُمّتِ وسط سے مُراد آئمہ اہل بیتؑ ہیں حضرت صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ نَحْنُ الْاُمَّةُ الْوُسْطٰی وَنَحْنُ شُھَدَآءُ اللهِ عَلٰی خَلْقِهٖ وَحُجَّتُهٗ فِیْ اَرْضِهٖ ہم اُمّتِ وسطیٰ ہیں۔ ہم اللہ کی طرف سے لوگوں پر گواہ ہیں اور ہم حجتِ اللہ ہیں۔ تفسیر برہان میں اس مضمون کی دس روایتیں منقول ہیں۔ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ سب اہلِ قبلہ (مسلمان) اس آیت کے مصداق ہیں لیکن تعجب کی بات

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

ہم دیکھتے ہیں آپ کے چہرے کا پلٹنا آسمان کی طرف پس ضرور ہم پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جس پر آپ خوش ہیں پس

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ

پھیر دو اپنے منہ کو طرف مسجد الحرام کے اور (اے مومنین) تم جہاں بھی ہو پس پھیر دو اپنے موہنوں کو طرف اس کے

ہے کہ جس شخص کی دنیا میں کھجور کے ایک صاع کے متعلق شہادت قابل قبول نہیں ہوتی۔ کیا قیامت کے دن خدا اس کی شہادت لے گا اور گذشتہ اُمتوں کے روبرو اس کی گواہی کو شرف قبولیت بخشے گا۔ ہرگز ہرگز خدا نے اس آیت میں اُمتِ وسط کی لفظ سے تمام اُمتِ اسلامیہ مراد نہیں لی بلکہ اس اُمت سے وہی اُمت مراد ہے جس کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے دُعا فرمائی تھی (رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ) اور اسی اُمت کے متعلق خدا فرماتا ہے (كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) پ۴۔

اور ان ہر دو آیتوں کی تفسیر میں آئمہ اہل بیت سے مروی ہے کہ اُمَّةً مُّسْلِمَةً سے مراد بھی آلِ محمدؐ ہیں اور خیر اُمت بھی آلِ محمدؐ ہیں۔

اس میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہجرت کے بعد کچھ عرصہ تک بیت المقدس قبلہ رہا لیکن وہ کتنی مدت تھی اس میں اختلاف ہے جس طرح تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے بقولِ ابن عباس ۱۷ ماہ یعنی ایک سال پانچ مہینے اور بروایت براء بن عازب ایک سال چار مہینے اور بقول انس بن مالک ۹ یا ۱۰ ماہ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے سات ماہ مروی ہیں۔

قَدْ نَرٰی۔ علاّمہ طبرسی نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ جب یہود نے آں حضرتؐ پر اعتراضات کئے تو آپ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور رات کو گھر سے باہر تشریف لا کر امرِ خدا کی انتظار میں آسمان کی طرف دیکھتے رہے جب صبح ہوئی اور نمازِ ظہر کا وقت آیا۔ آپ بنی سالم کی مسجد میں نمازِ ظہر کی دو رکعت ادا فرما چکے تھے تو جبریل نازل ہوا اور آپ کے بازوؤں سے پکڑ کر آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دیا اور یہی آیت اُتری۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تحویلِ قبلہ کے لئے آپ کو اس قدر انتظار کیوں تھی کہ رات کو گھر سے باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھتے اور وحی کا انتظار فرماتے تھے؟ تو اس کے لئے کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ خدا کا وعدہ تھا کہ آپ کا قبلہ بیت المقدس سے تبدیل کر کے خانہ کعبہ کو قرار دیا جائے گا لہٰذا آپ منتظر تھے۔

۲۔ ابنِ عباس سے مروی ہے کہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ و دیگر آپ کے آباء طاہرینؑ کا قبلہ تھا۔ اس لئے آپؐ کو اس سے محبت تھی

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

اور تحقیق وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے البتہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور خدا غافل نہیں ان کے

عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ

عمل سے اور اگر آپ لائیں ان لوگوں کے سامنے جن کو کتاب دی گئی ہے ہر قسم کی دلیلیں تب بھی وہ نہ مانیں گے

وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ

تیرے قبلہ کو اور نہ آپ اتباع کر سکتے ہیں اُن کے قبلہ کی اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو قبول کرتے ہیں اور اگر آپ اتباع کریں

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ

ان کی خواہشات کی بعد علم ہو جانے کے تو تحقیق آپ بھی ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے جن کو ہم نے

اور خواہش تھی کہ ہمارا قبلہ بھی وہی ہو۔

۳۔ یہود کی طعنہ زنی حد سے بڑھ چکی تھی۔

۴۔ چونکہ عرب اقوام کو کعبہ سے انس تھا۔ اس لئے کعبہ کے قبلہ ہونے کی خواہش آپ کے دل میں تھی تاکہ عرب قومیں زیادہ سے زیادہ دین اسلام میں داخل ہو سکیں۔ اور علامہ طبرسی نے احتمال کی صورت میں فیصلہ فرمایا ہے کہ ممکن ہے یہ سب صورتیں ملحوظِ خاطر ہوں کیونکہ ان وجوہ میں منافات کوئی نہیں۔

تفسیر برہان میں مروی ہے کہ بنی عبدالاشہل اپنی مسجد میں دو رکعت نماز بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے تو ان کو کہا گیا کہ تمہارے نبی نے کعبہ کو قبلہ بنا لیا ہے۔ پس اُنہوں نے فوراً کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا پہلے مرد آگے تھے اور عورتیں پیچھے۔ اس تبدیلی کی وجہ سے معاملہ برعکس ہو گیا اور باقی دو رکعتیں اُنہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں اور اُن کی ایک نماز دو قبلوں کی طرف ادا ہوئی۔ لہٰذا ان کی مسجد کو مسجد القبلتین کہا جاتا ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الخ۔ ان سے مراد علمائے یہود و نصاریٰ ہیں۔ اُنہیں یہ معلوم تھا کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم اللہ کی جانب سے ہی ہے باوجود اس کے پھر بھی اعتراض کرتے تھے۔ علامہ طبرسیؒ نے بیان فرمایا ہے کہ ان کو اس لئے معلوم تھا کہ انبیاء سابقین کی بشارت بھی تھی کہ آنے والے نبی کی صفات فلاں فلاں ہوں گی۔ اور منجملہ اُن کی صفات کے ایک یہ بھی ہے کہ وہ دو قبلوں کی طرف نماز پڑھے گا۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ۔ الخ۔ جناب رسالت مآبؐ کو ان کے قلبی رجحانات سے آگاہی دی گئی ہے کہ وہ عناد میں اس

اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ

کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ۔ اور تحقیق ایک گروہ ان سے البتہ حق پر

لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

جان بوجھ کر پردہ دیتا ہے حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس آپ کو ہرگز شک میں نہیں پڑنا چاہیے

حدتک پہنچ گئے ہیں کہ حق بات کو قبول کرتے ہی نہیں۔ اُن کے اعتراضات حق کی تلاش کے لئے نہیں بلکہ صرف عناد ہی عناد ہے۔ اگر آپ دلائل و براہین کے ڈھیر لگادیں تب بھی وہ ماننے کے نہیں۔ اور نہ اب آپ کو ان کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ پہلا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور اہلِ کتاب کے درمیان بھی قبلہ میں اختلاف ہے۔ وہ بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی طرف نہیں جھکتے۔

مجمع البیان میں بیان کیا گیا ہے کہ نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کرتے تھے جس طرف حضرت عیسیٰؑ کی جائے ولادت تھی۔ اور یہودی بیت المقدس کی طرف منہ کیا کرتے تھے۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ ۔ ظاہراً خطاب جناب رسالتمآبؐ کی طرف ہے اور مراد تمام اُمّتِ اسلامیہ ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ ۔ یعنی جناب رسالت مآبؐ کی جو اوصاف گذشتہ کتابوں میں مذکور تھیں۔ اُن کی رُو سے اہلِ کتاب کو جنابِ محمد مصطفٰےؐ کے برحق نبی ہونے کا اس طرح علم تھا جس طرح کہ ہر شخص اپنی اولاد کا علم رکھتا ہے لیکن باوجود علم ہونے کے اُن کے علماء عوام سے یہ بات چھپاتے تھے۔ پس خداوند کریم نے اسی وجہ سے ان کی مذمت فرمائی ہے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ ۔ یہ خطاب بھی ظاہراً جناب رسالت مآبؐ کی طرف ہے اور مراد تمام اُمّت ہے۔ واللہ اعلم

## احادیث ظہورِ قائم آلِ محمدؐ رکوع نمبر۲

وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ الخ[۱۹۳] اس آیت کے متعدد معانی کئے گئے ہیں۔ ایک وہ جو زیرِ آیت موجود ہے (۲) وِجْھَۃٌ کا معنی طریقہ یعنی ہر نبی اور صاحبِ ملّت کے لئے ایک ہی طریقہ ہے جس پر وہ عامل رہا ہے اور وہ طریقہ اسلام ہے۔ اگرچہ وقتی مصالح کے لحاظ سے جزوی احکام میں فرق رہا ہے (۳) ھُوَ کی ضمیر کا مرجع ذاتِ خدا ہو یعنی ہر قوم کے لئے اپنا اپنا قبلہ ہے۔ لیکن خداوند کریم سب کو کعبہ کی طرف ہی رُخ کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ سابق ادیان منسوخ ہو گئے ہیں۔ (۴) وِجْھَۃٌ کا معنی جہت۔ یعنی ہر شخص اپنے اپنے مقام پر ایک نہ ایک جہت میں ہے۔ کوئی مشرق میں ہے کوئی مغرب میں کوئی شمال میں کوئی جنوب میں لیکن خدا سب جہات والوں کو نمازوں میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا ۔ الخ ۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ تم جس جگہ بھی ہو بروز محشر خدا سب کو یکجا کر دے گا لیکن تفسیر اہلبیتؑ میں ہے کہ یہ آیت حضرت قائم آل محمدؐ کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ مجمع البیان میں امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ؕ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ

اور ہر صاحب ملت کے لئے ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے پس نیکیوں کی طرف بڑھو تم جہاں بھی ہوگے سب کو خدا جمع

اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

کرلے گا بلاشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جہاں آپ باہر نکلیں (اسی جگہ سے) پھیر دیں

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾

اپنا رخ طرف مسجد الحرام کے اور تحقیق یہ حکم حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور خدا تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے

حضرت قائمؑ کا ظہور ہوگا تو خدا ہر گوشۂ دنیا سے ہمارے شیعوں کو اُن کی طرف جمع کردے گا۔ اور ہوسکتا ہے کہ ظاہر کے لحاظ سے پہلا معنی مراد ہو۔ اور باطن کے اعتبار سے دوسرا معنی مراد ہو لہذا کوئی منافات نہیں ہے۔

تفسیر برہان ۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام اور امام محمدؑ باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت قائمؑ کے اصحاب رات کو اپنے بستر پر سوئیں گے اور صبح کو مکہ میں موجود ہوں گے چنانچہ یہ آیت اسی چیز پر دلالت کرتی ہے ۔ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت قائمؑ کی ندا سے تین سو تیرہ آدمی فوراً آپ کے پاس پہنچ جائیں گے اور یہ لوگ ان کی فوج کے علمبردار یعنی نشانچی ہوں گے۔ ان میں بعض رات کو گھر سوئیں گے اور صبح کو ان کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوں گے اور بعض دن کو بادل پر سوار ہو کر حاضرِ خدمت ہوں گے۔ حضرت قائمؑ ان کے ناموں سے مع ولدیت کے واقف ہوں گے اور اُن کا حسب و نسب بھی جانتے ہوں گے پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت پڑھی۔

بروایت جعفر جعفی حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اصحاب قائمؑ جو تین سو تیرہ ہیں آپ کے پاس بادل کے ٹکڑوں کی طرح فوراً اِدھر اُدھر سے جمع ہو جائیں گے۔ اور رکن و مقام کے درمیان (بیت اللہ) میں آپ کی بیعت کریں گے۔ آں جنابؑ کے پاس جناب رسالت مآبؐ کا عہد نامہ ہوگا جو ورثہ میں آپ کو پہنچا ہوگا پھر آپ نے بھی یہی آیت پڑھی یعنی أَيْنَ مَا تَكُونُوا ۔ الخ۔

بروایت ابو خالد کابلی حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے پہل حضرت جبرئیل آپ کی بیعت کریں گے اور اس کے بعد ۳۱۳ آپ کے اصحاب بیعت کریں گے اور فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کی تفسیر میں آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد ولایت اہل بیتؑ ہے۔

بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت قائم علیہ السلام کے اصحاب جب ایک دوسرے سے ملیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ سب ایک ماں باپ کے فرزند ہیں جو رات کو ایک دوسرے سے جدا ہو کر صبح کو ملاقات کر رہے ہیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ آیت مذکورہ کی تاویل یہی ہے اور فرمایا کہ حضرت قائمؑ ان کے شکموں اور پشتوں پر دستِ شفقت پھیریں گے جس سے وہ عالم ہو جائیں گے اور آپ کے دَورِ سعادت میں پھر وہی نجیب، قاضیٔ دین، حاکمِ وقت اور فقیہ ہوں گے۔

بحوالہ احتجاج حضرت شہزادہ عبدالعظیم حسنی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم میں سے ہر ایک قائم ہے لیکن وہ قائم جس کی بدولت خدا زمین کو کفر و الحاد سے پاک کرے گا اور عدل و انصاف سے پُر کرے گا۔ اس کی ولادت لوگوں پر مخفی ہوگی وہ خود غائب ہوں گے حتیٰ کہ ان کا نام لینا بھی درست نہ ہوگا۔ ان کا نام مبارک حضرت رسولؐ خدا کے نام کی مثل ہوگا اور ان کی کنیت بھی وہی ہوگی جو رسولِ خدا کی تھی۔ ان کے لئے زمین لپٹ جائے گی اور ہر سخت ان کے سامنے نرم ہو جائے گا۔ اہلِ بدر کی تعداد میں ان کے صحابہ ہوں گے جو اطرافِ زمین سے ان کے پاس جمع ہوں گے اور خدا کا قول اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا ۔ الخ انہی پر صادق ہے۔ جب یہ تعداد جمع ہو جائے گی تو وہ ظہور فرمائیں گے۔ اور جب تعداد دس ہزار تک پہنچے گی تو آپ باذنِ خدا مصروفِ جہاد ہوں گے اور دشمنانِ خدا کو تہ تیغ کریں گے۔ الخبر

اس مقام پر احادیث کثرت سے وارد ہیں میں نے اختصار کے پیشِ نظر ترک کر دی ہیں۔

**اقول**۔ حضرت قائم آلِ محمدؐ کے نام لینے کی ممانعت یا تو اس زمانہ کے اعتبار سے ہے جس زمانہ میں آپ غائب ہوئے تھے اور یہ امتناعی حکم غیبت کے معاملہ کی تاکید کے لئے ہے کیونکہ اس زمانہ میں آپ کا نام لینا ان کے راز کو فاش کرنے کے مترادف تھا۔ اور پھر اس حکم کو مصلحتاً عام کر دیا گیا۔ اور ممکن ہے نام لینے کی ممانعت میں ان کا کمالِ احترام مقصود ہو کیونکہ جس کا احترام مقصود ہوتا ہے اس کو اس کے نام سے بلانا یا ویسے اس کا نام لینا خلافِ ادب قرار دیا ہے بلکہ محترم ہستیوں کو ہمیشہ القاب سے ہی یاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حجتؑ کو نام لینے کی بجائے ان کے لقب سے یاد کرنا چاہیے مثلاً ولی العصرؑ، صاحبؑ الزمان حضرت حجتؑ یا قائم آلِ محمدؑ وغیرہ ۔ واللہ اعلم۔

## دعائے ظہور حضرت حجتؑ علیہ السلام

اَللّٰھُمَّ کُنْ لِوَلِیِّکَ الْحُجَّۃِ ابْنِ الْحَسَنِ صَلَوٰاتُکَ عَلَیْہِ وَعَلٰی آبَآئِہٖ فِیْ ھٰذِہِ السَّاعَۃِ وَفِیْ کُلِّ سَاعَۃٍ وَلِیًّا وَّ حَافِظًا وَّ قَائِدًا وَّ نَاصِرًا وَّ دَلِیْلًا وَّ عَیْنًا حَتّٰی تُسْکِنَہٗ اَرْضَکَ طَوْعًا وَّ تُمَتِّعَہٗ فِیْھَا طَوِیْلًا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ

اور آپ جہاں باہر تشریف لے جائیں (اسی مقام سے) اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دیں اور اسے (مسلمانوں) تم جہاں بھی

فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا

ہو پس پھیر دو اپنا منہ طرف اس کے تاکہ نہ باقی رہے لوگوں کی تمہارے اوپر کوئی حجت سوائے ان لوگوں کے جو ان میں

مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۱﴾

ظالم ہیں پس نہ ڈرو ان سے اور مجھ سے ہی ڈرو اور تاکہ پورا کروں میں اپنی نعمت کو تم پر اور تاکہ تم ہدایت پا جاؤ

وَمِنْ حَيْثُ ۔ الخ ۔ اس حکم کو دوبارہ ذکر کیا ہے تاکہ مسلمانوں کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے ۔ نیز پہلی آیت میں صرف قبلہ کی طرف منہ پھیرنے اور سابق حکم کے منسوخ کرنے کے وجوہات بیان کئے گئے ہیں ۔ اور یہاں حکم کو دہرایا گیا ہے اور اس کے وجوہات بیان کئے گئے ہیں ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ پہلی آیت میں حضر کا حکم ہے اور دوسری آیت میں سفر کا حکم ہے ۔

تحویل قبلہ کی تین وجہیں خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں ذکر فرمائی ہیں ۔

(۱) لِئَلَّا يَكُونَ تاکہ لوگوں کی تم پر حجت باقی نہ رہے اور وہ یہ کہ یہودی جانتے تھے کہ آخر الزمان پیغمبر کی نماز دو قبلوں کی طرف ہو گی اگر مسلمان ہمیشہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہتے تو وہ کہہ دیتے کہ یہ وہ نبی نہیں جس کی تورات نے خبر دی ہے کیونکہ وہ نبی تو قبلتین کی طرف نماز پڑھے گا ۔

یا یہ کہ اب کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم بالکل پکا اور ناقابلِ تنسیخ ہے تم جہاں بھی ہو اب کعبہ کی طرف منہ کر کے ہی نماز پڑھنا اور بیت المقدس کی طرف منہ نہ کرنا ورنہ یہودی پھر حجت کریں گے کہ دیکھو ہمارا قبلہ درست تھا بہر کیف یہودیوں کی حجت بازی کو ختم کرنا مقصود تھا تاکہ منصف مزاج طبقہ لب کشائی سے رُک جائے کیونکہ ظالم اور کج رو کی زبان بندی مشکل ہوتی ہے ۔

(۲) وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي ۔ مسلمانوں پر اپنی اس نعمت کا اتمام مقصود تھا کہ جس طرح رسولؐ کو انہی میں سے مبعوث فرمایا تھا اسی طرح قبلہ بھی کعبہ کو قرار دیا ہے جس سے یہ مانوس تھے ۔

(۳) وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۔ تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ، تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ ۔ یعنی غرض پرست اور خدا پرست چونکہ حکمِ خدا کی مخالفت اور موافقت سے پہچانے جاتے ہیں ۔ لہذا تحویلِ قبلہ کا حکم ہوا تاکہ مومن (خدا پرست) اور اغراض پرست الگ الگ ہو جائیں پس قبلہ کا یہ ردّ و بدل مومنین کی ثابت قدمی کے لئے ایک امتحانی مرحلہ تھا جس میں کامیاب ہونے والے ہی ہدایت یافتہ تھے ۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ

جس طرح ہم نے تم میں تمہاری قوم سے رسول بھیجا جو تلاوت کرتا ہے تمہارے اوپر ہماری آیات کی اور تمہیں پاک کرتا ہے

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور تمہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

پس مجھے یاد کرو تم تاکہ میں یاد کروں تم کو اور میرا شکر ادا کرو اور میری نعمات کا کفران نہ کرو

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ الخ۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جو دعا مانگی تھی خداوند کریم نے اُس کو قبول فرمایا تھا پس حضرت ابراہیمؑ کی دُعا میں جو کلمات تھے خداوندکریم نے اس آیت میں وہی ذکر فرمائے کہ میں نے بمطابق دُعائے ابراہیمؑ تم میں سے ہی رسول بھیجا ہے جو تمہارے سامنے ہماری آیات کو پڑھتا ہے اور تم کو بدعادتوں سے پاک کرتا ہے اور تم کو علومِ قرآن اور احکامِ شریعت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی نیک اور اچھی باتیں تمہیں تبلاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

اس آیت مجیدہ میں ظاہری اعتبار سے گو حضرتؐ کی بعثت کا اُمّتِ اسلامیہ پر احسان جتلایا گیا ہے لیکن کنایہ کے طور پر اہلِ کتاب کو دعوتِ فکر دی گئی ہے کہ دیکھو جس نبی کے لئے تمہارے جدِّاعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے دعا طلب کی تھی یہ وہی رسول ہے لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ اپنے جدِّ اعلیٰ کی روح کو خوش کرنے کے لئے اس رسولؐ کی اطاعت میں داخل ہو جاؤ اور اس کی تعلیم سے بہرہ ور ہو کر علومِ قرآنیہ سے اپنی کدورتیں دُور کرو اور دُنیا و عقبیٰ کی نعماتِ خداوندی کا استحقاق اپنے میں پیدا کرو۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ :۔ اِن نعمات کے ذکر کرنے کے بعد خداوندِ کریم اپنی اطاعت کی طرف متوجّہ فرماتا ہے۔ اس کی تفسیر میں علامہ طبرسیؒ نے حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ فرشتہ انسان کے عمل لکھنے کے لئے ابتدائے دن میں نازل ہوتا ہے اور ابتدائے شب میں بھی اترتا ہے۔ پس ان دونوں وقتوں میں اس کو اپنی نیکیاں ہی لکھواؤ تاکہ درمیان کے گناہ تمہارے خدا بخش دے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے تم مجھے یاد کرو اور میں تمہیں یاد کروں۔

تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ تسبیح فاطمہ الزہراؑ کا ذکر کثیر ہے جس کے متعلق خدا فرماتا ہے۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ ۔

## شہداء کی زندگی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ ۱۹۷ تفسیر برہان میں بطریق مخالفین بروایت موفق بن احمد ابن عباس سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جس جس جگہ آیت کی ابتداء

يَآ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۵۳﴾

اے ایمان والو مدد طلب کرو (اللہ سے) ساتھ صبر اور نماز کے تحقیق اللہ ساتھ صابرین کے ہے

وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰـكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾

اور نہ کہو ان کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے

وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَـوۡفِ وَالۡجُـوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ

اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور مالوں کی کمی سے اور نفسوں کی کمی سے اور پھلوں کی کمی سے،

يَآ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۔ سے ہے تو اس کا رئیس و امیر حضرت علیؑ ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کا شریف و امیر حضرت علیؑ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فضیل کو فرمایا کہ جس جگہ تمہاری ہمارے موالیان سے ملاقات ہو اُن کو میرا سلام کہنا اور یہ پیغام بھی پہنچا دینا کہ میں اللہ کی طرف سے تمہاری کسی چیز کا ضامن و ذمہ دار نہیں ہوں مگر پرہیزگاری اور تقوٰے کے ساتھ۔ پس اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو قابو میں رکھو اور صبر و نماز کو لازم پکڑو خدا صابرین کا ساتھی ہے۔

اور نیز ایک روایت میں یہاں صبر سے مُراد روزہ ہے۔

بَلۡ اَحۡيَآءٌ ۔ علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ شہداء حقیقۃً زندہ ہیں۔ اور اس کی تائید میں تہذیب الاحکام سے ایک روایت بھی اُنہوں نے نقل فرمائی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ایک حدیث میں یونس راویٔ حدیث کو فرمایا اے یونسؔ۔ خدا جب مومن کی روح کو قبض فرماتا ہے تو اس کو دنیاوی جسم کی طرح ایک جسم عنایت فرماتا ہے۔ پس مومنین وہاں کھاتے ہیں اور پیتے بھی ہیں اور کوئی مومن ان پر وارد ہوتا ہے تو اس کو اسی صورت سے پہچانتے ہیں جو اس کی دنیا میں تھی۔ اور ایک حدیث میں آپ نے ابوبصیر سے فرمایا کہ جنت میں مومنین کی صورتیں دنیاوی صورتوں کی طرح ہوں گی کہ اگر ان کو تو دیکھے تو پہچان لے کہ یہ فلاں آدمی ہے۔

ان روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہدا تو بجائے خود عام مومنین بھی مرنے کے بعد مُردہ نہیں ہوا کرتے پس آیت مجیدہ میں صرف راہِ خدا میں شہید ہونے والوں کو زندہ کہنا ان کی عظمتِ شان کے لئے ہے اور اس سے ان کی افضلیت کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔ ورنہ حدیث میں ہے۔ مَنۡ مَاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِيۡدًا ۔ یعنی جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت میں مرتا ہے وہ شہید مرتا ہے۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ

اور خوشخبری دو صبر کرنے والوں کو جن پر جب مصیبت آئے کوئی سی مصیبت تو کہیں تحقیق ہم اللہ کے لئے ہیں اور بیشک اس طرف

رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

پلٹنے والے ہیں ان لوگوں پر صلوات ہے اپنے رب کی طرف سے اور رحمت اور وہ لوگ صحیح راہ پانے والے ہیں

**سوال** ۔ ہم ظاہر میں دیکھتے ہیں کہ جو لوگ راہِ خدا میں قتل ہوتے ہیں یا بستر کی موت مرتے ہیں ان میں کوئی حس وحرکت نہیں ہوتی لہذا اُن کا زندہ ہونا اور نعماتِ خداوندی سے بہرہ ور ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔

**جواب** (۱) ۔ اُن کی زندگی مثالی اجسام کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور رُوح ان مثالی اجسام کے ساتھ نعماتِ خداوندی سے ہمکنار ہوتی ہے جس طرح گذشتہ روایات میں صراحت سے مذکور ہے۔

(۲) ۔ یہ ضروری نہیں کہ اگر جسم ظاہری طور پر خاموش ہو تو واقعاً بھی وہ مردہ ہو جس طرح سویا ہوا آدمی ظاہری صورت میں بالکل خاموش ہوتا ہے۔ اس میں کوئی حس وحرکت نہیں ہوتی حالانکہ درحقیقت وہ زندہ ہوا کرتا ہے اور خواب میں اطرافِ مملکت کی سیر میں مشغول ہوا کرتا ہے اور لذات وسرور میں منہمک ہوتا ہے جس سے ظاہر والے بے خبر ہوا کرتے ہیں اور خود جاگنے کے بعد اپنی بیداری سے ناخوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ کاش میری نیند طویل ہوتی اور میں جی بھر کر لذات سے بہرہ ور ہوتا۔ پس اسی طرح مرنے والے مومنین یا راہِ خدا میں قتل ہونے والے شہداء گو ظاہری طور پر ہمارے سامنے ان کے اعضا خاموش ہوا کرتے ہیں ۔ جن میں کوئی حس وحرکت نہیں ہوتی لیکن درحقیقت وہ نعماتِ خداوندی کے ساتھ لذّت اندوز ہوا کرتے ہیں چنانچہ بعض احادیث میں ہے کہ اس کو کہا جاتا ہے نَمْ نَوْمَةَ الْعَرُوْسِ ۔ اے مومن اب سو جا جس طرح تازہ شادی شدہ سوتے ہیں پس قبر کے سوال وجواب اور مومن کی جزا اور کافر کا عذاب جس طرح مذہب امامیہ کا اعتقاد ہے بالکل درست اور حق ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ۔ آیت مجیدہ کا ظاہر یہ ہے کہ خوف ۔ بھوک ۔ جانی و مالی نقصان اور ثمرات کا خسارہ (اس سے عام پھل مراد نہیں بلکہ اولاد مراد ہے کیونکہ عام پھلوں کا نقصان مالی نقصان میں آچکا ہے اور اولاد بھی انسان کا میوۂ دل ہوا کرتی ہے۔) ان سب چیزوں سے خداوندکریم مومنین کا امتحان کرتا ہے اور ان حالات پر صبر کرنے والوں کو جنّت کی بشارت دیتا ہے۔ اور ان پر اپنی صلوات ورحمت نازل فرماتا ہے۔

تفسیر بیضاوی میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جب کسی انسان کا فرزند مرجائے تو خداوندکریم ملائکہ کو فرماتا ہے کہ کیا تم نے میرے بندے کے فرزند کا رُوح قبض کیا ہے؟ وہ جواب میں ہاں کہتے ہیں تو پھر ارشاد ہوتا ہے کہ کیا تم نے

اس کے میوۂ دل کو توڑلیا ہے ؟ ملائکہ کہتے ہیں کہ ہاں ! پھر خدا فرماتا ہے کہ اس میرے بندے نے کیا کہا تھا ؟ تو فرشتے جواب دیتے ہیں کہ تیری حمدادا کی تھی اور کلمہ اِنَّا لِلّٰہ پڑھا تھا ۔ پس ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے کا گھر جنّت میں تعمیر کرو ، اور اُس کا نام بیت الحمد رکھو ۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے بطریق آباء طاہرینؑ جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ جس شخص میں چار صفتیں پائی جائیں وہ خدا کے نورِ اعظم میں ہوا کرتا ہے ۔

(۱) اس کا تمسک شہادت توحید و رسالت سے ہو ۔

(۲) جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو زبان پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کو جاری کرے ۔

(۳) جب اس پر کوئی خدا کی نعمت ہو تو کلمۂ حمد پڑھے ۔

(۴) جب اس سے گناہ سرزد ہو تو اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ زبان پر جاری کرے ۔

آیت مجیدہ کی یہ تفسیر ظاہری تھی لیکن باطنی تاویل کے متعلّق آئمہ علیہم السّلام سے منقول ہے کہ یہ چیزیں علائم ظہور حضرت قائم آلِ محمد علیہ السّلام سے ہیں کیونکہ آں جنابؑ کا جب ظہور قریب ہوگا تو لوگوں میں خوف و بدامنی زیادہ ہوگی اور قحط سالی بھی ہوگی جس سے بھوک عام اور مالی نقصان زیادہ ہوگا ۔ وبائی امراض زیادہ ہوں گی جس سے جانی نقصان بہت ہوگا اور جو مومن ہوں گے وہ صبر سے کام لیں گے اور یہ بشارت اُن لوگوں کے لئے ہے جو اُن حالات کا صبر سے مقابلہ کریں گے ۔

بعض تفاسیر میں ان آیات کا باطنی مصداق حضرت امام حسین علیہ السّلام کو قرار دیا گیا ہے ۔ اور یہ درست بھی ہے بلکہ ان آیات کا مصداق ان سے بڑھ کر شاید ہی کوئی اور ہوا ہو کیونکہ آیت مجیدہ میں ہے بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ الخ ۔ یعنی ہم قدرے خوف اور قدرے بھوک اور قدرے جانی مالی نقصان اور قدرے موت اولاد سے آزمائیں گے ۔ اور صبر کرنے والوں کے لئے بشارتِ جنت بھی ہے اور ان پر اللہ کی صلوات و رحمت بھی ہے کیونکہ مِن تبعیض کے لئے ہے اور اس کا معنی ہوتا ہے تھوڑا سا اور قدرے تو جب ان چیزوں کے تھوڑے سے اور قدرے نقصان پر صبر کرنے والوں کی یہ جزا ہے تو ان چیزوں کے زیادہ سے زیادہ نقصان پر صبر کرنے والوں کی جزا کا سوائے خدا کے اور کون اندازہ کر سکتا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السّلام پر جس قدر مصائب آئے اس قدر مصائب کسی پر نہیں گذرے ۔ خوف کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف دشمن ہی دشمن دکھائی دیتے تھے ۔ بھوک و پیاس کا یہ عالم تھا کہ دسویں محرم کی شب بچوں کو کہیں آرام نہ تھا پانی کے خالی جام اٹھا کر خیام کا طواف کرتے ۔ رات گذاری ۔ خشکی سے زبانیں تالو سے چمٹ گئی تھیں ۔ مالی نقصان کی تو حد ہوگئی کہ مردوں کے قتل ہو جانے کے بعد دشمنوں نے گھروں کو آگ لگا دی ۔ سامان لوٹ لیا ۔ حتّٰی کہ عورتوں کے سروں سے چادریں بھی چھین لیں بچوں کے گوشوارے تک کانوں سے اتار لئے ۔ جانی نقصان اس

سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ ششماہے شیرخوار سے لے کر بوڑھوں تک سب قتل ہوگئے اور انتہا یہ کہ ان کو بے غسل و کفن صحرائے کربلا کی تپتی ہوئی ریتی پر چھوڑ کر پردہ داروں کو ان کی لاشوں پر رونے تک نہ دیا گیا۔ اور باوجود ان تمام مصائب کے صبر کا یہ عالم تھا کہ آخر دم تک رضائے خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم رہا اور جس قدر مصائب آئے زبان پر اُف تک نہ لائے اور شکر پروردگار آخر تک زبان پر جاری رہا اور مرد تو بجائے خود عورتوں اور بچوں نے بھی ان مصائب کا ایسا دلیرانہ مقابلہ کیا کہ رہتی دنیا تک فرزندانِ توحید کے لئے ان کا کردار صبر و حوصلہ اور عزم و استقلال مشعلِ راہ کا کام دیتا رہے گا۔

**سوال**: جب مصائب پر صبر کرنا خاصانِ خدا کا طرۂ امتیاز ہے تو ان کے مصائب پر گریہ وزاری کرنا کیونکر جائز ہے پس چاہیے کہ مصائب پر گریہ بھی نہ کیا جائے؟

**جواب**۔ مصائب پر گریہ کرنا فطری چیز ہے البتہ یہ ضروری چیز ہے کہ گریہ میں رضائے خدا کے خلاف کوئی مظاہرہ نہ ہو نہ زبان سے حرفِ شکایت نکلے اور نہ عمل سے اس قسم کا اظہار ہو۔ صبر کا معنی ہے حدودِ شرعیہ کے اندر اپنے قول وفعل کو محدود رکھنا اور بے صبری کا مطلب ہے حدودِ خدا کو توڑ کر باہر چلا جانا خدا کی خوشنودی کے پیشِ نظر خاصانِ خدا کے فراق میں رونا خاصانِ خدا سے محبت کی دلیل ہے اور بے صبری نہیں بلکہ قربِ خداوندی کا پیش خیمہ ہے اور اگر یہ رونا بے صبری ہوتا تو حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کے فراق میں رو کر آنکھیں کھو بیٹھنے کے بعد حلیم نہ کہا جاتا۔ اور حضرت رسولِ خدا نے حضرت حمزہ کا ماتم اپنے گھر میں خود نہ بپا کرایا ہوتا۔ شیعہ کا مصائبِ شہداء پر گریہ خدا کی ناسپاسی اور بے شکری نہیں بلکہ ان کے مصائب پر رونا اُمتِ رسول کی بے قدری و بے دردی کا رونا ہے کہ ایسے محسنانِ اسلام کو انہوں نے احسان کا یہ بدلہ دیا۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ الخ۔ انہی مصائب پر صبر کرنے والوں پر خدا کی طرف سے درود و رحمت ہے۔ اور وہی ہیں ہدایت پانے والے۔ علامہ حلّی قدس سرہ نے ایک مناظرہ میں اہلِ بیت اطہار پر درود و سلام ثابت کرنے کے لئے انہی آیات سے استدلال فرمایا تھا۔ اس مقام پر ان کا واقعہ گو موضوعِ بحث سے باہر ہے لیکن اختصار سے ذکر کرتا ہوں اُمید ہے مومنین کے لئے استفادہ کا موجب ہوگا۔

شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ نے سفینۃ البحار باب الشین میں مستدرک سے اختصاراً نقل فرمایا ہے جس کو میں اور مختصر کرتا ہوں تاکہ طول نہ ہو۔

ہلاکو خان کے پوتے کا بیٹا یعنی پڑپوتا سلطان غازان خان جو ۷۰۳ھ میں بغداد کا بادشاہ تھا۔ اس کے دورِ سلطنت میں ایک دفعہ بروزِ جمعہ ایک سیّد نے بغداد کی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ کے بعد انفرادی طور پر نمازِ ظہر پڑھی۔ لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ یہ شیعہ ہے۔ پس انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ سیّد مرحوم کے رشتہ داروں نے بادشاہ سے شکایت کی اور واقعہ بیان کیا بادشاہ کو بڑا رنج ہوا کہ اولادِ

رسول میں سے ایک شخص صرف نماز ظہر علیحدہ پڑھنے کے جرم میں قتل کیا گیا۔ بادشاہ کو اس وقت تک مذاہب اسلامیہ کی حقیقت کا علم نہ تھا پس اُس دن سے اُس نے مذہب کی تلاش شروع کر دی۔ امیر طرمطار جو بادشاہ کے خواص میں سے تھا اور بچپنے سے بادشاہ کا خادم تھا اُس نے بادشاہ کے سامنے مذہب شیعہ کی حقیقت بیان کی۔ چنانچہ بادشاہ نے دیگر مذاہب کو ٹھکرا کر شیعیت کو اپنا لیا اور اس کے بعد اُس نے سادات کے احترام میں کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور آئمہ معصومین علیہم السّلام کے مشاہد کی بھی تعمیر کی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بھائی سلطان محمد سروف شاہ خدا بندہ تخت نشین ہوا اور وہ حنفی المذہب اور حنفی علماء کا احترام کرتا تھا جو اپنے مذہب میں متعصب تھے۔ بادشاہ کا وزیر خواجہ رشید الدین شافعی بہت کڑھتا تھا لیکن بادشاہ کے میلان کی وجہ سے بے بس تھا یہاں تک کہ قاضی نظام الدین شافعی جو منقولات و معقولات میں بہت ماہر تھا۔ مراغہ سے چل کر یہاں آیا۔ بادشاہ نے اس کے علم کے پیش نظر اس کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ وہ بادشاہ کے سامنے حنفی علماء سے مناظرے کرتا تھا اور ان کو لاجواب کر دیتا تھا حتیٰ کہ بادشاہ نے مذہب حنفی ترک کر کے مذہب شافعی اختیار کر لیا۔ ۷۰۹ھ میں بخارا سے ایک حنفی عالم ابن صدر جہاں بغداد پہنچا تو مقامی علماء نے نظام الدین قاضی کی اس سے شکایت کی۔ اُس نے اس مشکل کے حل کرنے کا ان سے وعدہ کیا پس بروز جمعہ بادشاہ کے حضور میں اُس نے قاضی نظام الدین سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ اگر ایک شخص کسی عورت سے زنا کرے اور اُسی زنا سے لڑکی پیدا ہو۔ کیا وہ لڑکی اس زانی کے نکاح میں آسکتی ہے بمطابق مذہب شافعی جواب دیجئے؟ قاضی نے جواب دیا کہ ہاں بیشک آسکتی ہے جس طرح کہ مذہب حنفیہ میں ماں بہن نکاح میں آسکتی ہیں اس بحث میں بڑی لے دے ہوئی۔ ابن صدر جہاں حنفی نے اس مسئلہ کا انکار کر دیا تو قاضی نے امام ابوحنیفہ کے منظومہ میں سے یہ شعر پڑھا۔

وَلَيْسَ فِيْ لِوَاطَةٍ مِنْ حَدٍّ وَلَا بِوَطْيِ الْاُخْتِ بَعْدَ عَقْدٍ

پس وہ خاموش ہو گیا۔ بادشاہ اور دیگر اُمراء اس بحث کے نتیجہ میں بہت نادم ہوئے اور بادشاہ غضبناک ہو کر اُٹھ گیا اور مذہب اسلام کے اختیار کرنے پر پشیمان ہوا کہ یہ عجیب مذہب ہے کہ کوئی لڑکی کے نکاح کے جواز کا قائل ہے اور کوئی ماں بہن کے نکاح کو جائز کہتا ہے۔

**اقول:** حقیقت یہ ہے کہ عام طور پر مناظرین اپنے مذہب کی صداقت ثابت کرنے کی بجائے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا اپنی کامیابی کا زینہ سمجھتے ہیں اور اس قسم کے لوگ ہر مذہب میں پائے جاتے ہیں وہ اپنے خیال میں مذہب کی حمایت کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ مذہب کے بدترین دشمن ہوتے ہیں دوسرے کو گالی دینا معیار صداقت نہیں ہوتا بلکہ دلیل و برہان اور عمل و کردار سے مذہب کے اُصول و فروع کی نقاب کشائی ہی صداقت کا طرۂ امتیاز ہے۔

امیر طرمطار نے جب یہ ماجرا دیکھا تو بادشاہ کو مذہب شیعہ کی حقیقت معلوم کرنے کی دعوت دی۔ بادشاہ شیعہ کی لفظ

سن کر نہایت غیظ و غضب سے تلملا اٹھا کہ او بدبخت تو مجھے رافضی بنانا چاہتا ہے۔

**اقول** ۔ موجودہ درباری علماء نے مذہبِ شیعہ کو بادشاہ کے سامنے ایک ایسے بُرے رنگ میں ظاہر کیا ہوا تھا کہ بادشاہ شیعہ کا نام سن کر آگ بگولہ ہو گیا چنانچہ آج کل بھی ناواقف لوگوں کے سامنے شیعہ مذہب کی حقیقت و صورت ایسے ہی بدنما خدوخال سے پیش کی جاتی ہے کہ لوگ فریب خوردہ ہو کر شیعہ کے نام سے ہی نفرت کرنے لگ جاتے ہیں۔

آخر کار امیر طرمطار کے اصرار سے بادشاہ نے علامہ حلّی اور ان کے فرزند فخر المحققین کو دعوت دے دی۔ علامہ کے پاس اپنی تصنیفات میں سے نہج الحق اور منہاج الکرامۃ موجود تھیں جو بادشاہ کو ہدیہ کے طور پر پیش کیں۔ علامہ سے مناظرہ کرنے کے لئے قاضی نظام الدین شافعی کا انتخاب عمل میں آیا۔ دربار شاہی میں علمائے اسلام کے بھرے مجمع میں علامہ موصوف نے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کی خلافتِ بلافصل کو براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے ثابت فرمایا کہ قاضی مذکور کو رد کرنے کی جرأت نہ ہو سکی اور اس کے لئے بغیر تسلیم کے اور کوئی چارہ نہ رہا اور آخر کار یہی عذر پیش کیا کہ ابتدائے اسلام سے آج تک جن لوگوں کو ہم خلیفۂ رسول مانتے چلے آرہے ہیں ان کی خلافت کا انکار اسلام میں تفرقہ ڈالنے کا موجب ہے۔ لہٰذا ہم نہ اُن پر طعن کر سکتے ہیں اور نہ ان کی غلطیوں کو ظاہر کر سکتے ہیں۔ پس قاضی کا دبی زبان سے خلفائے ثلٰثہ کی خلافت سے انکار مناظرے کا فیصلہ تھا فوراً ہی بادشاہ اور اکثر امرائے مذہبِ شیعہ اختیار کر لیا۔ بادشاہ نے خطبۂ جمعہ میں خلفائے ثلٰثہ کے ناموں کی بجائے آئمہ اثنا عشر کے اسمائے طاہرہ کے ذکر کا اطراف مملکت میں حکم بھیج دیا اس کے بعد علامہ نے نہایت فصیح و بلیغ تقریر فرمائی جس میں حمد و ثنا کے بعد محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام بھیجا۔ سید رکن الدین موصلی جو علامہ کی کامیابی اور مذہب شیعہ کی فتح پر دل سے جل رہا تھا اور علامہ پر نکتہ چینی کا بہانہ تلاش کر رہا تھا اُس نے اٹھ کر فوراً اعتراض کیا کہ غیر نبی پر صلوات کہاں سے جائز ہے؟ علامہ قدس سرہ نے قرآن مجید کی یہی آیات تلاوت فرمائیں کہ جن لوگوں پر مصائب آئے اور راہِ خدا میں خوشنودئ خدا کے پیشِ نظر ان کو برداشت کر کے صبر کیا۔ ان پر خدا کی طرف سے صلوات و رحمت ہے اور وہی ہدایت والے ہیں۔ سید موصلی نے اعتراض کیا کہ حضرت علیؑ اور ان کی اولاد پر کیا مصیبت آئی؟ علامہ نے اس کے بعد مصائب اہل بیت کا ذکر کیا اور آخر میں فرمایا کہ اس سے بڑھ کر اور مصیبت کیا ہو گی کہ تو ان کی اولاد سے کہلواتا ہے اور اُن کے مخالفین کے نقش قدم پر ہو کر ان کو اہلِ بیتؑ سے افضل مانتا ہے؟ حاضرین نے علامہ کا جواب پسند کیا اور وہ شرمندہ ہوا۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمد و اٰل محمد۔

انّ الصفا ۔ الخ ۔ کوہ صفا کو صفا اس لئے کہا گیا ہے کہ اس پر حضرت آدم صفی اللہ اترے تھے اور مروہ کو مروہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس پر حضرت حوا اتری تھیں اور یہ مرأۃ سے مشتق ہے جس کا معنی عورت ہے۔

گذشتہ آیتوں میں بیان فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں وہ مردہ نہیں ہوتے اور جو مصائب پر ثابت رہتے

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

تحقیق (کوہ) صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو شخص حج بیت اللہ یا عمرہ بجالائے پس کوئی حرج اس پر نہیں کہ ان

عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵۸﴾ إِنَّ

دونوں کا طواف بھی کرے اور جو شخص بخوشی نیک عمل کرے تو اللہ اس کی نیکی کا قدردان اور جاننے والا ہے ۔ تحقیق

الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي

وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جس کو ہم نے واضح طور پر ہدایت کے لئے نازل کیا بعد اس کے کہ ہم نے اس کو بیان کر دیا لوگوں کے لئے

الْكِتٰبِ أُولٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا

کتاب (توراۃ و انجیل) میں ایسے لوگوں پر خدا لعنت کرتا ہے اور باقی لعنت کرنیوالے بھی لعنت کرتے ہیں مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کی

ہیں ۔ ان پر اللہ کی رحمت اور درود ہوتا ہے ۔

پس اس آیت میں راہِ خدا میں قربانی پیش کرنے والوں اور مصائب پر صبر کرنے والوں کی زندگی کی ایک مثال پیش فرما دی کہ دیکھو اللہ کی راہ میں مصائب و آلام پر صبر کرنے والے جس طرح نعماتِ جنت میں ہمیشہ کی زندگی سے ہمکنار ہیں ۔ اسی طرح دنیا میں بھی ان کے نقوش و یادگاریں تاقیامت باقی رہتی ہیں اور ظاہری آنکھوں سے گو اوجھل ہیں لیکن ان کے آثار و نشانات کو میں نے اپنے شعائر قرار دے کر ہمیشہ کی زندگی عطا کر دی ۔ پس تاقیامت جو شخص فریضہ حج یا عمرہ ادا کرے گا ۔ اس پر لازم ہے کہ وہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑے کیونکہ یہ میرے شعائر ہیں پس جب گذشتہ انبیا کی یادگاریں شعائر اللہ ہیں تو حضرت رسالتمآب یا ان کے اوصیاء کی یادگاریں کیوں نہ شعائر اللہ ہوں گی جن کی مظلومیت اور ناحق خون کی داستان صفحۂ آسمان کے اطراف پر آفاق کی سرخی سے نمایاں طور پر لکھی ہوئی ہے جیساکہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ذکر کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے پہلے افق پر یہ سرخی نہیں تھی جو صبح و شام ظاہر ہوا کرتی ہے ۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ : مذہب شیعہ میں طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا (دوڑنا) واجب ہے لیکن آیت میں یہ ہے کہ اگر ان کا طواف کرے تو حرج کوئی نہیں اس سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر نہ بھی کرے تب بھی حرج نہیں تو اس کا جواب تین طریقوں سے دیا گیا ہے ۔

(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حج کا حکم ہوا تو ابتداءً مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ شاید صفا و مروہ کے درمیان طواف کرنا کفار و مشرکین کی ایجاد ہے لہذا یہ آیت اُتری کہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی خدائی حکم ہے کفار کی ایجاد نہیں ۔

وَبَيَّنُوا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا

اور بیان کردیا پس ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہوں — تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت

وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

میں مرگئے تو ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ

اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ ہلکا ہوگا ان سے عذاب اور نہ وہ مہلت دئے جائیں گے — اور تمہارا معبود

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

صرف ایک ہے کوئی معبود سوائے اس کے نہیں وہ رحمٰن و رحیم ہے

یہ بھی رکن حج ہے۔

(۲) حضرت صادق علیہ السّلام سے ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت عمرۂ قضا میں اُتری کہ جب جناب رسالت مآبؐ قضائے عمرہ کے لئے وارد مکہ ہوئے تو کفار سے کہا کہ صفا و مروہ سے وہ اپنے بت اٹھالیں چنانچہ اُنہوں نے اٹھالئے اور حضرت رسولؐ خدا نے مع صحابہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اس کے بعد کفّار نے پھر اپنے بت وہاں رکھ دئے۔ ایک صحابی کو کچھ دیر ہوگئی تھی جب وہ سعی کرنے کے لئے آیا تو بت رکھے جا چکے تھے لہذا اُس نے سعی کرنا پسند نہ کیا تب یہ آیت اتری کہ کوئی گناہ نہیں ہے تم اپنا رکن حج ترک مت کرو۔

۳۔ کہتے ہیں کہ صفا پر جو بت تھا اُس کا نام اساف تھا اور مروہ پر جو بُت تھا اس کا نام نائلہ تھا۔ مشرک لوگ اُن کا طواف کرتے ہوئے اُن کو بوسہ بھی دیتے تھے اور مسلمان اس کو گناہ سمجھتے تھے لہذا یہ آیت اتری کہ سعی کرنا گناہ نہیں ہے بلکہ فعلِ ثواب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ۔ ظاہری طور پر یہ آیات گو اہلِ کتاب کے لئے ہیں لیکن باطنی طور پر تاقیامت جو بھی اس صفت سے متّصف ہوگا وہی ان آیات کا مصداق ہوگا۔ چنانچہ حضرت امیرؑ سے پوچھا گیا کہ انبیاء اور آئمہ کے بعد مخلوقِ خدا سے افضل کون ہے فرمایا کہ نیک علماء اور پھر سوال کیا کہ ابلیس و فرعون کے بعد بدترین انسان کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ علمائے بد ہیں جو باطل کو ظاہر کریں اور حق پر پردہ دیں ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ (البرہان)

جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جس شخص سے ایک مسئلہ دریافت کیا جائے اور وہ باوجود جاننے کے اس کو چھپائے بروزِ محشر اس کے منہ میں آتشِ جہنم کی لگام دی جائے گی۔ (مجمع البیان)

| |
|---|
| اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ |
| تحقیق آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں اور شب و روز کے اختلاف میں اور کشتیوں میں جو دریاؤں میں چلتی |
| فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ |
| ہیں ساتھ انسانی فوائد کے اور اس میں کہ نازل فرمایا ہے اللہ نے آسمان سے بارش کا پانی پس زندہ کیا ہے زمین |
| الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ |
| کو بعد مردہ ہونے کے اور پھیلا دیا اس میں ہر قسم کے زمین پر چلنے والے جانوروں کو اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور |
| الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ |
| بادلوں میں جو مسخر یعنی مطیع ہیں آسمان و زمین کے درمیان (خدا کی وحدانیت کی واضح) دلیلیں ہیں عقل رکھنے والوں کے لئے |

**ادلۂ توحید** ربط۔ یہاں تک بنی اسرائیل کے متعلق خطاب رہا۔ ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے اور مومنین کو تلقین صبر کی اور مصائب پر ثابت قدم رہنے کا حکم دے کر ان کو تسلّی دی کہ دین حق پر قربانی اور راہ خدا پر مرمٹنا حیات جاودانی کا موجب ہے ایسے لوگ خود بھی زندہ ہوا کرتے ہیں اور اُن کے آثار بھی زندہ ہوا کرتے ہیں۔ اور جو لوگ حق کو چھپائیں اُن پر خدا کی بھی لعنت اور دوسرے لعنت کرنے والوں کی بھی لعنت ہے اور آخرت کا عذاب دائمی بھی اُن کے لئے ہے۔

ان بیانات کے بعد عقیدۂ توحید کی وضاحت فرماتا ہے جو دین اسلام کی بنیاد ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک اللہ ہے جو تمام مخلوق پر بڑا مہربان ہے۔ اور اس عقیدہ کے اثبات کے لئے عقلی براہین کو پیش فرمایا ہے تاکہ کسی ذی ہوش کے لئے مجال انکار نہ رہے چنانچہ فرماتا ہے اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ۔

۱۔ آسمان و زمین کا پیدا کرنا کہ کس طرح ان کو بغیر مادہ کے صحیح و مناسب انداز سے اللہ نے پیدا کیا۔ آسمانوں کو بغیر ستونوں کے قرار بخشا اور سطح زمین کو نہایت فائدہ بخش صورت میں خلق فرمایا۔ نہ اس قدر نرم کہ انسان اس میں دھنس جائیں اور نہ اتنی سخت کہ چلتے وقت پاؤں کو زخمی کردے اور ایسی حکمت و تدبیر سے خلق فرمایا کہ عیب جوئی کی مجال تک نہیں۔

۲۔ پھر شب و روز کا اختلاف کہ آسمان پر سورج کو گردش دے کر شب و روز کے اوقات معین فرمائے اگر ہمیشہ دن یا رات ہوتی تو مخلوق کو یہ چین و آرام کی زندگی نصیب نہ ہوسکتی جو دن و رات کی تبدیلی میں ہے۔ دن کو کاروبار کے لئے اور رات کو آرام کے لئے بنایا پھر اپنی حکمت و قدرت کاملہ سے سورج کی گردش کو ایسے انداز سے رکھا کہ کبھی دن بڑھ جاتا ہے اور رات چھوٹی ہوجاتی

ہے۔ اور کبھی رات بڑھ جاتی ہے اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور اسی سے موسموں کی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جو انسانی زندگی میں صحیح توازن کی موجب ہیں۔

۳۔ پانیوں میں کشتیوں کی روانی۔ چونکہ زمین کا اکثر حصہ پانی کے نیچے ہے صرف ۱/۴ حصہ پانی سے باہر ہے اور اسی ظاہر حصہ میں بھی دریا وغیرہ بکثرت جاری ہیں جو ایک علاقہ کو دوسرے علاقہ سے جدا کرنے کے موجب ہیں۔ اس نے اپنی حکمت کاملہ سے پانی میں وہ قوت پیدا کر دی کہ کشتیوں اور جہازوں کو اپنی سطح پر اٹھا سکے تاکہ انسان اپنی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کے لئے پانی کی حدود کو آسانی سے عبور کر سکے اور سامانِ زندگی ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ تک بسہولت منتقل ہو سکے۔

۴۔ آسمان سے بارش۔ وہ اللہ جو بخارات سے بادلوں کو پیدا کر کے ان سے اپنی حسنِ تدبیر کی بدولت پانی برساتا ہے۔ جس کی بدولت بنجر و غیر آباد زمین سرسبز و شاداب باغات لہلہاتے ہوئے سبزوں اور مہکتے ہوئے پھولوں کی آغوشِ تربیت بن کر انسان کی زندگی کو پُرکیف بنا دیتی ہے۔

اور اس نے زمین کو گوناگوں کے حیوانات، رنگارنگ کے چرند و پرند کا مسکن قرار دے دیا جو انسانوں کے دل کا بہلاوا ہیں۔ اور اکثر و بیشتر تکالیف کا مداوا بھی ہیں بلکہ انسان کی زندگی بغیر حیواناتی آبادی کے غالباً کسی حد تک اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

۵۔ ہواؤں کا ردّ و بدل کبھی شمال کبھی جنوب گاہے شرقی گاہے غربی کسی وقت تیز کسی وقت سست کبھی گرم کبھی سرد وغیرہ یہ ہواؤں کا ایرپھیر انسان کے لئے اللہ کی رحمتِ عظمیٰ ہے اور نعمتِ کبریٰ ہے بلکہ انسانی صحت و تندرستی کا زیادہ دار و مدار اسی چیز پر ہے۔

۶۔ بادلوں کا آسمان و زمین کے ساتھ مسخر و مطیع ہونا پہلے جملہ میں بارش کی مصلحت کا ذکر تھا اور اس آخری فقرہ میں صرف بادلوں کی تسخیر کو اللہ نے اپنی حکمت و قدرت کا کرشمہ قرار دے کر اس میں دعوتِ فکر دی ہے۔

یہ چھ چیزیں صاحبانِ عقول کے لئے دعوتِ توحید کا پیغام ہیں کہ ان کے کلّی و جزوی فوائد اور مصالح پر غور کرنے سے عقلمند انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ضرور ان کا خالق مدبّر کائنات ہے اور وہ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے ورنہ یہ نظامِ کائنات جو بدرجۂ اتم ہمارے سامنے موجود ہے درہم برہم ہو جاتا۔ یہ سب چیزیں چونکہ حادث ہیں لہذا ماننا پڑتا ہے کہ ان کا خالق قدیم ہے اور وہ حی بھی ہے جس نے اپنے اختیار اور حسنِ تدبیر سے یہ سارا کارنامہ انجام دیا نیز اس سے اس کا علیم و حکیم ہونا اور مرید و مدرک ہونا اور قادر و قیوم ہونا بھی صاف ظاہر ہے۔ غرضیکہ صرف انہی چیزوں اور ان کی مصلحتوں پر غور کرنے سے توحید اور جملہ صفاتِ ثبوتیہ کی معرفت حاصل کی جا سکتی ہے اور انہی سے تمام صفاتِ سلبیہ کی نفی کا بھی علم حاصل ہو جاتا ہے بشرطیکہ عقل پر پردہ نہ ہو۔ اسی لئے آخر میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ دلیلیں اور نشانیاں ذی ہوش اور صاحبِ عقل طبقہ کے لئے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

اور بعض وہ لوگ ہیں جو اختیار کرتے ہیں خدا کے علاوہ شریک جن سے وہ محبت کرتے ہیں جس طرح کہ اللہ سے محبت کرنی چاہیئے اور ایمان والے

اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا

پکے محب ہیں خدا کے اور کیا اچھا ہوتا کہ سمجھ لیتے (ظالم) مشرک جب کہ دیکھتے عذاب کو کہ تحقیق طاقت سب اللہ کے لئے ہے

وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا

اور تحقیق اللہ سخت عذاب دینے والا ہے قیامت میں جب کہ بیزار ہوں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی پیروی کرنے والوں سے

وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ

اور عذاب کو دیکھ لیں گے اور ٹوٹ جائیں گے ان کے تعلقات اور کہیں گے پیروی کرنے والے کاش! ہمیں ایک بار پلٹنا

وَمِنَ النَّاسِ - اس آیت کا ظاہر تو مشرکین کے لئے ہے جو غیر اللہ سے اللہ جیسی محبت و اطاعت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اس کا باطن ہر باطل پرست کے لئے ہے چنانچہ جابر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم کہ اس سے مراد فلاں و فلاں کے دوست ہیں جنہوں نے ان کو امام تسلیم کیا اور اُس امام کو چھوڑ دیا جس کو خدا نے عہدۂ امامت عطا فرمایا تھا۔ اس کے بعد آپ نے آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی اور آخر میں فرمایا اے جابر خدا کی قسم اس سے ظالم امام اور ان کے پیروکار مراد ہیں - (برہان)

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ - ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بروز محشر حق سبحانہٗ کی جانب سے ندا آئے گی - اَيْنَ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ (کہاں ہے وہ جس کو اللہ نے زمین پر عہدۂ خلافت عطا فرمایا تھا) پس حضرت امیر المومنینؑ کھڑے ہوں گے پھر اللہ کی جانب سے ندا آئے گی کہ اے گروہ مخلوق یہ علی بن ابی طالب زمین پر اللہ کا خلیفہ اور بندوں پر خدا کی حجت موجود ہے پس جس کسی نے دنیا میں اس سے تمسک پکڑا تھا وہ اب بھی اس کے دامن سے وابستہ ہو جائے اور اس کی نورانیت سے فیض یاب ہو کر جنت کے بلند درجات کی طرف اس کے پیچھے پیچھے چلا جائے پس وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں ان کا دامن پکڑا ہو گا ان کے پیچھے پیچھے جنت کی طرف چلیں گے اس کے بعد دوسری ندا آئے گی کہ دنیا میں جس شخص نے جس امام کی پیروی کی تھی وہ اس کے پیچھے ہو جائے جہاں اس کا امام جائے گا اس کو بھی وہاں جانا پڑے گا - پس اس وقت لوگ اپنے اپنے اماموں سے بیزار ہوں گے اور کہیں گے کاش! ہمارے لئے ایک دفعہ دنیا کی طرف پلٹنے کی اجازت ہوتی تو ہر گز ان کے پیچھے نہ چلتے ان آیات

لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّأُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ

ہوتا تو ہم بھی ان سے بیزار ہو جاتے جس طرح وہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں اسی طرح دکھائے گا خدا ان کو ان کے کرتوت باعثِ حسرت

حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا

بنا کر حالانکہ وہ کبھی بھی آتش جہنم سے نکلنے نہ پائیں گے اے لوگو! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو

مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ

زمین میں ہیں حلال و پاکیزہ اور نہ پیچھے چلو قدم بقدم شیطان کے تحقیق وہ تمہارا دشمن صریح

مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

ہے بجز اس کے نہیں کہ وہ تمہیں حکم دے گا برائی اور بدکاری کا اور اس بات کا کہ اللہ کے متعلق ایسی باتیں کرو جو تم نہ جانتے ہو

میں خداوند کریم انہیں کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ (برہان)

كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک شخص جس کو خدا نے دنیا میں مال عطا فرمایا اور اُس نے کسی نیک کام میں اس کو صرف نہ کیا اور مر گیا پھر اس کا کوئی اور وارث ہوا جس نے اُسی مال کو نیک کاموں میں خرچ کیا تو پس وہ مال جمع کرنے والا اپنے مال کی نیکیاں دوسرے کے میزان عمل میں دیکھ کر پچھتائے گا۔

حَلَالًا۔ جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ عبادت کے ستر حصے ہیں اور سب سے افضل ہے حلال کی تلاش کرنا۔

قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ۔ صہ ۲۰۹ یہ آیت صاف بتلاتی ہے کہ جہاں باپ، دادا خدا اور رسول کے خلاف چلنے کا حکم دیں تو اولاد پر ان کی اس معاملہ میں اطاعت واجب نہیں بلکہ حرام ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ۔ صہ ۲۰۹ امام محمد باقر علیہ السّلام سے اس آیت کا معنی اس طرح مروی ہے کہ تمہارا کافروں کو اسلام کی طرف بلانا ایسا ہے جس طرح چرواہا اپنے مویشیوں کو بلاتا ہے جس طرح مویشی چرواہے کی بات نہیں سمجھتے بلکہ صرف آواز و پکار سنتے ہیں اسی طرح یہ بھی تمہاری بات سنتے ہیں سمجھتے نہیں ہیں یعنی ازراہِ عناد سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ۔ صہ ۲۰ پر اس کی تفسیر گذر چکی ہے۔

غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ۔ اس کا یہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے کہ باغ سے مراد خواہش لذت کرنے والا اور عاد سے مراد قدر ضرورت سے تجاوز کرنے والا اور بعض روایات میں ہے کہ باغی سے مراد ظالم اور عادی سے مراد غاصب ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ط

اور جب ان کو کہا جائے کہ پیروی کرو اس چیز کی جو اللہ نے اتاری ہے تو کہنے لگے بلکہ ہم تو پیروی کریں گے اس کی جس پر پایا ہم نے اپنے

أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (۱۷۰) وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا

باپ دادا کو کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں (معاملہ دین کو) اور نہ خبر رکھتے ہوں (حق کی) اور مثال کافروں کے بتوں کو پکارنے کی

كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ط صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا

اس شخص جیسی ہے جو بلائے ایسی چیزوں کو جو نہ سنیں کچھ بھی سوائے آواز اور پکار کے بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کچھ سمجھتے نہیں

يَعْقِلُونَ (۱۷۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ

ہیں اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ ان چیزوں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا اور شکر کرو اللہ کا

إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (۱۷۲) إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ

اگر تم صرف اسی کے عبادت گزار ہو سوائے اس کے نہیں کہ حرام کیا ہے اس نے تمہارے اوپر مردار اور خون اور سور کا گوشت

وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ط إِنَّ

اور وہ چیز جس پر نام لیا جائے غیر خدا کا پس جو شخص ناچار ہو کر نہ (امام حق پر) بغاوت کرنے والا اور نہ تجاوز کرنیوالا (چور ڈاکو) ہو پس اس

اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۱۷۳) إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَ

پر کوئی گناہ نہیں تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے تحقیق وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو نازل کی ہم نے کتاب سے اور

يَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا

حاصل کرتے ہیں بدلے اس کے قیمت معمولی وہ لوگ نہیں بھرتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ اور نہ

إِنَّ الَّذِينَ - علمائے یہود جناب رسولِ خدا کے اوصاف جو تورات میں موجود تھے چھپاتے تھے تاکہ عوام یہود مطلع ہو کر دین یہود سے برگشتہ ہو کر دائرہ اسلام میں داخل نہ ہو جائیں جس سے ان کی عوام یہود کی طرف سے مقررہ آمدنی میں خسارہ تھا۔ خداوند کریم ان کے اس فعل کی مذمت فرما رہا ہے کہ ثمن قلیل کی خاطر جناب رسولؐ پاک کے اوصاف پر پردہ ڈالتے ہیں اور گویا اپنے پیٹ کو آتش جہنم سے بھر رہے ہیں، کیونکہ ان کا انجام آخر جہنم ہوگا۔

يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

ان سے کلام کریگا خدا بروز قیامت اور نہ ان کو پاکیزہ کریگا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے وہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے

اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

لی گمراہی بدلے ہدایت کے اور عذاب بدلے بخشش کے پس کس قدر ان کا حوصلہ ہے آگ پر

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍ

یہ اس لئے کہ تحقیق اللہ نے نازل فرمائی کتاب حق کے ساتھ اور تحقیق وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا کتاب میں البتہ وہ بڑی بدبختی

بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ

میں ہیں نہیں نیکی (کا انحصار) تمہارے منہ پھیرنے میں طرف مشرق و مغرب کے بلکہ نیکی اس شخص کی ہے جو

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى

ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دے مال اپنا باوجود پیارا

حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ

ہونے کے صاحبان قرابت کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور منگتوں کو اور غلاموں کے آزاد کرانے میں

**شان نزول** - جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو لوگوں میں اس حکم کا چرچا عام ہوگیا اور یہود و نصاریٰ نے ہر مقام پر اسی مسئلہ کو محل بحث بنالیا پس یہ آیت اتری کہ نیکی کا انحصار صرف مشرق و مغرب کی طرف منہ کر لینے میں نہیں ہے بلکہ جب تک ان ذکر ہونے والے احکام پر عمل نہ کیا جائے تو صرف قبلہ کی طرف منہ کر لینا کوئی فائدہ مند نہ ہوگا۔

لَيْسَ الْبِرَّ - اگر برّ پر نصب پڑھی جائے تو خبر مقدم اور اگر رفع پڑھا جائے تو اسم لیس کا اور مابعد خبر اس کی دونو ترکیبیں صحیح ہیں اور ہر دو صورتوں میں معنی ایک ہے۔

لٰكِنَّ الْبِرَّ - اس ترکیب میں ایک جگہ مضاف کو محذوف ماننا پڑتا ہے یا اسم میں اور یا خبر میں اگر اسم میں تصرف کریں گے تو ذو مضاف محذوف مانیں گے۔ اور اگر خبر میں تصرف کریں گے تو برّ مضاف ماننا پڑے گا تاکہ مصدر یا ذات ہونے میں اسم اور خبر ایک دوسرے کے مطابق ہو جائیں۔

عَلٰى حُبِّهٖ - ضمیر کا مرجع مال بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں ترجمہ وہی ہوگا جو نیچے موجود ہے اور اگر مرجع ضمیر اللہ کو قرار

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ

اور قائم کرے نماز کو اور دے زکوٰۃ اور وہ لوگ جو اپنے عہد سے وفا کرنے والے ہوں جب عہد کر لیں اور صبر کرنے والے ہوں

فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

سختی اور تکلیف میں اور بوقت لڑائی ایسے لوگ صادق ہیں اور وہی پرہیزگار (متقی) ہیں

الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى

اے ایمان والو۔ فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص (بدلہ) مقتولین کے بارے میں

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۚ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ

آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے پس جس شخص کے لئے معافی ہو جائے اپنے (ایمانی)

فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۗ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ

بھائی کی طرف سے کچھ تو معافی دینے والے کے لئے باقی کا) پیچھا کرنا جائز ہے ساتھ نیکی کے اور (معاف شدہ کو باقی کا) ادا کرنا ہے ساتھ احسان کے یہ آسانی ہے

تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے

دیا جائے۔ تو معنی ہوگا کہ اللہ کی محبت میں مال خرچ کرتے ہیں۔

ذَوِى الْقُرْبٰى ۔ بعض روایات میں ہے کہ اس سے جناب رسولِ خدا کے قریبی مراد ہیں۔ اور آیت مجیدہ میں جس قدر اوصاف کا ذکر ہے سوائے علی بن ابی طالب کے کوئی بھی ان کا جامع نہیں ہے لہٰذا آیت کا مصداق سوائے علیؑ کے کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ شانِ نزول ۔ عرب لوگ اپنے دستور قدیم کے موافق قسم اٹھا لیا کرتے تھے کہ اگر کوئی ہمارا غلام قتل کرے گا تو ہم اس کے بدلہ میں آزاد کو قتل کریں گے۔ اسی طرح عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کریں گے اور ایک کے بدلہ میں دو کو قتل کریں گے۔ اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مقتول کا قصاص یہ ہے کہ آزاد کے بدلہ میں آزاد، غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت قتل ہو۔ اس سے تجاوز کرنا قطعاً ناجائز ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت تبلاتی ہے کہ قصاص لینا فرض ہے حالانکہ وارث پر قصاص کا لینا فرض نہیں ہوتا بلکہ اُس کو تین چیزوں میں اختیار ہوتا ہے ۔ ا۔ قصاص (۲) یا خون بہا (۳) یا معاف کر دے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ واجب تخییری کو بھی واجب کہا جاتا ہے اس مقام پر بھی چونکہ قصاص واجب تخییری کا ایک فرد ہے پس اگر وارث اسی فرد کو اختیار کریں تو یہ واجب اور فرض ہوگا۔

فَمَنِ اعۡتَدٰی بَعۡدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَکُمۡ فِی الۡقِصَاصِ

پس جو بھی تجاوز کرے اس کے بعد تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے اور تمہارے لئے بدلہ لینے میں زندگی ہے

حَیٰوۃٌ یّٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾

اے صاحبانِ عقل تاکہ تم بچ جاؤ

فَمَنۡ عُفِیَ لَہٗ ۔ مقتول کا وارث اگر قاتل سے قصاص معاف کر دے اور اس پر خون بہا عائد کرے تو صاحب حق یعنی وارثِ مقتول کو چاہیئے کہ معروف یعنی احسان و بھلائی سے خون بہا کا مطالبہ کرے یعنی اس کو تنگ نہ کرے اور اگر تنگ دست ہو تو اس کو کچھ مہلت دے دے اسی طرح قاتل پر بھی واجب ہے کہ وارث مقتول کا حق خیر و خوبی سے ادا کرے ٹال مٹول کر کے خواہ مخواہ اس کو تنگ نہ کرے۔

مِنۡ اَخِیۡہِ ۔ اخ سے مراد یہاں مقتول ہے یعنی جس قاتل کو اپنے مقتول بھائی کی جانب سے کچھ معافی مل جائے یعنی وارث مقتول کے قصاص لینے کی بجائے خون بہا پر راضی ہو جائیں پس اس مقام پر مقتول کو قاتل کا بھائی کہا گیا ہے اور اسی قول کو صاحب مجمع البیان نے پسند فرمایا ہے۔

ذٰلِکَ تَخۡفِیۡفٌ ۔ قتل کے بارے میں تورات کا حکم تھا۔ بدلہ لینا یا معاف کرنا اور انجیل کا حکم تھا معاف کرنا یا خون بہا لینا اور قرآن کا حکم ہے بدلہ یا خون بہا یا معافی۔ پس قرآنی حکم سب سے زیادہ آسان ہے۔

فَمَنِ اعۡتَدٰی ۔ یعنی مقتول کا وارث اگر معاف کر دے یا خون بہا پر راضی ہو جائے تو پھر اس کو قصاص لینے کا حق نہیں ہے ورنہ اگر پھر قصاص لینے پر آمادہ ہو تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے۔

وَلَکُمۡ فِی الۡقِصَاصِ حَیٰوۃٌ ۔ احتجاج طبرسی سے امام علی زین العابدین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اے اُمتِ محمدؐ تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے کیونکہ جو شخص قتل کا ارادہ کرے گا اور جانے گا کہ مجھ سے قصاص لیا جائے گا تو وہ خود قتل سے رک جائے گا پس مقتول بھی قتل سے بچ گیا اور یہ بھی قصاص میں قتل ہونے سے بچ گیا گویا قصاص کے وجوب نے دونوں کو زندگی بخش دی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ قصاص ہے تمہارے دنیاوی قتلوں کا۔ اگر چاہو تو میں تم کو اس سے بڑے قتل کا پتہ دوں اور اللہ کے نزدیک اس کے قاتل کی سزا جو مقرر ہے اس کو بھی بیان کروں جو اس قصاص کی سزا سے بہت زیادہ ہے۔ لوگوں نے عرض کی حضور! بیان فرمایئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ عظیم ترین قتل وہ قتل ہے جس کے بعد مقتول کبھی زندہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کا خسارہ پورا ہو سکتا ہے لوگوں نے پوچھا وہ کونسا قتل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ کسی کو جناب محمد مصطفےٰؐ کی نبوت اور علی بن ابی طالبؑ کی ولایت

| کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا ۨ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ |
|---|
| فرض کیا گیا تم پر کہ جب کبھی حاضر ہو تم میں سے کسی پر موت اگر چھوڑے کوئی مال وصیت کرنا ماں باپ |

سے برگشتہ کیا جائے اور اللہ کے راستہ سے گمراہ کر کے دشمنانِ علیؑ کے طریقہ پر اس کو گامزن کیا جائے اور ان کو امام مان کر علیؑ کو اپنے منصب سے ہٹایا جائے۔ اور اس کی فضیلت و عظمت کا انکار کیا جائے پس یہ وہ قتل ہے جس سے مقتول کو ہمیشہ جہنم میں بھیجا جاتا ہے پس اس قتل کی جزاء آتش دوزخ ہی ہے۔ البرہان۔

**فائدہ** ۔ اسی معنیٰ کو ادا کرنے کے لئے عربوں میں ایک جملہ مشہور تھا۔

اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ ۔ (ترجمہ) قتل قتل کو مٹاتا ہے۔

لیکن قرآن مجید کا یہ جُملہ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ قصاص میں زندگی ہے۔ لفظی و معنوی ہر دو اعتبار سے اس سے بلیغ تر ہے۔ لفظی اعتبار سے اس لئے کہ قرآنی جملہ اس عربی مقولہ سے مختصر ہے کیونکہ اس کے حروف دس اور اُس کے حروف چودہ ہیں اور معنوی لحاظ سے اس لئے کہ قرآنی جملہ میں تکرار نہیں اور عربی مقولہ میں قتل دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

**مسئلہ** ۔ قصاص لینے کا حق امامِ معصوم یا اس کے نائب خاص کو حاصل ہے جب کہ مقتول کے وارث قصاص کا مطالبہ کریں۔

**مسئلہ** ۔ اگر آزاد، آزاد کو یا غلام غلام کو یا عورت عورت کو قتل کر دے تو قصاص کے وجوب میں کوئی شک نہیں۔ اسی طرح اگر عورت یا غلام کسی آزاد مرد کو قتل کر دیں تب بھی قصاص واجب ہے لیکن اگر آزاد، غلام کو قتل کر دے تو آزاد سے قصاص نہ لیا جائے گا بلکہ خون بہا لیا جائے گا۔ اور اگر مرد عورت کو قتل کر دے تو اس میں دو صورتیں ہیں۔

(۱) عورت کے وارث خُون بہا لے لیں۔

(۲) عورت کے وارث قاتل کو قصاص میں قتل کر دیں اور اس مرد کی نصف قیمت اس کے وارثوں کو ادا کریں کیونکہ عورت حقوق میں مرد کا نصف ہوا کرتی ہے۔

## وصیّت کا بیان

کُتِبَ عَلَیْکُمْ ۔ اگر انسان کوئی مال ترکہ رکھتا ہو تو اس کو چاہیئے کہ مرنے سے پہلے اس کے متعلق وصیت کر جائے۔ موت حاضر ہونے سے مراد موت کی علامتیں ہیں۔

بِالْمَعْرُوْفِ ۔ سے مراد یہ ہے کہ نہ بہت تھوڑی چیز کی وصیت کرے اور نہ بہت زیادہ کی وصیت کرے۔ اس کی حد امام جعفر صادق علیہ السّلام نے یہ فرمائی ہے کہ کم از کم ۱/۴ حصہ اور بنا بر بعض روایات ۱/۵ حصہ) اور زیادہ سے زیادہ ۱/۳ حصہ ہو حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص مرنے کے وقت اپنے غیر وارث قریبیوں کے لئے وصیت نہ کر جائے تو اس کا خاتمہ گناہ پر ہوا

وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَا

اور قریبیوں کے لئے نیکی کی یہ حق ہے اوپر ڈرنے والوں کے پس جو تبدیل کرے اس (وصیت کو) بعد سننے کے تو گناہ اس کا

اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا

صرف ان لوگوں پر ہے جو اس کو تبدیل کریں تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے پس جو ڈرے کسی وصیّت کرنے والے کے متعلق ظلم یا

اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

گناہ سے پس صلح کرادے ان میں تو اس پر کوئی گناہ نہیں تحقیق اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

حدیث نبویؐ میں ہے کہ جو شخص بغیر وصیت کے مرتا ہے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مسلمان انسان پر ضروری ہے کہ جب رات کو سوئے تو اپنی وصیت لکھ کر اپنے سر کے نیچے رکھ لے۔

فَمَنْ بَدَّلَهٗ۔ وصیت کو تبدیل کرنا یا نوڑ نا گناہ کبیرہ ہے۔ احادیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے لئے وصیت کر جائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے خواہ جس کے لئے وصیّت کی گئی ہے یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو۔

جَنَفًا اَوْ اِثْمًا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جنف سے مراد ⅓ سے زیادہ۔ اور ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص آتشکدہ یا شراب خانہ تعمیر کرنے کی وصیّت کرے تو وصی کے لئے اس کا تبدیل کرنا جائز ہے۔

**فائدہ**۔ آیت وصیت کے منسوخ ہونے میں تین قول ہیں (۱) بالکل منسوخ ہے (۲) وارثوں کے حق میں منسوخ ہے کیونکہ وراثت بھی اُن کے لئے حق کو ثابت کرتی ہے اور وصیت سے بھی یہی مقصود ہوتا ہے پس ان کا حق ثابت کرنے کے لئے وراثت کا ثبوت کافی ہے۔ لہذا آیتِ میراث جب اُتری تو آیتِ وصیّت منسوخ ہوگئی (۳) یہ آیت قطعاً منسوخ نہیں ہے اور محققین علمائے امامیہ کا یہی مسلک ہے کیونکہ نسخ اس وقت ہوتا ہے جب دو حکموں میں منافات ہو جس سے ہر دو پر عمل نہ کیا جا سکتا ہو۔ اور یہاں نسخ کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ وصیت اور وراثت کے دونوں حکموں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

**وصیّت**۔ کسی شخص کا اپنی زندگی میں اپنی موت کے بعد کسی امر کی سفارش کرنا مثلاً کہے میرے مال میں سے اتنی مقدار فلاں کام پر خرچ کی جائے یا فلاں شخص کو دے دی جائے یا فلاں حق واجب اس مال سے ادا کیا جائے یا میری قبر فلاں مقام پر بنائی جائے وغیرہ اور جس شخص کو ان اُمور کی انجام دہی کی سفارش کرے اُسے وصی کہا جاتا ہے۔

**مسئلہ**۔ وصیت کرنے والے میں ان شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) بالغ ہو۔ ۲۔ عاقل ہو۔ ۳۔ قصد و ارادہ سے وصیّت کرے۔

**مسئلہ** ۔ وصیت کرنے والا اپنی زندگی میں اپنی وصیت کو توڑ سکتا ہے اور اُسے تبدیل بھی کر سکتا ہے۔

**مسئلہ** ۔ اگر کوئی شخص کسی کے لئے کچھ مال کی وصیت کر جائے تو وصیت کرنے والے کی موت کے بعد وہ وصیت شدہ مال اس شخص کی ملکیت ہوگا جس کے لئے وصیّت کی گئی ہے بشرطیکہ اُس نے وصیّت کو قبول بھی کیا ہو۔

**مسئلہ** ۔ وصی وہ شخص ہو سکتا ہے جو عاقل۔ بالغ اور موثق ہو۔ اور اگر وصیت کرنے والا مسلمان ہو تو وصی کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔

**مسئلہ** ۔ اگر ایک شخص کے ذمہ خمس۔ زکوٰۃ یا دیگر حقوقِ مالیہ ہوں تو اس پر واجب ہے کہ کوشش کر کے اپنی زندگی میں ان کو ادا کر کے ان سے سبکدوش ہو جائے اور اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو اُن حقوق کی ادائیگی کے متعلق وصیت کر جائے۔

**مسئلہ** ۔ اگر نماز و روزہ کی قضا اُس کے ذمّہ ہو تو بڑے لڑکے کو ان کے متعلق وصیّت کرے اور اگر بڑا لڑکا موجود نہ ہو تو اپنے مال سے بذریعہ اُجرت واجبات کے ادا کرنے کی وصیّت کر جائے۔

**مسئلہ** ۔ اگر کوئی شخص واجبات اور مستحبات کی وصیّت کر جائے تو اس کے واجبات اصل ترکہ سے ادا کرائے جائیں گے اور مستحبات ترکہ کے ⅓ حصہ سے ادا کرائے جائیں گے بشرطیکہ ورثاء زائد خرچ پر رضامند نہ ہوں۔ اگر میت کا ترکہ اتنا ہے کہ صرف میّت کے واجبات اس سے ادا ہو سکتے ہیں تو واجب ہے کہ اس ترکہ سے میّت کے واجبات ادا کئے جائیں مثلاً خمس۔ زکوٰۃ۔ حج اور اُجرتِ قضائے نماز و روزہ وغیرہ۔ اور اگر میّت کا ترکہ اس کے تمام واجبات کے ادا کرنے کا کفیل نہیں ہو سکتا تو جس قدر ممکن ہو اُس کے واجبات کی ادائیگی میں خرچ کیا جائے۔

**مسئلہ** ۔ ایک شخص اُمورِ مستحبہ کے لئے اگر کچھ مال کی وصیّت کر جائے مثلاً زیارت نیابت کے لئے یا عزاداری کے لئے یا دیگر اُمورِ خیر (مساجد یا امام باڑہ یا دینی مدرسوں وغیرہ) کے لئے تو پس اگر وصیّت شدہ مال اس کے کل ترکہ کا ایک تہائی ⅓ یا اس سے کم مقدار بنتا ہو تو وصیّت پر اسی طرح عمل واجب ہے جس طرح مرنے والے نے کہا تھا اور جن جن اُمورِ مستحبہ کی اُس نے سفارش کی تھی اس مال سے اُن کا بجا لانا واجب ہے اور اگر وصیت شدہ مال کل ترکہ کا ایک تہائی (⅓) سے زائد ہو تو ⅓ سے زیادہ مال میں وصیّت نافذ نہ ہوگی جب تک کہ ورثاء کی رضامندی نہ ہو۔ پس اگر وارث اجازت دے دیں تو ٹھیک ہے ورنہ کل ترکہ کے ⅓ کو میت کے بتائے ہوئے اُمور میں خرچ کیا جائے گا اور اس سے زائد مال میں وصیت باطل ہوگی۔

**مسئلہ** ۔ میّت کے ذمّہ جس قدر قرضہ ہو وہ میّت کے اصل مال سے ادا کیا جاتا ہے قرضہ کی ادائیگی سے جو مال بچے گا وارثوں کو ملے گا۔ اسی طرح میّت کے ذمہ جس قدر حقوق مالیہ خمس و زکوٰۃ وغیرہ واجب ہیں یہ بھی سب میّت پر قرضہ ہیں ان کو بھی اصل ترکہ سے ادا کرنا واجب ہے پس ان کی ادائیگی کے بعد جو کچھ مال بچے گا وارث صرف اسی کے حقدار ہوں گے۔

**مسئلہ۔** میت کے حقوق واجبۂ مالیہ ادا کئے بغیر مالِ میت میں وارثوں کا تصرف کرنا ناجائز ہے۔

**مسئلہ۔** اگر ایک شخص کسی کو وصی بنائے تو اس کی زندگی میں وصی کو انکار کا حق حاصل ہے لیکن اس کے مرجانے کے بعد وصی پر لازم ہے کہ وصیّت پر عمل کرے اب وہ وصیت کو توڑنے کا حق نہیں رکھتا۔

**مسئلہ۔** بعض روایات میں ہے کہ وصیت کم از کم ⅓ یا ⅟۴ حصہ مال کی ہونی چاہیے۔ استحباب پر مبنی ہیں ورنہ اس سے کم مقدار کی بھی وصیت ہو سکتی ہے۔

## صدقہ جاریہ اور دعوتِ عمل

بعض احادیث میں وارد ہے کہ انسان جب مرتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر مرنے والا اپنے پیچھے نیک اولاد یا صدقہ جاریہ چھوڑ کر مرے تو اس کی نیک اولاد جب تک نیک اعمال کرتی رہے گی مرنے والے کو فیض پہنچتا رہے گا اور اس کا صدقہ جاریہ بھی جب تک باقی رہے گا، مرنے والے کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا۔

صدقہ جاریہ سے مُراد یہ ہے کہ انسان اپنے مالِ حلال سے ایک ایسا تعمیری کام کر جائے جو تادیر باقی رہ کر خلقِ خدا کو نفع پہنچاتا رہے مثلاً کسی سڑک کے کنارے پر کنواں کھدوائے تاکہ پیاسے مسافر اس مقام پر پہنچ کر سیراب ہوں تو جب تک خلقِ خدا اس سے نفع مند ہوتی رہے گی اس کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا۔ اسی طرح تعمیرِ مسجد کہ جب تک مسجد میں نمازی نماز پڑھتے رہیں گے اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج ہوتی رہیں گی۔ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص ایک مسجد خواہ کتنی ہی چھوٹی ہو تعمیر کرے اُس پر جنّت واجب ہے۔ اسی طرح مسجد میں قرآن رکھنا یا مومنین کو قرآن پڑھنے کے لئے دینا یا عزاخانہ تعمیر کرنا یا مدرسہ دینیہ بنوانا یا ان چیزوں کی بقا و زلیست کے لئے اپنی آمدنی یا اس کے کچھ حصّہ کی وصیت کر جانا تاکہ جب تک ان کارہائے خیر کا سلسلہ جاری رہیگا اس کے نامہ اعمال میں ثواب کا اضافہ ہوتا رہے گا۔

اور انسان کو چاہیئے کہ صدقہ جاریہ کے لئے اگر کچھ مال کی وصیت کرنا چاہتا ہو تو جملہ اُمورِ خیر میں سے اہم فالاہم کا انتخاب کرے تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب کا مستحق ہو۔ مثلاً از روئے حدیث عام مومن کے صدقہ سے فقیر مومن کے لئے صدقہ زیادہ اہم اور موجب ثواب ہے جو کمانے سے معذور ہو اور معذور مومن فقیر کے صدقہ سے رشتہ دار مومن فقیر کے لئے صدقہ زیادہ اہم اور موجب زیادتی ثواب ہے اور رشتہ دار مومن فقیر کے صدقہ سے طالب علم مومن کے لئے صدقہ زیادہ اہم اور ضروری ہے چنانچہ عام مومن کے صدقہ کا ثواب ایک کے بدلے دس گنا ہوتا ہے اور معذور مومن کے صدقہ کا ثواب ایک کے بدلہ میں ستر گنا ہوتا ہے۔ اور رشتہ دار مومن فقیر پر صدقہ کرنے کا ثواب ایک کے بدلہ سات سو گنا ہے۔ اور والدین کے لئے صدقہ کرنے کا ثواب ایک کے بدلہ میں ستر ہزار گنا ہے اور طالب علم مومن پر صدقہ کرنے کا ثواب ایک کے بدلہ میں ایک لاکھ گنا ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کی روایت عنوان الکلام میں حضرت امیر المومنینؑ سے

مروی ہے۔ایک حدیث میں مروی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عالم یا طالب علم کی اعانت کرے خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو۔حتیٰ کہ اگرچہ وہ قلم شکستہ سے ہی ہو تو اس کا ثواب اتنا ہے کہ گویا اُس نے ستر مرتبہ بیت اللہ کی تعمیر کی ہے۔

اقول۔کعبہ اپنے مقام پر ایک بابرکت مقام ہے جو شخص وہاں جاکر اپنے گناہوں سے تائب ہو اور اللہ کے سامنے جھک جائے تو خداوند کریم اس مبارک مکان کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرماتا ہے اور اُس کو داخل جنت کرتا ہے۔لیکن اہل علم کی امداد علماء اور طالبان علم کو طلب معاش سے بے نیاز کر کے اُن کو خدمت علوم کا زیادہ سے زیادہ موقعہ دیتی ہے۔اور معاشی افکار سے فارغ ہو کر وہ علم کی طرف زیادہ توجہ صرف کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔پس ان میں سے ہر ایک اپنی نجات کے علاوہ ہزاروں افراد کے لئے آتش جہنم سے آزادی کا موجب بنتا ہے۔کیونکہ اگر علماء کا وجود نہ ہو تو کعبہ کی پہچان نہ ہوگی۔اور نجات کے لئے صرف کعبہ کا وجود کافی نہیں بلکہ معرفت بھی ضروری ہے۔اور یہ چیز بجز علمائے کرام کے دستیاب نہیں ہوسکتی۔اسی بنا پر حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ کعبہ کے ظاہری وجود کی تعمیر سے علوم شرعیہ کی تعمیر میں کم از کم خرچ بھی ستر گنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔

پس معلوم ہوا کہ دینی تعمیری کاموں میں سب سے زیادہ اہم مدارس دینیہ کا قیام و بقا ہے صرف تقاریر اور ہاؤ ہو پر پیسہ اُڑانا اتنا مفید نہیں ہے جتنا کہ مدارس دینیہ کا اہتمام مفید و کار آمد ہے بلکہ ہر قوم کی قومی و مذہبی زندگی کی بقا کا زیادہ تر انحصار ان ادارہ ہائے دینیہ کے استحکام پر ہے جن میں قومی و مذہبی احساس و شعور کی خفتگی و غفلت کے دُور کرنے کے انتظامات موجود ہوں اور وہ صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ قوم میں دینی مدارس کی بہتات و کثرت ہو۔اور ہونہار بچوں کو وہاں زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے سہولتیں میسر ہوں تاکہ وہ بچے وہاں سے فارغ ہو کر اپنے اپنے قبیلہ میں عوام کے سامنے علمی و عملی طور پر اچھا کردار پیش کرسکیں اور یہ ظاہر ہے کہ قومیں علمی طاقت سے دنیا پر چھا سکتی ہیں اور علمی انحطاط ہی اقوام کی تذلیل کا موجب ہوتا ہے۔

قوم شیعہ عالم ہستی میں وہ ممتاز ترین قوم ہے جن کے نشان راہ پر اقوام دنیا نے گامزن ہو کر مقصود تک رسائی کے منازل طے کئے۔یہ وہ قوم ہے جن کے آفتاب علم کی روشنی میں ہر دَور کے صاحبان ذوق نے علوم مختلفہ میں سیر کی راہ پائی اور یہی وہ قوم ہے جس کی ایثار شعاری اور حق کوشی اقوام عالم میں زبان زد عوام و خواص رہی۔اسی قوم کی بے لوث قربانیوں نے طاغوتی و استبدادی نظریات کو صفحۂ دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا اسی قوم نے صداقت و ثبات قدم کے بل بوتے پر ظلم و جور کی آہنی چٹانوں سے ٹکرا کر ان کو خاکستر کا ڈھیر بنا دیا۔اسی قوم کے صبر و استقلال اور بلند حوصلگی نے ہمیشہ سے قصر باطل کی بنیادیں کھول کھول کر دیں اسی قوم کی پُرسکون و باوقار عملی و علمی زندگی نے انسانیت کی پیشانی سے غلط کردار کے ظلمانی و بدنما داغ دھو ڈالے۔

لیکن نہایت مقام افسوس ہے کہ آج قوم شیعہ علوم و معارف کے میدان میں باقی اقوام سے پیچھے ہٹتی جارہی ہے اور جادۂ حق سے دن بدن ان کے قدم سرکتے جارہے ہیں جس کے نتیجہ میں غیر قومیں ان کے علم و عمل کا جائزہ لے کر ماضی اور حال کی تاریخ و حالات سامنے

رکھ کر ہرگز یہ کہنے کی جرأت نہیں کرتیں کہ یہ وہی قوم ہے جو کسی زمانہ میں شیعہ کے مقدس نام سے موسوم تھی۔
بدقسمتی سے اس قوم میں بعض ایسے جہلا بھی پیدا ہو گئے ہیں جو ترویجِ علومِ آلِ محمدؐ کے خلاف لسانی وقلمی وعملی محاذ قائم کئے ہوئے ہیں اور اسی قسم کے سرپھرے لوگوں کو بعض نااہل بڑے وقیع و وزنی خطابات سے موسوم کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں جس سے ان کی فرعونیت جوش میں آ کر خداوالوں کے کچلنے کی بے سود تدبیریں سوچتی ہے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ حق کی آواز باطل کی سینہ زوریوں غلط بیانیوں اور حیلہ سازیوں سے کبھی دب نہیں سکتی خدا جب چاہتا ہے اس قسم کے اعداء دین پر اُخروی عذاب سے پہلے دنیاوی عذاب بھیج دیتا ہے اگر وہ توبہ کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ مراکز علمیہ اور اہلِ علم کے خلاف ہنگامہ آرائی صدائے صحرائی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی اللہ حق کا خود پاسبان ہے۔
اور اس قسم کا مفسدانہ رویہ ہمیشہ سے رہا ہے۔ شیطنت حق سے ہمیشہ برسرپیکار رہی ہے لیکن ہمیشہ حق کا بول بالا رہا اور باطل کا منہ کالا ایمان والوں کو کسی صورت میں بھی ہمت نہیں ہارنی چاہیئے بلکہ میدانِ عمل میں سینہ تن کر مردانہ وار ڈٹ جانا جوانمردی کا شیوہ ہے۔ اگر یہ قوم میدانِ سیاست میں گامزن ہو کر قائد اعظم پیدا کر سکتی ہے تو میدان علم وعمل میں بڑھ کر علامہ حلی محقق شیخ طوسی، شیخ مفید وغیرہ جیسی ہستیاں کیوں نہیں پیدا کر سکتی؟ بیشک ہمارے ملک پاکستان کی مٹی بڑی مردم خیز ہے اس کی کوکھ سے بڑے بڑے فلاسفر و مفکر لوگوں نے جنم لیا ہے۔
پس اگر عراق و ایران کی زمین علمائے و مجتہد پیدا کر سکتی ہے تو پاکستان کی زمین کے لئے کونسی چیز مانع ہے؟
صاحبان دولت و ثروت اربابِ سیم و زر تھوڑی سی توجہ کر کے اسی خواب پریشان کو شرمندہ تعبیر کر کے اسے ناقابلِ انکار حقیقت بنا سکتے ہیں۔ اپنی گرہ سے پیسہ دو پیسہ خرچ کرنے کے عادی صرف اپنی کثرت کے بل بوتے پر ملک بھر کے گوشہ گوشہ میں علمی مراکز قائم کر سکتے ہیں تو اپنی جیب سے ہزاروں روپیہ حسینی مشن پر قربان کرنے والے اپنی صداقت کی بنا پر علومِ آلِ محمدؐ کی ترویج کا ملک بھر کے ہر زاویہ میں انتظام کیوں نہیں کر سکتے؟ بے شک وہ ایسا کر سکتے ہیں اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔
اس وقت میں آیت زیر بحث (آیت وصیت) کی طرف اپنی آخرت وقیامت کے سنوارنے والوں کو متوجہ کرتا ہوں۔ یہی مال و دولت یہی سیم و زر اگر انسان چھوڑ کر مر جائے تو مرنے والے کے وارث خواہ وہ پیسہ نیکی پر خرچ کریں یا برائی پر ہر دو صورت میں مرنے والے کے لئے بروز محشر باعث حسرت ہوگی کیونکہ اگر نیکی پر خرچ کریں گے تو قیامت کے دن ان کی جزا کو دیکھ کر افسوس کرے گا کہ کاش میں نے اگر اپنے ہاتھ سے راہِ خدا میں خرچ کئے ہوتے تو اس جزا سے محروم کیوں ہوتا؟ اور اگر وہ برائی پر خرچ کریں گے تو اس کے لئے بھی وبال میں زیادتی ہوگی کہ اس کا موجب یہی پیسہ ہوا ہے جو اس نے چھوڑا تھا پس کفِ افسوس ملے گا لیکن اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے اسی مضمون کی روایت منقول ہے۔
لہذا ہر مومن اگر اپنے اپنے مقام پر اپنے مالِ حلال میں سے کچھ حصہ بطورِ وصیت علومِ دینیہ کی ترویج و خدمات کے لئے معین کر جائے تو یہ صدقہ جاریہ جس طرح مرنے والے کے لئے قبر و حشر میں فائدہ مند ہوگا اسی طرح اس کے فیض سے دنیا علوم محمدؐ و آلِ محمدؐ

سے روشناس ہوکر علم وعمل سے معمور ہوگی۔ اور جب تک اس کے آثار باقی رہیں گے وصیت کرنے والے کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا اور دنیا میں بھی اس کا نام زندۂ جاوید رہے گا اور اس کے صدقہ سے فیض یاب ہونے والے ہمیشہ اپنی انتہائی عقیدت مندی سے اس کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنی دعاؤں سے سرفراز فرماتے رہیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند کریم مومنوں کو آخرت کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے اس صورت میں کوئی ضلع ایسا خالی نہ رہ سکے گا جس میں مرکز علمی کی کوئی نہ کوئی شاخ نہ پہنچ سکے۔ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان بھی ان مدارس دینیہ اور مراکز علمیہ میں سے ہے جو قوم کو بیانگِ دہل حیّ علیٰ خیر العمل کی دعوت دیتے ہیں اور مومنین کی توجہ سے ہمہ گیر صلاحیتوں کا حامل ہو سکتا ہے۔

**ربط آیات** ۔ قرآن مجید میں پہلے پہل معرفت کی دعوت عامہ دے کر عبادت کی طرف بلایا گیا اور اس کے بعد مخالفین کی طرف سے وارد شدہ اعتراضات کا رد کیا گیا اور اب اصولی ابحاث کے بعد فروعی احکام کے بیان کا سلسلہ شروع ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ توحید، قیامت، کتاب، انبیاء اور ملائکہ پر ایمان لانے کے بعد اپنا محبوب مال خدا کی محبت میں قریبیوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوالیوں اور غلاموں پر خرچ کرنا، نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، وفائے عہد کرنا، جہاد میں ثابت قدم رہنا اپنا شعار بناؤ۔ اور ان عبادات کی طرف متوجہ کرنے کے بعد مسئلہ قصاص کا ذکر فرمایا تاکہ انسان ذاتی نیکیوں سے آراستہ ہوکر ظلم و استبداد و بے راہ روی کی ناپاک اور انسانیت سوز حرکات سے گریز کرے کیونکہ انسانی کمالات دو قسم کے ہیں (۱) اپنے میں نیک اوصاف کا پیدا کرنا اور اس کو تحلیہ کہا جاتا ہے (۲) اپنے سے بدعادات کو دُور کرنا اور اس کو تخلیہ کہا جاتا ہے۔ اور نفس انسانی کی تکمیل تحلیہ و تخلیہ ہر دو کے بغیر ناممکن ہے یعنی کامل انسان وہ ہے جو صفاتِ حسنہ سے آراستہ ہو اور صفاتِ بد سے خالی ہو۔ مسئلہ قصاص کے بعد وصیت کے مسئلہ کا ذکر فرمایا تاکہ انسان میں صلہ رحمی کا جذبہ کارفرما رہے اور دوسرے برادرانِ ایمان کی امداد کو ذخیرۂ آخرت سمجھے اور اس کے بعد فوراً روزہ کا بیان شروع فرما دیا تاکہ اپنی بھوک پیاس کے احساس سے انسان قرابت دار، غرباء، مساکین اور فقراء مومنین کے ساتھ ہمدردی کرنے کی طرف شوق و ذوق کے ساتھ قدم بڑھا سکے کیونکہ بھوکے کو بھوکوں کی بھوک کا جو احساس ہو سکتا ہے وہ پیٹ بھر کر کھانے والے کو نہیں ہو سکتا۔ اور پیاسے کو پیاسوں کی پیاس کا جو درد ہوتا ہے وہ سیر ہونے والے کو نہیں ہو سکتا۔

## فضائل ماہ مبارک رمضان

چونکہ اس رکوع میں روزہ کا بیان ہے لہذا مناسب ہے کہ پہلے ماہ مبارک رمضان کے کچھ فضائل بیان کئے جائیں چنانچہ مفاتیح الجنان میں شیخ صدوق سے بسند معتبر مروی ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے بسلسلہ آبائے طاہرین علیہم السلام حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نقل فرمایا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ایک روز خطبہ میں ارشاد فرمایا ایّھا الناس! تمہارے پاس اللہ کا مہینہ برکت و رحمت اور بخشش لے کر آیا ہے یہ مہینہ خدا کے نزدیک تمام مہینوں سے بہتر ہے اس کے دن تمام دنوں سے اور اس کی راتیں تمام راتوں سے اور اس کی گھڑیاں تمام گھڑیوں سے افضل ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۱۸۳

اے ایمان والو تم پر فرض کئے گئے روزے جس طرح فرض کئے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم بچ جاؤ

اس ماہ میں تم خدا کی مہمانی کی طرف مدعو کئے گئے ہو اور تم خدا کی کرامت کے اہل ہوئے ہو۔ اس ماہ میں تمہارے سانس تسبیح خدا اور تمہاری نیند عبادتِ خدا کا ثواب رکھتی ہے۔ اس ماہ میں تمہارے عمل مقبول اور تمہاری دعائیں مستجاب ہیں پس پروردگار سے اپنی نیتوں کی درستی اور گناہوں اور بد عادتوں سے دلوں کی پاکیزگی کا سوال کرو تاکہ خدا تم کو روزہ رکھنے اور قرآن پڑھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ یقیناً شقی اور بدبخت انسان وہ ہے جو اس باعظمت مہینہ میں خدا کی بخشش سے محروم رہ جائے اس ماہ کی بھوک و پیاس سے روزِ قیامت کی بھوک و پیاس کا تصور کرو۔ اپنے فقیروں اور مسکینوں پر صدقہ کرو۔ بڑوں کی عزت کرو۔ اور بچوں پر رحم کرو۔ قریبیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اپنی زبانوں کو نامناسب کلمات سے محفوظ رکھو۔ اپنی آنکھوں کو ناجائز نگاہوں سے بچاؤ۔ اپنے کانوں کو ایسے آواز کے سننے سے پاک رکھو جس کا سننا حرام ہے۔ یتیموں پر مہربانی کرو تاکہ خدا تمہارے یتیموں پر مہربانی فرمائے۔ اور گناہوں سے کنارہ کشی کر کے اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اوقات نماز میں اپنے ہاتھوں کو اللہ کی بارگاہ میں دعا کے لئے بلند کرو کیونکہ نماز کا وقت مقبولیتِ دعا کے لئے بہترین وقت ہے۔ اس وقت خدا اپنے بندوں پر نظرِ رحمت فرماتا ہے۔ اور پکارنے والوں کی آواز پر لبیک فرماتا ہے۔ اور ان کی دعاؤں کو مستجاب کرتا ہے۔

لوگو! تمہاری جانیں رہن شدہ ہیں طلبِ بخشش سے ان کو فک کراؤ۔ تمہاری گردنیں گناہوں کی وجہ سے زیرِ بار ہیں طول سجدہ سے ان کا بوجھ ہلکا کرو۔ حق تعالےٰ نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ اس ماہ میں نماز پڑھنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کو عذاب نہ کرے گا اور قیامت کے دن ان کو آتشِ جہنم سے خوفزدہ نہ فرمائے گا۔

ایّها النّاس جو شخص اس ماہ میں روزہ دار مومن کو افطار کرائے گا خدا اس کو ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب مرحمت کریگا اور اُس کے گناہانِ گذشتہ معاف کر دے گا۔ کسی نے عرض کی کہ حضور! ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ افطار کرا سکیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ روزہ داروں کا روزہ افطار کرا کے آتشِ جہنم سے بچنے کی کوشش کرو اگرچہ نصف دانہ کھجور سے ہی ہو۔ یا اگرچہ ایک گھونٹ پانی سے ہی ہو۔ خداوندِ کریم ایسا کرنے والے کو بھی وہی ثواب عطا فرمائے گا اگر یہ شخص اس سے زیادہ پر قدرت نہ رکھتا ہو۔

اَيُّهَا النَّاس! جو شخص اس مہینہ میں اپنے اخلاق کو پاکیزہ رکھے وہ پل صراط سے بآسانی گذرے گا جب کہ قدم ڈگمگائیں گے اور جو شخص اس ماہ میں اپنے غلاموں اور کنیزوں سے ہلکا کام لے گا خدا اس سے قیامت کا حساب ہلکا کر دے گا۔ جو شخص اس ماہ میں اپنی سختی لوگوں سے کم کرے گا تو خدا اس سے قیامت کا غضب اٹھا لے گا جو اس ماہ میں یتیم کی عزت کرے گا تو خدا بروزِ قیامت اس کی عزت کریگا جو اس ماہ میں صلہ رحمی اور قریبیوں پر احسان کرے گا تو خدا قیامت کے دن اس کو اپنی رحمت سے فیض یاب کرے گا اور جو اس ماہ

میں قریبیوں سے قطع تعلق کرے گا تو خدا قیامت کے دن اس کو اپنی رحمت سے دُور کرے گا اور جو شخص اس ماہ میں سنتی نماز پڑھے گا تو خدا اس کے لئے آتش جہنم سے بیزاری فرض کردے گا۔ اور جو شخص نماز واجب پڑھے گا تو دوسرے مہینوں کی نمازوں سے اس کو ستر گنا زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔ اور جو شخص اس ماہ میں صلوات زیادہ پڑھے گا تو قیامت کے روز اس کا نامہ اعمال وزنی ہوگا اور اس ماہ میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھنے والے کو دوسرے مہینوں کے ختم قرآن کے برابر ثواب ملے گا۔

اَیُّھَاالنَّاس! اس ماہ میں بہشت کے دروازے کھلے ہیں پس خدا سے سوال کرو تاکہ تمہارے لئے بند نہ ہو جائیں اور جہنم کے دروازے اس ماہ میں بند ہیں پس خدا سے سوال کرو تاکہ تمہارے لئے کھل نہ جائیں اور شیاطین اس ماہ میں مقید ہیں پس خدا سے دعا مانگو تاکہ وہ تمہارے اُوپر مسلط نہ ہو جائیں۔ الخ۔

صاحب مفاتیح فرماتے ہیں ماہ رمضان اللہ کا مہینہ ہے اور بہترین مہینہ ہے اس ماہ میں آسمانوں کے اور بہشت و رحمت کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہوتے ہیں۔ اس ماہ میں ایک رات وہ ہے کہ اس میں عبادت دوسرے ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے پس فکر کرو اس ماہ میں دن رات کیسے گزارتے ہو۔ اور اپنے اعضاء کو پروردگار کی نافرمانیوں سے کس طرح محفوظ رکھتے ہو؟ ایسا نہ ہو کہ رات کو سونے میں اور دن کو غفلت میں گزار دو۔

حدیث میں ہے کہ اس ماہ دن کے آخر میں بوقتِ افطار حق تعالےٰ لاکھوں انسانوں کو آتشِ جہنم سے آزاد فرماتا ہے اور شب جمعہ و روز جمعہ ہر گھنٹہ میں لاکھوں آدمیوں کو آتش جہنم سے آزاد کرتا ہے جن پر جہنم واجب کرتا ہے اور ماہ رمضان کی آخری رات اور دن میں اتنے انسانوں کو دوزخ سے نجات دیتا ہے جتنے پورے ماہ میں نجات پاتے ہیں۔ پس اے عزیز ایسا نہ ہو کہ ماہ مبارک رمضان گزر جائے اور تیرے گناہ باقی رہ جائیں اور جب روزہ دار اپنی مزدوری وصول کریں تو تُو محروم رہ جائے۔ پس اللہ کا قرب حاصل کرو۔ اس ماہ میں شب و روز تلاوتِ قرآن کے ساتھ نماز کے ساتھ عبادت کے ساتھ اور استغفار کے ساتھ۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس شخص کی مغفرت ماہ رمضان میں نہیں ہوسکتی تو دوسرے ماہ رمضان تک اس کی مغفرت نہیں ہوسکتی مگر یہ کہ عرفات پر جانے کے لئے موفق ہو جائے۔ پس اپنے آپ کو فعل حرام سے بچاؤ اور حرام چیز سے افطار نہ کرو۔

آپ نے فرمایا جب تمہیں روزہ ہو تو چاہیے کہ تمہارے کان۔ آنکھ۔ بال۔ کھال اور جملہ اعضاء روزہ دار ہوں یعنی محرمات و مکروہات کے قریب نہ جاؤ۔

آپ نے فرمایا کہ تمہارا روزہ کا دن دوسرے عام دنوں کی طرح نہ ہونا چاہیے۔

اور فرمایا کہ روزہ صرف کھانے اور پینے سے رُکنے کا نام نہیں بلکہ زبان کو جھوٹ سے اور آنکھ کو حرام سے بچاؤ۔ ایک دوسرے

سے نزاع وحسد نہ کرو۔ گلہ وجھگڑا نہ کرو۔ جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ بلکہ سچی قسم بھی نہ کھاؤ۔ گالی وفحش نہ دو۔ ظلم وبے مروتی اور دل تنگی نہ کرو اور یادِ خدا سے غفلت نہ کرو ناگفتنی باتوں سے چپ رہو۔ راست گو ہوجاؤ۔ اہلِ شر سے دوری رکھو۔ بدگوئی۔ دروغ۔ افتراء جھگڑا۔ بدگمانی غیبت اور سخن چینی سے پرہیز کرو۔ اپنے آپ کو آخرت کے قریب سمجھو۔ اور حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کے ظہور کی انتظار میں رہو آخرت کے ثواب کی اُمید رکھو اور سفرِ آخرت کے لئے اعمالِ صالحہ کا زاد تیار کرو۔ اور لازم ہے کہ آرامِ دل۔ آرامِ تن۔ خضوع و خشوع اور عاجزی وانکساری سے اس طرح رہو جس طرح غلام اپنے آقا کے سامنے رہتا ہے۔ عذابِ خدا سے ڈرو اور رحمتِ خدا کے اُمیدوار رہو۔

اے روزہ دار! تیرا دل عیبوں سے تیرا باطن مکروحیلہ سے اور تیرا بدن میل کچیل سے پاک ہونا چاہیے۔ خدا کی طرف غیر سے بیزاری حاصل کرو۔ اور حالت روزہ میں خالص اللہ کی محبت دل میں رکھو۔ ظاہر و پوشیدگی میں خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچ کر رہو۔ اور اعلانیہ وخفیہ ان چیزوں سے ڈرو جن سے ڈرنے کا حق ہے۔ ایام روزہ میں اپنا روح وبدن اللہ کے حوالہ کرو اور اپنے دل کو اس کی محبت و یاد کے لئے فارغ کردو۔ اور اپنے جسم کو اس کی فرمانبرداری کے لئے چھوڑ دو۔ پس جو کچھ میں نے بیان کیا اگر ان تمام پر تو عمل کرے گا تو روزہ کے لئے جو کچھ سزاوار تھا تُو نے پورا کر دیا اور اطاعتِ خدا بجالایا اور اس سے جس قدر کم کرے گا تو روزہ کے ثواب سے بھی اسی قدر کم ہوجائے گا۔ تحقیق میرے والد بزرگوار نے فرمایا کہ جناب رسالت مآبؐ نے سنا کہ حالتِ روزہ میں ایک عورت اپنی کنیز کو گالی دے رہی تھی پس آپؐ نے کھانا طلب فرمایا اور اُس عورت کو کھانے کی دعوت دی۔ اُس عورت نے عرض کی! یارسول اللہ میں روزہ دار ہوں تو آپ نے فرمایا تجھے کس طرح روزہ ہے حالانکہ تو اپنی کنیز کو دشنام دے رہی تھی؟ روزہ صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے تحقیق خدا نے روزہ کو تمام اُمورِ قبیحہ کا حجاب بنایا ہے خواہ بدکرداری یا بدگفتاری ہو (پھر فرمایا) روزہ دار کس قدر کم ہیں اور بھوک جھیلنے والے کس قدر زیادہ ہیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا بہت روزہ دار ایسے ہوا کرتے ہیں جن کا روزہ میں سے حصہ سوائے بھوک اور پیاس کے اور کچھ نہیں ہوتا اور بہت عبادت گزار ایسے ہوتے ہیں کہ عبادت میں سے ان کا حصہ سوائے جسمانی کوفت کے اور کچھ نہیں ہوتا عاقل (اہل علم ومعرفت) کی نیند احمق کی بیداری وعبادت سے بہتر ہے اور ان کا افطار بے عقلوں کے روزوں سے افضل ہوتا ہے۔ جابر بن یزید نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے جابر بن عبداللہ انصاری کو فرمایا اے جابر! جو شخص ماہ رمضان میں دن کو روزہ رکھے اور رات کے ایک حصہ میں عبادتِ خدا کرے اور اپنے شکم وفرج کو محفوظ رکھے حرام سے اور زبان کو بند رکھے تو جب وہ ماہِ رمضان سے باہر آتا ہے گویا اپنے گناہوں کی دلدل سے باہر نکل جاتا ہے جابر نے عرض کی آپ نے کیا خوب حدیث بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا جابر شرط بھی کس قدر سخت ہے۔؟

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ہشام بن حکم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روزہ کے وجوب کی علّت دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ روزہ فرض کیا گیا ہے تاکہ امیر و غریب میں ایک گونہ مساوات قائم ہو جائے کیونکہ جب تک امیر بھوک کا ذائقہ نہ چکھیں غریب کا احساس ان کو نہیں ہوتا کہ ان پر رحم کریں پس خدا نے چاہا ہے کہ امیر کو بھی بھوک کا ذائقہ چکھائے تاکہ غریب کے لئے اس کا دل نرم ہو۔ اور بھوکے پر رحم کرے۔

روزہ ہائے ماہ رمضان کا ثواب تفصیل وار جناب رسالت مآب سے اس طرح منقول ہے جس کا ملخص پیش کرتا ہوں۔

(از عمدۃ البیان)

یکم ماہ رمضان کو خداوند کریم میری اُمّت کے گناہ بخشتا ہے۔ اور اُن کے ہزار ہزار درجات بلند فرماتا ہے۔

دوسرے روزہ کے دن ہر ایک قدم کے بدلہ میں ایک برس کی عبادت و روزہ کا ثواب عطا فرماتا ہے۔

تیسرے روزہ کے عوض میں بدن کے بالوں کے برابر فردوس میں مروارید سفید کے قبّے جن کے اُوپر و نیچے ہزاروں نور کے گھر اور نورانی تخت ہوتے ہیں عطا فرماتا ہے کہ ہر روز ہزار فرشتے ہدیے لے کر وہاں اس کے پاس حاضر ہوں گے۔

چوتھے روزہ کے بدلہ میں جنت الخلد کے ستر ہزار محل عطا فرمائے گا کہ ہر محل میں ستر ہزار گھر اور ہر گھر میں پچاس ہزار تخت اور ہر تخت پر ایک حور جس کی ایک ہزار کنیزیں ہوں گی کہ ہر کنیز دنیا و مافیہا سے بہتر ہو گی۔

پانچویں روزہ کے بدلہ میں جنت الماوی میں خدا ہزار ہزار شہر عطا فرمائے گا کہ ہر شہر میں ستر ہزار گھر اور ہر گھر میں ستر ہزار دسترخوان اور ہر دسترخوان پر ستر ہزار خوانچے اور ہر خوانچہ میں ستر ہزار قسم کے کھانے ہوں گے جو ایک دوسرے کے مشابہ نہ ہوں گے۔

چھٹے روزہ کے عوض خدا جنت دارالسلام میں ایک لاکھ شہر عطا کرے گا کہ ہر شہر کا لاکھ محلہ اور ہر محلہ میں لاکھ گھر اور ہر گھر میں لاکھ طلائی تخت کہ ہر ایک کا طول ہزار ذراع ہو گا اور ہر تخت پر حور ہو گی جس کے گیسوؤں میں موتی و یاقوت جڑے ہوں گے۔

ساتویں روزہ کے عوض خدا جنت النعیم میں ساٹھ ہزار عابدوں اور زاہدوں کا ثواب دے گا۔

آٹھویں روزہ کے عوض جنت النعیم میں خدا چالیس ہزار شہیدوں اور صدیقوں کا ثواب عنایت کرے گا۔

نویں روزہ کے بدلہ خدا ہزار عالموں اور ہزار مجاہدوں کا ثواب دے گا۔

دسویں روزہ کے عوض اس کی ستر ہزار حاجات خدا بر لائے گا اور عالم کی ہر خشکی و تری کی مخلوق اس کے لئے طلب مغفرت کرے گی۔

گیارہویں روزہ کا ثواب پیغمبر کے ہمراہ چار حجوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ہمراہ بجا لائے ہوئے چار عمروں کے برابر ہے۔

بارہویں روزہ کے عوض خدا اس کے گناہوں کو بخشتا ہے اور نیکیوں کو ہزار گنا کرتا ہے۔

تیرہویں روزہ کا ثواب حرمین شریفین کے تمام عبادت گذاروں کے ثواب کے برابر خدا اس کو عطا فرماتا ہے۔

چودہویں روزہ کو حضرت آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ سلیمانؑ اور داؤدؑ کی زیارت کا ثواب عطا کرتا ہے۔

پندرھویں روزہ کے عوض خدا اس کی دنیاوی و اُخروی حاجات برلاتا ہے۔ حاملانِ عرش اس کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں۔ اور بروز محشر خدا اس کو چالیس نور عطا فرمائے گا جو ہر چہار طرف سے اس کا احاطہ کئے ہوں گے۔

سولہویں روزہ کا عوض اس کو بہشت کے ساٹھ حلّے عطا ہوں گے اور گرمیٔ محشر سے بچنے کے لئے اس کے سر پر بادل کا سایہ ہوگا

سترہویں روزہ کے عوض خدا روزہ دار اور اُس کے باپ دادا کے گناہ بخشتا ہے۔ اور اُن سے قیامت کی سختی دُور فرماتا ہے

اٹھارویں روزہ کے عوض اُس کو خداوند کریم شہدائے بدر کا ثواب عطا فرمائے گا۔ اور تمام ملائکہ آیندہ سال تک اُس کے لئے استغفار کریں گے۔

انیسویں روزہ کے بدلہ میں تمام فرشتے قبر میں جنّتی تحفہ اور شراب طہور لے کر اُس کی زیارت کو آئیں گے۔

بیسویں روزہ کے عوض سَو برس کے روزوں کا ثواب عطا ہوگا۔ ستر ہزار ملائکہ شیاطین سے اُس کی حفاظت کریں گے اور چاروں کتابوں کے قاریوں اور پرہائے جبرئیل کی تعداد کے برابر اُس کو ثوابِ عبادت ملے گا اور آیاتِ قرآنیہ کی تعداد کے برابر اُس کو حوریں عطا ہوں گی۔

اکیسویں روزہ کے عوض خدا اُس کی قبر ہزار فرسخ وسیع کرے گا اور ظلمت و وحشتِ قبر سے محفوظ ہوگا اور اُس کا چہرہ مثل چہرۂ یوسفؑ کے ہوگا۔

بائیسویں روزہ کے عوض ملک الموت انبیاء کی طرح اُس کی قبض روح کے لئے آئے گا اور خدا دنیا و آخرت کے غم اور منکر و نکیر کے ہول سے اس کو بچائے گا۔

تئیسویں روزہ کے عوض نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں اور نیکوں کے ہمراہ پل صراط سے پار ہوگا اور تمام اُمت کی یتیم پروری اور برہنہ پوشی کا ثواب اُس کو ملے گا۔

چوبیسویں روزہ کے عوض مرنے سے پہلے اپنا مکان جنّت میں دیکھے گا اور ہزار بیماروں۔ ہزار راہِ خدا میں ترکِ وطن کرنے والوں اور ہزار غلام اولاد اسمٰعیلؑ سے آزاد کرنے والوں کے ثواب کے برابر اس کو ثواب عطا ہوگا۔

پچیسویں روزہ کے عوض میں خدا زیر عرش ہزار قبہ ہائے سبز تعمیر فرماتا ہے جن پر خیمۂ نور بلند کرتا ہے اور فرماتا ہے مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی کہ تم کو ہزار تاج نورانی پہنا کر نورانی ناقہ پر سوار کر کے ایسی جنّت میں بھیجوں گا کہ تمام مخلوق حیران ہوگی۔

چھبیسویں روزہ کے عوض قتلِ ناحق اور غصب کے علاوہ ستر گناہانِ کبیرہ کو خدا معاف فرما دیتا ہے۔

ستائیسویں روزہ کا ثواب تمام مومنوں کی امداد کرنے اور ہزار برہنہ کو لباس پہنانے۔ تمام کتبِ سماویہ کی تلاوت کرنے اور ہزار مجاہدوں کی خدمت کرنے کے برابر ہے۔

اٹھائیسویں روزہ کے عوض خدا اس کے لئے جنّت الخلد میں لاکھ شہر نور کے اور جنّت الماویٰ میں لاکھ محل چاندی کے، اور جنّت الفردوس میں لاکھ شہر سونے کے کہ ہر شہر میں ہزار کمرے ہوں عطا فرمائے گا۔

انتیسویں روزہ کے عوض خدا ہزار محل عطا کرے گا کہ ہر محل میں ایک تخت سفید کافوری ہوگا اور ہر تخت پر سندس و استبرق کے ہزار فرش ہوں گے۔ اور ہر فرش پر ایک حور ہوگی جس کے ستر ہزار حلّے ہوں گے اور اس کے ہزار گیسو ہوں گے جو موتیوں اور یاقوتوں سے جڑے ہوں گے۔

تیسویں روزہ کا ثواب تمام گذشتہ روزوں کے برابر ہے۔ اور علاوہ ازیں ہزار شہیدوں اور ہزار صدیقوں کے ثواب کے برابر ہے۔ الخ۔ جنّت کا ایک دروازہ ہے جس کا نام ریّان ہے۔ اُس میں سے صرف اُمتِ محمدیہ کے روزہ دار داخل ہوں گے۔ (بحار الانوار ج ۳)

**مسئلہ۔** ماہ رمضان المبارک میں روزہ کا وجوب ضروریات دین میں سے ہے اور اس کا منکر کافر واجب القتل ہے۔

**مسئلہ۔** جو شخص جان بوجھ کر ماہ رمضان کا روزہ افطار کرے تو اس کی تعزیر پچیس تازیانے ہے۔ اگر دوبارہ ایسا کرے تو پھر وہی تعزیر یعنی پچیس تازیانے ہوگی۔ اور اگر تیسری دفعہ کرے گا تو اُس کی سزا قتل ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک چوتھی دفعہ قتل ہے۔

**مسئلہ۔** روزہ نہ رکھنا یا روزہ رکھ کر توڑ دینا ایک جیسا ہے یعنی دونوں صورتیں گناہ کبیرہ ہیں۔

**مسئلہ۔** جو شخص بغیر عذر شرعی کے ماہ رمضان کا روزہ نہ رکھے تو اُس پر قضا و کفارہ دونو واجب ہوتے ہیں۔ ایک روزہ کا کفارہ ہے غلام آزاد کرانا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ساٹھ روزے پے در پے رکھنا۔ اگر اکتیس روزے پے در پے رکھ چکا ہے تو باقی روزے متفرق طور پر رکھ سکتا ہے لیکن اگر شروع سے ہی ناغہ کرتا جائے تو وہ روزے اُس کے کفارہ میں شمار نہ ہوں گے یعنی اکتیس تک پے در پے رکھنا ضروری ہے۔

**مسئلہ۔** اگر ایک شخص نے عمر کے ایک حصہ میں روزے نہیں رکھے تھے تو اُن کی قضا واجب ہے اور کفارہ بھی (بشرطیکہ ترک عمدی ہو) اور اگر کفارہ سے عاجز ہو تو اُسے رحمتِ خدا سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ بارگاہ خدا میں صدقِ نیّت سے توبہ کرے اور استغفار کرے خدا کی رحمت سے بعید نہیں کہ معاف فرما دے۔

## روزہ کے مفطرات

روزہ دار کے لئے جن چیزوں کا ترک ضروری ہے وہ چند چیزیں ہیں۔
(۱) کھانا (۲) پینا۔

**مسئلہ** - کھانے اور پینے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔ اور وہ چیز عام عادۃً کھانے اور پینے میں استعمال ہونے والی ہو یا نہ ہو۔

**مسئلہ** - اگر روزہ کا خیال نہ رہے اور کوئی چیز کھا پی لی جائے تو روزہ باطل نہیں ہوتا لیکن یاد آجانے پر جو نوالہ یا گھونٹ منہ میں موجود ہو اُس کو فوراً باہر نکال دے۔

**مسئلہ** - تھوک اگر منہ میں جمع ہو جائے خواہ ترش اشیا کے تصور سے ہی ہو اُس کے نگلنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔

**مسئلہ** - فضلاتِ دماغیہ یا کھانسی کی وجہ سے سینے سے خارج ہونے والے مواد غلیظہ اگر منہ تک آجائیں تو اُن کے نگلنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے لیکن اگر منہ تک نہ آجائیں اور اندر ہی اندر حلق سے اُتر جائیں تو روزہ باطل نہیں ہوتا۔

**مسئلہ** - آنکھ یا کان میں دوا ڈالنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔

**مسئلہ** - بیماری کے علاج کے لئے ٹیکہ۔ انجکشن وغیرہ سے روزہ باطل نہیں ہوتا البتہ بھوک و پیاس روکنے کے لئے غذائیت یا طاقت کے لئے انجکشن کرانے سے پرہیز کرنا چاہیے بلکہ روزہ دار کو ہر حالت میں حتی الامکان ان چیزوں سے بچنا چاہیئے۔

(۳) جماع - خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ مرد کے ساتھ ہو یا عورت کے ساتھ چھوٹے سے ہو یا بڑے سے۔ زندہ سے یا میت سے انسان سے ہو یا حیوان سے۔ ہر صورت میں روزہ کو باطل کر دیتا ہے۔

(۴) استمناء - جان بوجھ کر مرد کا منی کو خارج کرنا۔ خواہ بوس و کنار کے ذریعہ ہو یا دیدبازی سے ہو یا کسی اور طریقہ سے ہو جب کہ اُس کا قصد ان افعال سے منی کا خارج کرنا ہو۔

**مسئلہ** - روزہ دار کو اگر دن میں احتلام ہو جائے تو روزہ باطل نہیں ہوتا بشرطیکہ اُس کے قصد کو دخل نہ ہو۔

(۵) خدا اور رسولؐ و آئمہ طاہرینؑ کی طرف عمداً جھوٹ منسوب کرنا بعض علماء کے نزدیک روزہ کا مبطل ہے۔ اور قضا اُس کی ضروری ہے لہٰذا ماہ رمضان میں بیان کرنے والے کو چاہیے کہ جس روایت کی صحت کا یقین نہ ہو اُس کو بیان نہ کرے اور اگر کرے تو حکایت کے عنوان سے کرے۔

(۶) گھنا غبار حلق تک پہنچانا جس طرح آٹے کی گرد یا مٹی یا چونے وغیرہ کا غبار

**مسئلہ** - بخاراتِ غلیظہ اور اسی طرح غلیظ دھواں بھی علماء نے غبارِ غلیظ کے حکم میں درج کئے ہیں۔ لہٰذا ان سے بھی بچنا چاہیئے۔

**مسئلہ** ۔ حقہ کا دھواں اگرچہ غلیظ نہ ہو اور بیڑی یا سگریٹ یا بیڑا جس کو بعض لوگ حقہ نوشی کی بجائے منہ میں رکھتے ہیں یا نسوار وغیرہ حالت روزہ میں ان کا استعمال بھی ترک کیا جائے۔

(۷) پانی میں غوطہ لگانا ۔ اِس طریقہ سے کہ پورا جسم پانی کے اندر چھپ جائے۔

**مسئلہ** ۔ اگر روزہ دار غسلِ واجب جان بوجھ کر ارتماس سے کرے تو روزہ و غسل دونوں باطل ہوں گے۔

(۸) جان بوجھ کر صبح صادق تک جنابت سے رہنا۔

**مسئلہ** ۔ جب رات کے وقت انسان پر حالت جُنب طاری ہو جائے تو بغیر غسل کے اُس پر سونا حرام ہے مگر اس صورت میں کہ اس کو قبل صبح صادق کے جاگ کر غسل کر لینے کا یقین ہو۔

**مسئلہ** ۔ روزہ دار کو دن میں احتلام ہو جائے تو غسل فوراً کرنا ضروری نہیں البتہ تاخیر خلافِ احتیاط ہے۔

**مسئلہ** ۔ حیض و نفاس والی عورت کا روزہ درست نہیں بلکہ اس پر ان ایام کے روزوں کی قضا واجب ہے اگر روزہ دار عورت پر دن کے کسی حصہ میں حالتِ حیض یا نفاس طاری ہو جائے تو روزہ اُسی وقت باطل ہو جاتا ہے اور اُس کی قضا لازم ہے خواہ غروب شمس سے بالکل معمولی وقت ہی باقی ہو۔ اِسی طرح اگر کسی عورت کا خون حیض یا نفاس طلوعِ فجر کے بعد بند ہوا ہو تو اس کا اس دن کا روزہ صحیح نہیں ہوگا اور اس کی قضا واجب ہے البتہ ماہ مبارک کے احترام کے پیش نظر اس کو کھانے پینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۹) مائع کے ساتھ حقنہ اگرچہ علاج کے لئے ہی ہو (عام اصطلاح میں اس کو انیمہ یا پچکاری کہا جاتا ہے)

(۱۰) عمداً قے کرنا اگرچہ علاج کے لئے ہو۔

**مسئلہ** ۔ اگر روزہ دار کے حلق میں بحالتِ نماز واجب مکھی یا مچھر یا دانتوں میں باقی ماندہ غذا کا کوئی ٹکڑا اچلا جائے اور "اخ" کئے بغیر اس کا نکلنا مشکل ہو تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔ اگر نماز کے فارغ ہونے تک اس کو اسی مقام پر روک سکتا ہو تو نماز پڑھ لے اور پھر "اخ" کر کے اس کو نکال دے۔ اگر اتنی دیر تک اس کو ضبط نہ کر سکتا ہو تو اب اس کو نگلتا ہے تو روزہ باطل اور اخ کر کے نکالتا ہے تو نماز باطل لہٰذا اگر وہ ایسی چیز ہے جس کا کھانا عام حالت میں بھی حرام ہے جیسے مکھی وغیرہ تو اس صورت میں نماز کو باطل ہونے دے۔ اور اخ کر کے اس کو نکال دے خواہ نماز کا وقت تنگ ہی ہو۔ بعد ازاں نماز کو قضا پڑھ لے اور اگر ایسی چیز ہو جس کا عام حالت میں کھانا حرام نہیں ہے جیسے دانتوں میں بقیہ غذا کے ٹکڑے تو پس اگر نماز کا وقت وسیع ہے تو نماز توڑ دے اور اس کو نکال دے اور اگر نماز کا وقت تنگ ہے تو نگل کر روزہ کو باطل ہونے دے اور نماز کو پورا کرے اور پھر روزہ کی قضا کرے۔

**مسئلہ** ۔ مندرجہ ذیل چیزیں روزہ دار کیلئے مکروہ ہیں جس طرح کہ علما نے ذکر کی ہیں۔

ا۔ عورت کے ساتھ بوس و کنار و خوش طبعی جب کہ اُس کا قصد منی کا لانا نہ ہو۔ اور نہ ہی ایسی حالتوں میں منی کا آنا اس سے

اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ

دن گنے ہوئے (ماہ رمضان)، پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو پس یہی تعداد دوسرے دنوں سے (رکھ دیں)

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ

اور ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہیں فدیہ ہے روٹی ایک مسکین کی پس جو زیادہ کرے تو اس کے لئے بہتری ہے اور

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۱۸۴) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ

روزہ رکھنا تمہیں اچھا ہے اگر تم جانتے ہو ماہ رمضان وہ ہے کہ

اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

نازل کیا گیا اس میں قرآن جو کہ ہدایت ہے لوگوں کے لئے اور روشن دلیلیں ہدایت اور فرقان سے

متوقع ہو۔

۲۔ ایسا سرمہ یا کاجل جس میں مسک کی ملاوٹ ہو یا ایسی چیز کی ملاوٹ جس کا ذائقہ یا بو حلق تک پہنچ جائے۔

۳۔ حمام میں داخل ہونا جب کہ اس کی کمزوری کا موجب ہو۔

۴۔ خون نکلوانا جب کہ بے ہوشی تک پہنچا دینے کا موجب نہ ہو ورنہ حرام ہوگا

۵۔ ناک سے کوئی دوائی وغیرہ سونگھنا جب کہ حلق تک اس کا پہنچنا یقینی نہ ہو ورنہ ناجائز ہے۔

۶۔ ہر خوشبودار گھاس یا پھول کا سونگھنا خصوصًا نرگس۔

۷۔ جسم پر ترکپڑا ڈالنا۔ ۸۔ عورت کا پانی میں بیٹھنا۔ ۹۔ دانت نکلوانا بلکہ ہر وہ چیز جس سے منہ میں خون آجائے۔ ۱۰۔ جامد چیز جیسے حقنہ۔ ۱۱۔ تر لکڑی سے مسواک کرنا۔ ۱۲۔ عبث طور پر غرغرہ کرنا۔ ۱۳۔ اشعار پڑھنا سوائے ان کے جو مطالب حقہ پر مشتمل مدح آئمہ طاہرین یا مرثیہ پر مشتمل ہوں۔ ۱۴۔ جھگڑا فساد کرنا۔

باقی روزہ کے تفصیلی احکام کتب فقیہہ سے حاصل فرمائیں۔

فَمَنْ كَانَ۔ مذہب امامیہ کا اتفاق ہے کہ مسافر اور بیمار، سفر اور بیماری کی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور بعد عذر کے رفع ہوجانے کے بعد ان پر قضا واجب ہے شرائط سفر یہ ہیں۔

(۱) مسافت تقریبًا ساڑھے ستائیس میل یا اس سے زیادہ کا قصد ہو (۲) سفر جائز اور مباح ہو (۳) درمیان سفر میں

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

پس جو تم میں سے گھر میں حاضر ہو اس ماہ میں تو روزہ رکھے اور جو بیمار اور سفر پر ہو تو یہی تعداد دوسرے دنوں سے (رکھ دے)

مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا

چاہتا ہے خدا تمہاری آسانی اور نہیں چاہتا تمہاری تنگی اور چاہیے کہ تعداد پوری کرو اور اللہ کی بزرگی

الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾

بیان کرو کہ تمہیں اس نے ہدایت کی تاکہ تم شکر گذار ہو جاؤ

اپنا وطن حائل نہ ہو یا دس روزہ قیام کی نیت نہ ہو (۴)، خانہ بدوش نہ ہو (۵)، سفر پیشہ نہ ہو (۶) حدِ ترخص سے آگے نکل جائے اور بیماری کی حد یہ ہے کہ روزہ رکھنے میں اُس کو ضرر کا خطرہ ہو چنانچہ ابوبصیر کے سوال کے جواب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ معاملہ اُس کے اپنے سپرد ہے اگر وہ اپنے آپ کو روزہ رکھنے سے کمزور سمجھتا ہے تو روزہ نہ رکھے اور اگر اپنے جسم میں روزہ کی طاقت پاتا ہے تو روزہ رکھے۔

وَعَلَى الَّذِينَ ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو پہلے طاقت رکھتے تھے اور اب بوجہ بوڑھاپے کے یا بوجہ پیاس کے عارضے کے روزہ رکھنا ان کے لئے باعثِ مشقت ہے پس ان کا حکم یہ ہے کہ ہر روزہ کے عوض میں وہ بجائے روزہ کے ایک مُدّ طعام فدیہ کے طور پر مسکین کو دیں۔ مسکین سے مراد مومن مسکین ہے۔

مسئلہ۔ عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ماہ رمضان میں بوجہ بیماری کے روزہ نہ رکھ سکے اور پھر ماہِ مبارک کے گذر جانے کے بعد وہ تندرست ہو جائے لیکن آیندہ ماہ رمضان تک اس نے پچھلی قضاء کے روزے نہیں رکھے تو اب اس پر ان کی قضاء کے ساتھ ساتھ فدیہ بھی ہے یعنی ان روزوں کی قضا بھی رکھے اور ہر روزہ کے عوض میں ایک مُدّ طعام مومن مسکین کو صدقہ بھی دے اور اگر اس ماہ رمضان سے اگلے ماہ رمضان تک وہ مسلسل بیمار رہ جائے تو اس پر صرف فدیہ واجب ہے اور قضا واجب نہیں ہے

شَهْرُ رَمَضَانَ ۔ قرآن مجید کے ماہ مبارک رمضان میں نازل ہونے کے متعلق روایات میں اختلافی صورت موجود ہے چنانچہ ابن عباس سے منقول ہے کہ قرآن لیلۃ القدر میں یک مُشت آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ اور اس کے بعد جناب رسالت مآبؐ پر قسط وار بیس برس میں اُترتا رہا۔ اور ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی ایسا ہی قول مروی ہے اور دوسرا قول

یہ ہے کہ شب قدر میں سال رواں کی ضرورت کے مطابق قرآن کا ایک حصہ اکٹھا آسمان اول پر آتارا جاتا تھا اور پھر رفتہ رفتہ دوران سال میں آنحضورؐ پر نازل ہوتا رہتا تھا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ صحف ابراہیمؑ ۳ ماہ رمضان کو اُترے نیز بعض روایات میں ہے کہ یکم ماہ رمضان کو اُترے۔ اور تورات موسیٰ ۱۰ ماہ رمضان کو نازل ہوئی۔ اور انجیل عیسیٰ ۱۳ ماہ رمضان کو اُتری اور زبور داؤدؑ ۱۸ ماہ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن مجید ۲۳ ماہ رمضان مبارک کو اُترا (مجمع البیان)

تفسیر برہان میں جناب امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ماہ رمضان تمام مہینوں سے افضل ہے اور ماہ رمضان کا دل شب قدر ہے اور قرآن مجید ماہ رمضان کی پہلی رات نازل ہوا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ قرآن ماہ رمضان میں بیت المعمور پہ اُترا اور پھر بیس برس میں آنحضورؐ پہ اُترتا رہا۔

امام محمّد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ایسا نہ کہا کرو کہ رمضان آیا۔ رمضان گیا کیونکہ رمضان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے پس کہا کرو شہر رمضان یعنی ماہ رمضان کیونکہ یہ مہینہ رمضان کی طرف منسوب ہے۔

**وَالْفُرْقَانِ** ۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ قرآن سے مراد پوری کتاب ہے اور فرقان سے مراد وہ آیات محکمہ ہیں جن پر عمل کرنا واجب ہے۔

**فَمَنْ شَهِدَ** ۔ بعض مفسّرین نے اس کا مطلب یہ بھی لیا ہے کہ جو شخص گھر پر ہو اور ماہ رمضان اس پر داخل ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ پورا مہینہ روزے رکھے یعنی سفر کو نہ جائے اور جو پہلے سے ہی مسافر ہے تو گھر پہنچنے کے بعد جس قدر ماہ رمضان کے ایام باقی ہوں روزے رکھے اور سفری ایام کے روزے بعد میں قضا کرے۔

تفسیر برہان میں ہے۔ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے ماہ رمضان میں سفر کرنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اسی آیت مجیدہ سے استدلال فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص گھر میں موجود ہو اور ماہ رمضان داخل ہو جائے تو اب اس کے لئے سفر کو جانا درست نہیں سوائے حج وعمرہ کے یا ایسے مال کی طلب کے لئے جس کے تلف ہونے کا ڈر ہو۔

پس مناسب یہی ہے کہ بلا وجہ ماہ مبارک میں سفر اختیار نہ کرے۔ بعض لوگوں نے دستور بنا لیا ہے کہ ماہ رمضان میں ہی سفر اختیار کر لیتے ہیں خصوصاً طبقہ ذاکرین کے متعلق یہ عام شکایت ہے۔ اگرچہ جواز سفر کے لئے شرعی بہانے بنائے جاسکتے ہیں جن کی بنا پر ظاہر شریعت کی رُو سے انہیں گرفت نہیں کی جاسکتی لیکن اس پر جو مفاسد مرتب ہوتے ہیں ان کی ذمّہ داری سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے۔

ا۔ جس شریف کے ہاں جا کر مہمان ہوئے اگر وہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو تو یہ لوگ ان کو بے وقت تکلیف دینے کا موجب ہوتے ہیں نہ تو وہ ترشروئی سے پیش آسکتے ہیں اور نہ طیب خاطر سے فرائض میزبانی ادا کرسکتے ہیں چنانچہ مشاہدہ خود اس کا گواہ ہے۔

۲۔ اگر میزبان خود نماز روزہ کا پابند نہیں تو ان لوگوں کی آمد سے اس کے خبث باطن کو اور تقویت مل جاتی ہے۔ ویسے تو وہ چھپ کر کھانا پکاتے اور کھاتے پیتے تھے۔ اب اس مہمان کے بہانہ سے وہ خود بھی اعلانیہ ماہ مبارک کی توہین پر جرأت کرتے ہیں۔

۳۔ غیر شیعہ لوگ جب یہ حالت مشاہدہ کرتے ہیں تو شیعوں پر ان کو اعتراضات کا موقع مل جاتا ہے۔ اور جو لوگ شیعہ مذہب کی طرف قدرے مائل ہوتے بھی ہیں ان حالات کو دیکھ کر وہ متنفر ہو جاتے ہیں۔ بے شک ان کو یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ مسافر پر روزہ واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہیں کہ کونسی اہم ضرورت لاحق ہوگئی تھی کہ آپ خواہ مخواہ رخت سفر باندھ کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے تو اس کا جواب سوائے حیلہ سازی و بہانہ جوئی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات عین مجلس میں مجمع عام کے سامنے میز پر سے گڑ وغیرہ اٹھا کر کھاتے بھی رہتے ہیں اور مجلس بھی پڑھتے رہتے ہیں اس میں ماہ مبارک رمضان کی سخت توہین ہے۔ اور یہ شریعت طاہرہ کے ساتھ مخول بازی ہے مذہب حقہ جعفریہ اس قسم کی ناشائستہ اور غیر ذمہ دارانہ حرکات سے بیزار ہے کیونکہ فتویٰ یہ ہے کہ اگر عذر شرعی کی وجہ سے انسان کو روزہ نہ ہو تب بھی چاہیئے کہ درپردہ کھائے پیئے تاکہ ماہ مبارک کی ہتک عزت نہ ہو۔

الحاصل اہم اور نہایت ضروری مقصد کے لئے ماہ مبارک رمضان میں بھی سفر کیا جا سکتا ہے لیکن کھانے پینے میں ماہ مبارک رمضان کے ادب و حرمت کی پاس رکھنا ضروری ہے۔

**مسئلہ۔** حالت سفر میں واجب روزہ رکھنا حرام ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا ایسا ہے جیسا کہ گھر میں نہ رکھنا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص سفر میں روزہ کی حالت میں مر جائے تو میں اس پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھوں گا۔

ایک روایت میں آپ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو جناب رسالتمآبؐ سفر میں نہ واجب روزہ رکھتے تھے اور نہ سنتی۔

**مسئلہ۔** سفر یا مرض میں قضا ہونے والے روزے اگلے ماہ رمضان سے پہلے رکھنے چاہییں ورنہ بلا عذر تاخیر کرنے سے قضا کے علاوہ ایک مُد فی روزہ فدیہ دینا پڑے گا۔

**مسئلہ۔** قضا روزوں کا پے درپے بلا ناغہ رکھنا واجب نہیں ہے بلکہ متفرق طور پر رکھے جا سکتے ہیں لیکن پے درپے رکھنا مستحب ہے۔

**مسئلہ۔** ماہ رمضان کا قضا روزہ زوال سے پہلے اگر افطار کیا جائے تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا لیکن اگر بعد زوال کے

بلا عذر افطار کرے تو ناجائز ہے اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور یہ ناممکن ہو تو پھر تین روزے رکھنا ہے۔

**مسئلہ**۔ جس دن سفر کرنے کا ارادہ ہو تو گھر میں روزہ رکھ لے جب روانہ ہو کر حدِ ترخص سے نکل جائے تب افطار کرے ورنہ اگر پہلے سے افطار کرے گا تو اس پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہو جائیں گے۔

**مسئلہ**۔ اگر زوال شمس کے بعد سفر اختیار کرے تو اُس دن کا روزہ درست ہوگا۔ اسی طرح اگر قبل اَز زوال گھر سے روانہ ہو لیکن حد ترخص سے نکلنے سے پہلے زوال ہو جائے تو روزہ صحیح ہوگا اور اُس کا توڑنا حرام ہے۔

**مسئلہ** اگر سفر سے واپس زوال سے پہلے گھر پہنچ جائے یا حدِ ترخص تک پہنچ جائے تو اگر پہلے کوئی چیز کھا پی نہ چکا ہو تو نیتِ روزہ واجب ہے اور اس دن کا روزہ اُس کا صحیح ہو جائے گا اور اگر کچھ کھا پی چکا ہو تو روزہ اگرچہ نہیں لیکن ماہ مبارک کی پاس ادب کے لئے کھانے پینے سے رُکا رہنا مستحب ہے۔ اور اگر بعد زوال کے گھر پہنچے تو روزہ نہ ہو سکے گا خواہ اس سے قبل سارا دن کچھ کھایا پیا نہ بھی ہو لیکن ماہِ مبارک کے احترام کے پیش نظر کھانے پینے سے اجتناب مستحب ہے۔

**مسئلہ**۔ قضا روزوں میں یہ ضروری نہیں کہ ہر روزہ کی تعیین کرے مثلاً یہ کہ آج فلاں تاریخ کا قضا روزہ رکھ رہا ہوں بلکہ اتنا کافی ہے کہ جس قدر فوت ہوئے ہیں اتنے دن بنیّت قضا روزے رکھ دے۔

مندرجہ ذیل افراد کے لئے ماہ رمضان میں افطار کرنا جائز ہے۔

۱۔ بوڑھا مرد۔ بوڑھی عورت۔ اگر روزہ رکھنا ان کے لئے موجب حرج و باعث مشقت ہو تو روزہ نہ رکھیں اور ہر روزہ کے عوض میں ایک مُدطعام مومن مسکین کو فدیہ دیں۔

۲۔ ذوالعطاش۔ یعنی جس شخص کو پیاس کی بیماری ہو کر صبر کرنا اس کے لئے ناممکن ہو یا باعث مشقت ہو تو روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے عوض میں ایک مُدطعام مومن مسکین کو دے دے۔

۳۔ حاملہ عورت۔ جس کو روزہ ضرر دیتا ہو یا اُس کے بچہ کو ضرر کا خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھے اور فدیہ دے لیکن بعد میں اس پر ان ایام کے روزوں کی قضا واجب ہے۔

۴۔ مرضعہ۔ وہ عورت جو بچہ کو دودھ پلاتی ہے اور اُس کا دودھ کم ہے اگر روزہ رکھے تو اُس کو یا اُس کے بچہ کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے تو اُس کا حکم بھی یہی ہے کہ روزہ نہ رکھے اور ہر دن کا بدلہ ایک مُدطعام فدیہ دے اور بعد میں قضا بھی کرے اس میں فرق نہیں کہ بچہ اُس کا اپنا ہو یا کسی اور کا بچہ مزدوری پر یا قربۃً الی اللہ پال رہی ہو۔

وَاللّٰہُ یُرِیْدُ۔ یعنی خدا آسانی چاہتا ہے بندوں کو تکلیف اور مشقت میں ڈالنا پسند نہیں فرماتا یہ آیت مجیدہ ان لوگوں کے عقیدۂ فاسدہ کو چیلنج کر رہی ہے جو جبر کے قائل ہیں کیونکہ اگر انسان اپنے افعال میں مجبور و بے بس ہوتا تو یہ آیت بے معنی ہو جاتی

کیونکہ جو انسان فعل بد پر مجبور کیا گیا ہو اس کو نیکی کا حکم دینا تکلیف مالایطاق ہے اور خدا جب عُسر کی تکلیف دمشقت والے کام کی بجا آوری کا حکم دینا پسند نہیں کرتا تو تکلیف مالایطاق (نا شدنی امر کی تکلیف دینا) کیسے پسند فرماتا ہے پس معلوم ہوا کہ انسان اپنے افعال میں مختار ہیں اور خداوند کریم اپنے فضل وکرم سے بندوں کو انہی کاموں کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے جس کو وہ خود آسانی سے نبھا سکتے ہیں۔

تفسیر باطنی میں آئمہ اہل بیتؑ سے یُسر کی تاویل ولایت اہل بیتؑ اور عُسر کی تاویل ولایت اغیار مروی ہے۔

وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس تکبیر سے مُراد شب عید الفطر کی تکبیرات ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا کہ شب عید الفطر تکبیر سنّت ہے۔ راوی نے پوچھا کہ وہ کس وقت؟ تو آپ نے فرمایا کہ نماز مغرب نماز عشاء، نماز صبح، اور عید کے بعد۔ راوی نے دریافت کیا کہ اس کی کیفیت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہے۔

اَللهُ اَكْبَرُ اَللهُ اَكْبَرُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ اَللهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَاللهُ اَكْبَرُ عَلٰى مَا هَدَانَا۔ اور روایات میں ان الفاظ سے کم وبیش الفاظ بھی منقول ہیں جس روایت پر عمل کیا جائے سنّت ادا ہو سکتی ہے۔

ماہ رمضان کی فضیلت کے متعلق جناب رسالت مآبؐ سے ایک نقل شدہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا یہ مہینہ دوسرے ہزار مہینوں سے افضل ہے اس میں روزہ رکھنا فرض ہے اس ماہ میں دو رکعت نماز نافلہ دوسری ستر شب کی عبادت کے برابر ہے اس ماہ میں کوئی مستحب کام ادائے فریضہ کا ثواب رکھتا ہے اور اس کا فریضہ دوسرے مہینوں کے ستر فریضوں کے برابر ہے یہ صبر اور ہمدردی کا مہینہ ہے خدا اس ماہ میں رزق کا اضافہ کرتا ہے۔ جو شخص روزہ دار مومن کا روزہ چھڑوائے تو اُس کو غلام آزاد کرانے کا ثواب ملے گا اور گناہ اُس کے بخش دئے جائیں گے۔ کسی نے کہہ دیا کہ حضور! ہم دوسروں کو افطار نہیں کرا سکتے تو آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص زیادہ پر قادر نہ ہو تو کھٹے دودھ پر یا آبِ شیریں کے گھونٹ پر یا کھجور کے چند دانوں پر افطار کرا دے پس اس کو بھی ویسا ہی ثواب عطا فرمائے گا اور جو شخص اس ماہ میں اپنے غلام سے تخفیف کرے خدا اس کا قیامت کا حساب ہلکا کریگا یہ وہ مہینہ ہے کہ اس کا اول رحمت اور وسط مغفرت اور آخر اجابت اور جہنّم سے آزادی ہے اور نیز آپ نے فرمایا کہ روزہ دار کی نیند عبادت اور خاموشی تسبیح اور دعا مقبول اور عمل دوگنا ہوا کرتا ہے (از مجمع البیان)

ماہ مبارک رمضان میں قرآن کی تلاوت زیادہ کرے اگر تیسرے دن ختم کرے تو خوب ہے۔ اور روزانہ ختم کر سکے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ کم از کم ماہ مبارک میں ایک ختم تو ضرور کرے۔ روایت میں ہے کہ ہر چیز کی بہار ہوا کرتی ہے اور ماہ مبارک کی بہار قرآن مجید کی تلاوت ہے۔ اس ماہ مبارک میں زیادہ مناسب ہے کہ انسان اپنی زبان کو حمد وثناء پروردگار یا درود شریف یا دیگر اذکار سے تر رکھے اور شب وروز کی منقول دُعائیں پڑھ کر ثواب حاصل کرے مفاتیح الجنان میں ماہ رمضان مبارک کے شب و روز کے اعمال اور ادعیہ منقولہ کافی بسط وتفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

| |
|---|
| وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ |
| اور جب آپ سے پوچھیں میرے بندے میرے متعلق فرما دیجئے کہ میں قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا دعا کرنے والے کی جب مجھ سے دعا کرے |
| فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِیْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ |
| پس انہیں چاہیے کہ میری بات کو قبول کریں اور میرے ساتھ ایمان لائیں تاکہ ہدایت یافتہ ہوں حلال ہے تمہارے لئے روزوں کی رات میں |
| الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ |
| مباشرت اپنی عورتوں سے وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو آگاہ ہے اللہ کہ تحقیق تم خیانت |
| كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ |
| کرتے تھے اپنے نفسوں سے پس اُس نے رجوع رحمت کیا تم پر اور تمہیں معاف کر دیا |

وَاِذَا سَاَلَكَ ۔ کسی نے جناب رسولِ خدا سے سوال کیا کہ آیا خدا قریب ہے یا بعید تاکہ اُس کے قرب و بعد کے لحاظ سے اس کے پکارنے میں نیچی یا اُونچی آواز کا استعمال کریں تب یہ آیت اُتری۔

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ ۔ جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ عاجز ترین شخص وہ ہے جو دعا سے عاجز ہو ۔ اور بخیل ترین وہ ہے جو سلام سے بخل کرے۔

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں اپنے بھائیوں اور موالیوں کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں آپ کی اس میں کیا رائے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ خدا غائب کی دعا غائب کے لئے قبول فرماتا ہے ۔ اور جو شخص مومنین اور مومنات اور اہل مودّت کے لئے دعا کرے خدا آدم سے لے کر قیامت تک کے تمام مومنین کے برابر نیکیاں اس کو عطا فرمائے گا ۔ پس آپ نے فرمایا کہ خدا نے نمازیں بہترین اوقات میں فرض کی ہیں پس نمازوں کے بعد دعا مانگا کرو اس کے بعد حضرت نے اس کے لئے اور جملہ حاضرین کے لئے دعا کی۔

## تاخیر قبولیّت دعا کی وجہ

ایک شخص احمد نامی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ مولا میں نے ایک عرصہ سے ایک حاجت کا اللہ سے سوال کیا ہوا ہے اور اب مقبولیت کی تاخیر کی وجہ سے میرے دل میں کچھ شک جیسا آتا ہے حضرت نے فرمایا اے احمد! شیطان کے پھندے سے بچ کر رہ کہ تجھے کہیں رحمتِ خدا سے مایوس نہ کر دے ۔ تحقیق (میرے جد) امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات مومن

دعا مانگتا ہے تو خداوندکریم اُس کی قبولیت کو مؤخر کر دیتا ہے کیونکہ اُس کی غمناک آواز اور دردناک لہجہ خدا کو محبوب ہوتا ہے اور علاوہ اس کے بات یہ ہے کہ منافع دنیاویہ میں سے جو کچھ مومن خدا سے طلب کرتے ہیں جن کو اب خدا نے معرض التواء میں ڈال دیا ہے وہ اِن نعماتِ دنیاویہ سے بہتر نہیں ہیں جو خدا نے ان کو عطا کر دی ہیں۔ اور دنیا چیز کیا ہے؟ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مومن کو خوش حالی کی حالت میں بھی خدا سے ایسی ہی دعا مانگنی چاہیئے جیسے کہ سختی کے زمانہ میں مانگتا ہے ایسا نہ ہو کہ جب مطلوب حاصل ہو جائے تو دعا سے سُست ہو جائے اور دعا سے تھک نہ جانا چاہیئے کیونکہ وہ اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ اور تم کو صبر اور طلبِ حلال اور صلہ رحمی لازمی طور پر اختیار کرنی چاہیے اور لوگوں کے ساتھ دشمنی سے بچتے رہنا چاہیے۔ ہم اہل بیتؑ کا دستور ہے کہ قطع رحمی کرنے والے سے بھی صلہ رحمی کرتے ہیں اور بُرا برتاؤ کرنے والے سے بھی ہم اچھائی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ پس خدا کی قسم اس عمل میں ہمیں بڑا اسکھ نصیب ہوتا ہے تحقیق دنیا میں صاحبِ نعمت اگر کسی چیز کا سوال کرے اور اس کو اس کی سوال کردہ چیز کے علاوہ کوئی دوسری شے مل جائے اور وہ اس کو حقیر و معمولی سمجھے تو ایسا شخص کسی بھی شے سے سیر نہیں ہوتا اور جب انسان پر نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں تو ان کے حقوقِ واجبہ سے مسلمان کے لئے عہدہ برا ہونا اور اس کے فتنہ سے بچنا مشکل ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ اگر میں تمہیں کوئی بات کہوں تو آیا میری بات پر تمہیں وثوق آئے گا؟ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی مولا آپ پر فدا ہو جاؤں اگر مجھے آپ کے فرمان پر اعتماد نہ ہو تو پھر کس کے قول پر اعتماد ہوگا؟ حالانکہ آپ خلقِ خدا پر حجّتِ خدا ہیں۔ پس حضورؐ نے فرمایا تو پھر تجھے خدا کی بات پر زیادہ مطمئن رہنا چاہیے کیونکہ وہ وعدہ فرما چکا ہے وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اور نیز فرمایا وَلَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اور نیز فرمایا وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا۔ پس غیر کی بات پر وثوق کرنے سے خدا کی فرمائش پر زیادہ وثوق کرنا چاہیے اور دلوں میں نیک بات لانی چاہیے پس خدا تمہیں بخش دے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کی کہ مولا! قرآن مجید کی دو آیتوں میں مجھے دعویٰ کی تصدیق نہیں ملتی۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہیں۔ سائل نے کہا کہ ایک تو آیت ہے کہ خدا فرماتا ہے اُدْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (مجھ سے دُعا کرو تو میں قبول کروں گا) ہم دعائیں مانگتے ہیں لیکن ان کی قبولیت نہیں پاتے۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے خیال میں خدا نے خلافِ وعدہ کیا ہے؟ سائل نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ سائل نے کہا نہ معلوم۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اس کی حقیقت بتاؤں کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کرے اور پھر دعا مانگے جس طرح دعا مانگنے کا طریقہ ہے تو اس کی دعا قبول ہے۔ سائل نے عرض کی دعا مانگنے کا طریقہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ پہلے اللہ کی حمد کرے پھر اس کی نعمات کو یاد کر کے شکریہ ادا کرے پھر درود پڑھے اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان کا اقرار کرے اور ان سے توبہ کرے

پس یہ دعا کا طریقہ ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دوسری آیت کونسی ہے؟ سائل نے عرض کیا کہ وہ یہ ہے وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ (تم کچھ بھی خرچ کرو پس خدا اس کا بدل عطا فرماتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے) پس میں تو خرچ کرتا ہوں اور اُس کا بدل نہیں پاتا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے خیال میں خدا نے خلافِ وعدہ کیا ہے؟ سائل نے کہا کہ نہیں! آپ نے فرمایا پھر یہ کیوں ہے؟ سائل نے کہا! نہ معلوم۔ آپ نے فرمایا کہ تم حلال سے کسب کرو اور حلال کے راستہ میں خرچ کرو۔ اس صورت میں کوئی درہم خرچ نہ کرو گے مگر یہ کہ خدا اس کا بدل عطا فرمائے گا۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ ابتدائے اسلام میں جب روزہ کا حکم ہوا تو رات کو بھی عورت کے ساتھ مجامعت کرنا حرام کیا گیا تھا لیکن بعض نوجوان اس کو برداشت نہ کر سکتے تھے اور رات کو خفیہ طور پر اپنی عورتوں سے مجامعت کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض تفاسیر اہلِ سنّت مثلاً بیضاوی سے منقول ہے کہ حضرت عمر نے بھی شب ماہ رمضان میں اپنی عورت سے مجامعت کر لی اور پھر صبح کو جناب رسالت مآبؐ سے اپنی عدمِ برداشت کا شکوہ بیان کیا اور دیگر صحابہ نے بھی اپنی اپنی معذرت بیان کی تب وہ حکم منسوخ ہوا اور یہ آیت اُتری کہ اب تمہارے لئے ماہ رمضان کی رات میں اپنی عورتوں سے ہمبستر ہونا جائز اور حلال ہے۔

بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ ماہ رمضان کی پہلی رات اپنی عورت کے ساتھ ہمبستری کرنا مستحب ہے۔ علاّمہ طبرسیؒ نے فرمایا ہے کہ ماہ رمضان کی باقی راتوں کا بھی یہی حکم زیادہ موزوں ہے۔

**مسئلہ**۔ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ سوائے ماہ رمضان مبارک کے ہر ماہ کی پہلی رات عورت سے ہمبستری کرنا مکروہ ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ۔ چونکہ بوقت مجامعت عورت و مرد کا جسم ایک دوسرے سے اس طرح متصل ہوتا ہے جس طرح بدن کا لباس بدن سے متصل ہوتا ہے اسی لئے ان کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی مرد عورت سے مجامعت کرے تو اللہ سے اولاد طلب کرے صرف لذّتِ نفسانی ملحوظ نہ ہو۔ تفسیر عمدۃ البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے ایک روایت منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر کوئی عورت گھر میں اپنے شوہر کی صلاح و درستی کے لئے کوئی کام کرے تو خداوند کریم اس کے گناہ معاف کرتا ہے اور اس کی نیکیاں دوچند فرماتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے مرد سے حاملہ ہو جائے تو اس کو تمام عمر کے ایام کے روزوں اور راتوں کی عبادت کا ثواب مرحمت فرماتا ہے۔ اور عورت کا اپنے بچے کو ایکدفعہ دودھ پلانا غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور جب بچے کو دودھ چھڑائے تو اس کو اللہ کی جانب سے منادی ندا کرتا ہے کہ تیرے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ یہ تو عورت کا ثواب ہے فرمائیے کہ مرد کو کیا ثواب ملتا ہے تو آپؐ مسکرا دیئے اور فرمایا کہ جو مرد اپنی عورت کا محبت سے ہاتھ پکڑے تو خدا اس کی نیکیاں درج کرتا ہے اور اگر عورت کی

| |
|---|
| فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ |
| پس اب ان سے مباشرت کرو اور چاہو وہ جو لکھا ہے اللہ نے تمہارے لئے اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے |
| الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا |
| تمہارے سامنے تاگا سفیدی صبح کا سیاہی شب سے جو کہ فجر کا حصہ ہے پھر پورا کرو روزوں کو رات تک اور ان سے |
| تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا |
| نہ مباشرت کرو جب کہ اعتکاف کرنیوالے ہو مسجدوں میں یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے پاس مت جاؤ |
| كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ |
| اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے تا کہ وہ بچیں۔ |

گردن میں ہاتھ ڈالے تو دس نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں درج فرماتا ہے اور اگر اُس کو بوسہ دے تو بیس نیکیاں اور اگر مجامعت کرے تو اس قدر نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں درج کرتا ہے کہ اُس کے مقابلہ میں دنیا ہیچ ہے۔ اور جب وہ غسل کرتا ہے تو اُس کے بالوں کے برابر اس کے درجات بلند فرماتا ہے اور فرشتوں سے خطاب فرماتا ہے کہ تم گواہ رہو کہ میں نے اس کے گناہ بخش دیئے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق وارد ہے کہ ابتدا میں ماہ رمضان کی رات میں سوجانے کے بعد کھانا پینا حرام ہوجاتا تھا خندق کے ایام میں مطعم بن جُبیر دن کا تھکا ماندہ جب شام کے وقت گھر پہنچا تو اپنی بیوی سے کھانا طلب کیا بوڑھا آدمی تھا۔ کھانا لانے میں جب کچھ دیر ہوئی تو اُس کو کوفت و تکان کی وجہ سے نیند آگئی جب بیدار ہوا تو اپنی زوجہ سے کہا کہ میں چونکہ سو چکا ہوں لہذا اب میرے اُوپر کھانا حرام ہوگیا ہے۔ دوسرے دن پھر روزہ تھا اور خندق کی کھدائی کا کام بھی تھا جب اپنی ڈیوٹی پر پہنچا تو کام کرتے ہوئے بے ہوش ہوگیا۔ اسی طرح دوسرے بعض صحابہ کو بھی واقعات پیش آئے تو اُنہوں نے جناب رسالت مآبؐ کے سامنے اپنے حالات بیان کئے اور معذرت چاہی تب یہ آیت اُتری کہ پہلا حکم منسوخ ہے۔ اور اب تمہارے لئے رات بھر کھانا جائز ہے۔ جب تک صبح کی سفیدی کا خط رات کی تاریکی سے ممتاز نہ ہوجائے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ دو تاگے ایک سیاہ اور ایک سفید اپنے پاس رکھ لیتے تھے اور ان کو دیکھتے رہتے تھے جب دونوں تاگے ایک دوسرے سے پہچانے جاتے تھے تب کھانا پینا بند کر لیتے تھے۔ پھر اُن کو سمجھایا گیا کہ سفید تاگے سے مراد صبح کی

سفیدی اور سیاہ تاگے سے مُراد رات کی سیاہی ہے۔ تب انہوں نے اس آیت کا صحیح معنی سمجھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں بھی اسی مضمون کی ایک روایت موجود ہے۔

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ۔ لیل سے مُراد ہے غروب شمس کا یقین۔ علماء نے اس کی علامت مشرق کی سُرخی کا دُور ہونا بیان فرمایا ہے۔ اگر مشرق کی سُرخی پُوری طرح زائل نہ ہوئی ہو۔ اور غروب شمس کا یقین ہو تو افطار جائز ہے۔

**مسئلہ۔** کھانا کھاتے ہُوئے اگر سفیدی صبح کی ظاہر ہو جائے تو جو نوالہ منہ میں ہے اُس کو باہر نکال دے اور اگر یقین ہو جائے کہ صبح اس سے پہلے طلوع ہو چکی تھی تو اُس دن کی قضا واجب ہے۔

**مسئلہ۔** اگر کھانا کھانے سے پہلے اُس نے تحقیق کر کے معلوم کر لیا کہ ابھی رات باقی ہے پھر اس کو طلوعِ فجر میں شک ہو گیا تو روزہ صحیح ہے۔

**مسئلہ۔** افطار کے وقت اگر بادل کی وجہ سے فضا تاریک تھی۔ اور اُس نے غروب کا یقین کر کے کچھ کھا پی لیا۔ اور بعد میں بادل پھٹ جانے کی وجہ سے معلُوم ہوا کہ ابھی غروب نہ ہوا تھا تو اس پر صرف اس روزہ کی قضا واجب ہے۔

**مسئلہ۔** اگر غروب میں شک ہو تو جب تک یقین پیدا نہ ہو جائے کھانا پینا حرام ہے۔

**مسئلہ۔** غیر معتبر شخص کی بات پر اعتماد کر کے مشکوک وقت میں کھانا پینا خلافِ واقع ظاہر ہونے کی صورت میں روزے کو فاسد کرتا ہے۔

**مسئلہ۔** سحری کرنا مستحب ہے اور سُورہ انّا انزلنا پڑھنا بوقت سحر مستحب ہے۔ مروی ہے کہ جو شخص سحر اور افطار کے وقت سورہ انّا انزلنا پڑھے تو اُس کو شہادت کا ثواب عطا ہوتا ہے۔

**مسئلہ۔** افطار کے وقت سورہ انّا انزلنا کا پڑھنا اور اس دُعا کا پڑھنا مستحب ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔

**مسئلہ۔** نمازِ مغرب کے بعد افطار کرنا بہتر ہے لیکن اگر نفس افطار کی طرف زیادہ متوجہ ہو یا کچھ اور آدمی اس کے افطار کے منتظر ہوں تو نماز سے پہلے افطار کرنا بہتر ہے۔

**مسئلہ۔** افطار پاک و حلال چیزوں پر کرے۔ کھجور خشک یا تازہ، پانی۔ دودھ۔ مٹھائی۔ کھانڈ اور گرم پانی، نمک وغیرہ سے افطار کرنا بہتر ہے۔

**مسئلہ۔** بوقت افطار صدقہ دینا مستحب ہے اور وہ اس طرح کہ چند روزہ دار مومنین کو افطار کرا دے خواہ کھجور سے یا

پانی کے شربت سے یا کسی اور پاکیزہ چیز سے حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ اس ماہ میں مومن کو ایک لقمہ کھلانا تیس غلام آزاد کرانے کے برابر ہے اور خدا اس کے بدلہ میں اس کی ایک دعا مستجاب فرماتا ہے۔

**اعتکاف**

وَاَنۡتُمۡ عَاكِفُوۡنَ فِی الۡمَسَاجِدِ - یعنی زمانہ اعتکاف میں رات کے وقت بھی عورت سے مجامعت کرنا ناجائز ہے۔ اعتکاف کے لئے روزہ کا ہونا شرط ہے۔ لہذا جس زمانہ میں روزہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس زمانہ میں اعتکاف بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اعتکاف کیلئے بہتر وقت ماہ رمضان مبارک ہے اور ماہ مبارک کا آخری عشرہ افضل ہے۔ اعتکاف اصل شریعت کے اعتبار سے مستحب ہے۔ اور بعض اوقات نذر یا عہد وغیرہ سے واجب بھی ہو جایا کرتا ہے۔

**مسئلہ:** اعتکاف کے لئے یہ شرائط ہیں۔

۱۔ ایمان ۲۔ عقل ۳۔ نیت قربت ۴۔ روزہ ۵۔ یہ کہ تین روزے سے کم نہ ہو ۶۔ یہ کہ اعتکاف کے لئے جامع مسجد میں بیٹھے۔ ۸۔ بغیر امور ضروریہ کے مسجد سے باہر نہ جائے۔

**مسئلہ۔** اگر عورت بھی اعتکاف کرنا چاہے تو اس پر بھی اعتکاف کے لئے جامع مسجد کی پابندی ضروری ہے۔

**مسئلہ۔** جب اعتکاف میں دو دن گذر جائیں تو تیسرا دن واجب ہو جایا کرتا ہے۔

**مسئلہ۔** اعتکاف کرنے والے پر یہ چیزیں حرام ہیں۔

۱۔ عورت ۲۔ منی کا خارج کرنا ۳۔ خوشبو سونگھنا ۴۔ خرید و فروخت کرنا ۵۔ جھگڑا کرنا خواہ مسئلہ دینیہ میں ہی ہو جب کہ غرض اس سے اپنی علمی استعداد کا ظاہر کرنا ہو۔

**مسئلہ۔** ہر وہ چیز جس سے روزہ باطل ہوتا ہے وہ اعتکاف کو بھی باطل کرتی ہے۔

**مسئلہ۔** اعتکاف کی نیت طلوع صبح سے پہلے کرے اس کے بعد اس کا اعتکاف شروع ہو جائے گا۔ اور پھر تیسرے دن جب روزہ افطار ہوگا تو اعتکاف بھی پورا ہو جائے گا تو پس تین دن سالم اور درمیان کی دو راتیں اعتکاف میں داخل ہیں پہلی اور چوتھی رات کو اعتکاف کے اندر داخل کرنا ضروری نہیں۔ اور اگر داخل کرے تو حرج بھی کوئی نہیں۔

**مسئلہ۔** جب اعتکاف واجب ہو تو اس کا توڑنا حرام ہے۔ اگر اعتکاف واجب ہو۔ اور ماہ رمضان ہو تو دن کو بذریعہ مجامعت اگر اعتکاف کو توڑے گا تو اس پر دو کفارے واجب ہوں گے۔

ایک اعتکاف کے لئے

اور دوسرا ماہ رمضان کے لئے

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا

اور نہ کھاؤ اپنے مالوں کو اپنے درمیان ساتھ باطل کے اور نہ لے جاؤ ان کو طرف حکام کے تاکہ کھاؤ

فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۱۸۸

ایک حصہ لوگوں کے مالوں سے ساتھ گناہ کے جانتے بوجھتے ہوئے

## غیر کا مال کھانا حرام ہے

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ ۔ یعنی باطل اور غلط طریقہ سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔ شرعی جائز طریقہ کے علاوہ اور جس طریقہ سے انسان کوئی مال حاصل کرے وہ سب باطل ہے ۔چوری۔ ڈاکہ۔ ٹھگی۔ دھوکا۔ جوابازی۔ رشوت۔ غصب، ناجائز بیع وشراء۔ خیانت وغیرہ ان تمام کے ذریعہ مال کا حاصل کرنا باطل اور اس کا کھانا حرام ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جھوٹی قسم کے ذریعہ سے مال حاصل کرنا باطل ہے۔

بعض کتب میں مروی ہے کہ اگر انسان قرض لے اور نیت ادائیگی کی نہ رکھتا ہو تو وہ بھی باطل میں داخل ہے۔

وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ ۔ ابوبصیر سے مروی ہے کہ ...... امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اے ابوبصیر! تحقیق اللہ کو علم تھا کہ اُمت میں حکام جور ہوں گے۔ پس اس آیت میں اُس نے حکام عدل مراد نہیں لئے بلکہ حکام جور مراد لئے ہیں۔ اے ابومحمد اگر تیرا کسی شخص پر کچھ حق ہو۔ اور تو اُس کو حکام عدل کے فیصلہ کی طرف دعوت دے اور وہ تجھے حکام جور کی طرف جانے کے لئے مجبور کرے تو البتہ وہ طاغوت کے فیصلہ کو ماننے والا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک آیت پڑھی جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو قرآن اور سابقہ کتابوں پر ایمان لانے کے دعویدار ہیں حالانکہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے جانے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔

**مسئلہ**۔ حاکم جائر کی طرف مقدمہ لے جانا حرام ہے۔ اور اس کے فیصلہ سے جو مال حاصل ہو وہ بھی حرام ہے۔ خواہ واقع میں یہ اس کا حقدار ہی کیوں نہ ہو۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوقؒ
۲] علامہ مجلسیؒ
۳] علامہ سیداظہر حسین
۴] علامہ سید علی نقیؒ
۵] بیگم و سید عابد علی رضوی
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی
۷) بیگم و سید رضا امجد
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی
۹) بیگم و سید سبط حسن
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری
۱۱) بیگم و سید جبار حسین
۱۲) بیگم و مرزا توحید علی
۱۳) سید حسین عباس فرحت
۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی
۱۵) سید انعام حسین زیدی
۱۶) سیدہ ممتاز زہرہ
۱۷) سیدہ رضویہ خاتون
۱۸) سید نجم الحسن
۱۹) سید مبارک رضا
۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی
۲۱) بیگم و مرزا احمد ہاشم
۲۲) سید باقر علی رضوی
۲۳) بیگم و سید باسط حسین
۲۴) سید عرفان حیدر رضوی
۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲۶) سید ممتاز حسین
۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۲۸) سید محمد علی
۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۳۰) سید مظفر حسنین
۳۱) سید باسط حسین نقوی
۳۲) غلام محی الدین
۳۳) سید ناصر علی زیدی
۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۳۵) ریاض الحق
۳۶) خورشید بیگم